بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

معروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

سورۂ فاتحہ

اس سورت مقدسہ کا پورا تعارف پیش لفظ میں گزر چکا ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے فاتحہ کا معنیٰ ہے کھولنے والی۔ افتتاح کرنیوالی۔ یہ قرآن مجید کی اوّلین سورت ہے۔ اور قل محذوف کیساتھ آنحضرت مقدس کو مخاطب کرکے نازل کیگئی ہے۔ جسے خداتعالیٰ کی نظر انتخاب نے اپنے آخری پیغام کیلئے منتخب فرمایا۔ یہ سبعًا من المثانی، قرآن کریم کی فہرست و خلاصہ ہے ۱۵/۸۷۔ اور یہ اُس انقلابی تحریک کا سات نکاتی منشور ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول نے گوناگوں مصائب و آلام میں گھری ہوئی انسانیت کے مداوا کیلئے شروع فرمایا۔ اس کٹھن منزل اور پرآشوب مہم کیلئے آپ ایک مقدس رہنمائی کے متمنّی تھے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۹۳۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آپکو طلبگار ہدایت پایا، پس ہدایت فرمادی۔ اس ہدایت کا نزول بصورت قرآن حکیم آنحضورؐ کے قلب اطہر پر ہوا۔

- نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ۴۷/۲
- فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ۲/۹۷
- اب چونکہ ربوبیت کا عدم توازن ہی انسانی مصائب کا سرچشمہ ہے اسلئے ضابطۂ خداوندی از ابتداء تا انتہا اس عدم توازن ہی کے انسداد و انصرام پر مبنی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ضامن ربوبیتِ عامہ نے اپنی مقدس کتاب کو ربوبیت عالمین ہی سے شروع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ [1]

شروع ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنیوالا مہربان [2]

(اے دکھیا انسانیت کے غمخوار [3] ۹/۱۲۸) اللہ صاحب بخشش عامہ (بلا محنت نعمتیں عطا کرنیوالے) اور صاحب شفقت خاصہ (انسانی محنت کا بھرپور ثمر رحمت فرمانیوالے) کے نام کیساتھ کہہ دیجئیگا۔ اعلان فرما دیجئیگا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱

سب تعریف واسطے اللہ کے ہے جو پروردگار عالموں کا

پوری کی پوری تعریف (جو کائنات کا گوشہ گوشہ ہر وقت بزبان حال ادا کر رہا ہے) اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کی جملہ مخلوق (العالمین) کا رب ہے۔ (وہ ہر چیز کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنیوالا ہے)۔

نظریۂ قسمت و تقدیر، قرآن کریم کے درس اول ہی کے خلاف ہے

● دیکھئے! قرآن کریم کے درس اول ہی میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے ربوبیت عامہ کا اعلان کروا دیا گیا ہے کہ اللہ کی عطا فرمودہ نعمتیں صرف بالادستوں ہی کیلئے نہیں پیدا فرمائی گئیں۔ بلکہ ان میں انسان کی خود پیدا کردہ، اعلیٰ و ادنیٰ، بندہ و صاحب، آقا و غلام، کارخانہ دار و مزدور اور زمیندار و مزارع کی غلط تمیز کے خلاف سب کا حق مساوی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے رب المترفین نہیں۔ قرآن کریم کی اس پہلی ہی آیت کریمہ میں مختلف افراد کی مختلف ناہموار تقدیروں کے نظریہ پر ضرب شدید لگائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رب العلمین ہے یعنی اپنی پوری مخلوق کا رب ہے تو پھر اسکی طرف یہ نظریہ کسطرح منسوب کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کسی کی قسمت میں ناشتہ نہار عصرانہ اور عشائیہ چار وقت کے پر تکلف کھانے لکھے ہوئے ہیں اور کسی کی قسمت میں صرف دو وقت کی خشک روٹی لکھی ہے۔ یاد رہے کہ معاشی ناہمواری یعنی ربوبیت کا عدم توازن جو آنحضورؐ کو مضطرب بیقرار رکھتا تھا، اسلام میں اس دیکھتے ہوئے جہنم کا جواز قسمت و تقدیر کے غلط نظریہ ہی پر قائم کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے اولین جملہ اور اس مقدس کتاب کے پہلے ہی سبق میں اس نظریہ کو

---

[1] واضح رہے کہ قرآن کریم میں بسم اللہ شریف بھی نزولی آیت مجیدہ ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کے تمام نسخوں میں بسم اللہ شریف پر آیت کا نمبر نہیں دیا گیا۔ اسلئے ہم نے بھی اس پر نمبر نہیں دیا تاکہ تفسیر زیر نظر کی آیتوں کے نمبر عام قرآنی نسخوں سے مختلف نہ ہو جائیں۔

[2] عربی متن کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اور تقابل کی آسانی کیلئے سامنے ترجمہ تصریف آیات الفرقان ہے۔

[3] لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۹/۱۲۸

اے نوع انسانی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہاری بدحالی اُسے بیقرار رکھتی ہے۔ تمہاری بھلائی کیلئے حریص ہے۔ مومنوں پر بالخصوص شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

باطل قرار دیکر بھوکے عوام کو تنبیہ کر دیا گیا ہے کہ نعماء خداوندی میں تمہارا بھی برابر کا حق ہے۔

عطاء نعماء خداوندی کے دو طریقے ہیں۔ بلا محنت اور با محنت

● سورہ فاتحہ کی دوسری آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالے کیطرف سے سامان ربوبیت دو طریقوں سے میسر آتا ہے۔ ایک اسکی صفت رحمان کی رُو سے اور دوسرے اُسکی صفت رحیم کی رُو سے۔ چنانچہ روشنی، گرمی، ہوا، بارش اور کائنات کی ہزاروں مخفی قوتیں، جو ہر آن سامان ربوبیت مہیا کرنے میں سرگرم عمل ہیں، اور انسانی زندگی کیلئے بنیادی نقطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر حضرت انسان کا نہ کوئی پائی پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ اسے روشنی گرمی وغیرہ کے حصول کیلئے کوئی معمولی جسمانی طاقت ہی خرچ کرنی پڑتی ہے نہ کوئی وقت۔ ربوبیت کی یہ تمام انمول نعمتیں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے ماتحت نوع انسانی کو مل رہی ہیں۔ اور دوسری نعمتیں وہ ہیں جو محنت و مشقت ہی سے میسر آتی ہیں۔ اناج کے کھلیان اُسوقت تک میسر نہیں آسکتے جبتک انسان زمین میں ہل چلا کر، بیج ڈالکر، کھیت کو سیراب نہ کرے۔ غلّہ پیدا کرنے کیلئے زمین کی مضمر صلاحیتیں، سورج کی گرمی، ہوا اور پانی تو ہیں بلا مشقت حاصل ہیں۔ لیکن زمین کو پھاڑنا، بیج ڈالنا اور سیراب کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔ اِسیطرح خدا تعالیٰ نے پہاڑوں میں سونا چاندی لوہا تانبہ سیسہ وغیرہ ہزاروں قسم کی معدنیات ہماری محنت کے بغیر مہیا کر دی ہیں لیکن اُنہیں حاصل کرنے کیلئے کوہ کنی ہمارا فریضہ ہے۔ چنانچہ سورہ زیر نظر کی دوسری آیت" میں حصول سامان ربوبیت کے متعلق وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ نعمتیں بلا محنت عطا کرنے والا ہے اور با محنت بھی۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۲

بخشش کرنے والا مہربان

رب العلمین رحمان و رحیم ہے۔ (بلا محنت اور با محنت سامان ربوبیت عطا کرنیوالا ہے (وہ رحمان ہے، روشنی گرمی ہوا وغیرہ نعمتیں بلا محنت عطا کر رہا ہے۔ نیز رحیم ہے انسانی محنت کا پورا پورا ثمر مرحمت فرماتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی بلا محنت اور با محنت عطا کردہ نعمتوں کے متعلق باز پرس کیلئے مخصوص عدالت کی خبر

● اب چونکہ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ (اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ) اسلئے اگلی آیت میں ہر مجرم کو عموماً اور غاصبین ربوبیت کو خصوصاً متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اُن سے فرداً فرداً باز پرس کیجائیگی۔ دُنیوی عدالتوں میں رشوت سفارش اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ ربوبیت عامہ کے غاصب بری ہو جاتے ہیں۔ اور ناکردہ گناہ تختہ دار پر کھینچ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور نہ رشوت چل سکیگی نہ سفارش۔ اور نہ کسی کو جھوٹی گواہی کی جرأت ہوگی۔ ربوبیت عامہ کی بلا محنت اور با محنت نعمتوں کو لوٹ کا مال قرار دینے والے ضرور ضرور سزا یاب ہونگے۔ پس بتایا گیا ہے کہ اپنی صفات رحمان و رحیم کے مطابق سامان نشو و نما دینے والا ایک عدالت عام کے دن کا

مالک ہے :۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳
خداوند دن جزا کا

وُہ ربّ العلمین جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ (اُس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو قانونِ ربوبیّت کے مطابق یا مخالف استعمال کرنیوالوں کی جزا سزا کیلئے عدالتِ عام کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری اور خالص استعانت میں وصل کا اقرار

● آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کے اعلان اور ذرائع ربوبیّت کے بلا محنت اور بامحنت حصول کے دونوں طریقوں کی وضاحت اور دینِ ربوبیّت کی عملاً تعمیل و تکذیب کرنیوالوں کیلئے جزا سزا کے اعلان کے بعد اگلی آئت میں اقرار لیا جا رہا ہے کہ ہم عبادت بھی تیری ہی کرینگے اور مدد مرادیں بھی تجھ ہی سے مانگیں گے۔ عبادت و استعانت میں وصل رکھینگے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ نماز تیری پڑھیں اور مرادیں اور دل سے مانگیں ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴
تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم

ہم (رسول مع مومنین) تیرے ضابطہ کی سزا سے ڈرتے ہوئے [۱۵] خالص تیری فرمانبرداری کرتے رہینگے۔ اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے رہینگے۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا نہ کوئی فرمانبرداری کے قابل ہے اور نہ ہی کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے)۔

● اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری سے مُراد اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات کی بلا شرکتِ غیرے اِتّباع ہے [۱۶] اور خالص استعانت کے اقرار میں ہر غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا حرام قرار دیدیا ہے۔ خواہ وہ فرد جس سے مدد مانگی جا رہی ہو کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے اقرار میں خود آنحضورؐ بھی شامل ہیں۔ اسطرح جب خود خاتم النبیّین بھی خالص اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کا اقرار کرتے رہے تو خالص خدا تعالیٰ ہی سے مدد مرادیں مانگنا، [۱۷] کے مطابق فرض بھی ہے اور آنحضورؐ کے کئے ہوئے اقرار کے مطابق سُنّتِ رسول بھی۔ بالفاظِ دیگر غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور مخالفتِ رسولؐ بھی ہے۔ نیز واضح رہے کہ آئتِ بالا میں عبادت و استعانت میں وصل قائم رکھنے کا اقرار بھی لے لیا ہے۔ یعنی جس کی عبادت کریں، مُرادیں بھی اُسی سے مانگا کریں۔ اگلی آئت مجیدہ میں اِنہی عقائد و اعمال کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا ہے۔ اور اُس پر چلتے رہنے کی دُعا سکھائی گئی ہے :۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵
دکھا ہم کو راہ سیدھی

(ہم تجھ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی) سیدھے راستے پر ہمیں چلاتے رکھ (کہ تیرے نظامِ ربوبیّت کو عملاً قائم رکھیں اور

تیری عبادت واستعانت میں وصل کریں فصل نہ کریں) ـــــ عام تراجم میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ترجمہ یہ لکھا ہے "دکھا ہم کو راہ سیدھی"۔ "بتلا ہم کو راہ سیدھی"۔ اس پر غیر مسلم معترضین کا اعتراض ہے کہ جب رسُول مقبول خود ساری عمر سیدھی راہ دیکھنے کیلئے دعا ہی کرتے رہے، دیکھی نہیں تو آپ دُوسروں کو سیدھی راہ کیا بتا سکتے تھے؟ واضح رہے کہ نظم آیات کے قرآنی اصول کے مطابق مذکورہ بالا مروّجہ ترجمہ غلط ہے؛ اسکا فیصلہ آیت نمبر ۱۶۲/۶ میں موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہوا ہے۔

● قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ اے رسُول! اعلان کر دیجئیگا کہ میرے ربوبیّت کرنیوالے نے مجھے سیدھی راہ دکھلا دی ہے۔ نیز ۳/۳۶ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اِنَّكَ ..... عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ فلہٰذا ان آیات کریمات کی رُو سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا صحیح معنیٰ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کردہ راہ پر چلنے رہنے کی دُعا ہے کہ:۔ "چلائے رکھ ہم کو سیدھی راہ پر" "دکھا ہم کو راہ سیدھی" غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد، سب جادۂ ربوبیّتِ عامہ ہی کے راہ رَو تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظ ذیل اقرار لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد جملہ انبیاء سلام علیہم صراطِ مستقیم ہی کے جادہ پیما تھے۔ جسمیں نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا قیام، قرآن کریم کے درس اوّل ۱/۱ کے مطابق سر فہرست ہے:۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬

راہ اُن لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر اُنکے

ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلائے رکھ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے انعام یافتہ بندے اسی خالص ربوبیّت، خالص عبودیّت اور خالص استعانت والے راستے ہی کے راہ رَو تھے)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں انہی مقدّس ہستیوں انبیاء سلام علیہم کے متعلق بتا دیا ہے کہ اُن پر کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں ہوئی تھی۔ وجہ یہ کہ وہ ۲۱/۲۷-۲۶ کے مطابق خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے۔ انکا ہر قدم اطاعتِ خداوندی ہی میں اُٹھتا تھا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

سوائے اُنکے کہ غضب کیا ہے اوپر اُنکے اور نہ گمراہوں کی

تیرے انعام یافتہ افراد ایسی برگزیدہ جماعت تھی کہ اُن پر کبھی تیرا غصّہ نہیں ہُوا۔ کیونکہ وہ تیری راہ گم کرنے والے تھے ہی نہیں۔

● سابقہ تراجم میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا معنیٰ لکھا ہے "نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہُوا اور نہ گمراہوں کا"۔ یہ ترجمہ سیاقِ کلام اور ترکیبِ قواعد کے خلاف ہے۔ سیّد محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اسکا یہ صحیح

ترجمہ لکھا ہے: "جن پر نہ تیرا غصہ ہوا، اور نہ وہ گمراہ ہوئے" عام تراجم کے متعلق مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھا ہے: "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ، اَلَّذِیْنَ کا بدل ہے یا اس کی صفت ہے بعض تراجم اُردو میں جو اسکا ترجمہ لکھا ہے وہ خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے"۔ نیز مولوی مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن میں ہماری ہمنوائی کی ہے۔ اور شیخ محمد اقبال صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور نے بھی اپنی کتاب توضیح القرآن کے صفحہ ۴۲ پر غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کا معنی لکھا ہے: "جونہیں غضب زدہ اور گمراہ"۔ آیت مجیدہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے ترجمہ کی بالعموم حالت یہ ہے کہ ننانوے فیصد تراجم میں اسکا معنیٰ یہی لکھا ہے جو صریحًا خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے۔

نیز حیرت کا مقام یہ ہے کہ دیوبند کے ایک ہی مدرسہ کے متعدد اساتذہ نے اس آیت کا ایک دُوسرے کے خلاف ترجمہ لکھا ہے مثلاً شاہ اشرف علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے اپنے اپنے تراجم میں عام غلط ترجمہ کی ہمنوائی کی ہے، جسے شیخ الہند اور عثمانی صاحب نے خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود بتایا ہے حالانکہ یہ چاروں بزرگ ایک ہی مدرسہ کے اُستاد اور ایک ہی مکتبِ فکر کے حامل ہیں۔

تحفظ ناموسِ رسالت

● المختصر آیت بالا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں خدا تعالیٰ نے جملہ انبیاء[۳] کی ناموس کو محفوظ کر دیا ہے۔ جیسے کہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے:-

● لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ۲۱/۲۷ = اللہ کے نبی بات میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور عمل کے لحاظ سے انکا ایک ایک قدم حکمِ خداوندی کے مطابق اٹھتا تھا۔ قرآن کریم میں انبیاء سلام علیہم کی جن سہو اور بھول چوک کا ذکر ہے وہ انکے بشری تقاضے تھے:- اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۴/۱۱ نہیں ہیں ہم مگر تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ میں تمہارے جیسا بشر ہی ہوں۔ چنانچہ ایک طرف تو وضاحت کیگئی ہے کہ انبیاء کو مافوق البشر قرار دیکر الٰہ نہ بنالیا جائے۔ وُہ ہر قسم کے بشری تقاضوں کے حامل تھے۔ پیدا ہوئے۔ کھاتے پیتے تھے۔ بیمار ہو جاتے تھے۔ بیویوں کے شوہر، بچوں کے باپ اور والدین کے بیٹے تھے۔ نیز بشری تقاضوں ہی میں زندگی گزار کر فوت بھی ہو گئے تھے۔

● اور دوسری طرف قرآن کریم اس امر کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ انبیاء سلام علیہم کو گھٹیا کردار کے حامل خدا تعالیٰ کے نافرمان اور عصیان وطغیان کی آلائشوں میں ملوّث مانکر ناموسِ رسالت کو داغدار کیا جائے۔ سورہ فاتحہ کی آیت نمبر ۷ میں انبیاء سلام علیہم پر بہتان تراشیوں کا مکمل سدِّ باب کر دیا گیا ہے یعنی انکی ناموس کو داغدار کرنیوالے منگھڑت قصوں کو فوراً غلط قرار دیدینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اُن میں سے کسی پر بھی کبھی ناراض نہیں ہوا تھا، کہ کسی کو جنت سے نکالدیا ہو۔ کسی نے پہلے ہی ننانوے بیویاں گھر میں ڈال رکھی ہوں۔ اور ساتھ ہی ایک ہمسائے کی بیوی بھی ہتھیالی ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے ناراض ہو کر ننانوے دُنبیوں کے مالک کا ایک دُنبی والے کی دُنبی چھیننے کا مقدمہ سامنے لا کھڑا کیا ہو۔ کسی سے ناراض ہو کر

حکومت چھین لی ہو اور اُسے مچھیروں کے ہاں نوکری کرنا پڑی ہو۔ کسی سے ناراض ہو کر اُس پر کئی کئی دن کیلئے نزولِ وحی کا سلسلہ بند کر دیا ہو۔ وغیرہ وغیرہ معاذ اللہ استغفر اللہ!

حاصل کلام یہ کہ:- ● سورہ فاتحہ کی پہلی آیت مجیدہ "الحمد للہ رب العلمین" میں اعلانِ ربوبیّتِ عامہ کے ذریعہ سرمایہ داری جاگیرداری زمینداری وغیرہ ہر اُس نظام کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو تقسیمِ ربوبیّت میں ناہمواری کا موجب بنتا ہے۔

● دُوسری آیت مجیدہ "الرحمٰن الرحیم" میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کے ذریعہ اپنی محنت کیساتھ حاصل کرنیکی مسلسل کوشش کرتے رہو۔ تاکہ ترقی کی دوڑ میں پسماندہ ہو کر نہ رہ جاؤ۔

● تیسری آیت مقدسّہ میں بتایا ہے کہ نعماءِ خداوندی جو پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہیں اِنکے صحیح یا غلط استعمال کی جزا سزا قیامت کی عدالت میں ضرور ضرور دیجائیگی۔ یعنی "مالک یوم الدین" کی خبر میں ہر قسم کی سفارشوں کی نفی کے علاوہ نام نہاد وسیلوں کے ساتھ پیروں کے دامن پکڑ کر نجات حاصل کرنے کا تصوّر بھی مطلقاً باطل ٹھہرا دیا ہے۔

● چوتھی آیت "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں عبودیتِ خالص اور استعانتِ خالص کا اقرار لیکر نبیوں ولیوں زندہ یا مُردہ پیروں قبروں اور مزاروں وغیرہ سے مُرادیں مانگنے سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔ نیز عبودیّت و استعانت کے وصل کے اقرار میں واضح کر دیا ہے، کہ غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا، اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ کو توڑنا اور اُس انقطاع کی بدولت گمراہ ہونا ہے جس کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہُوا ہے $\frac{۲}{۲۷-۲۹}$ + $\frac{۱۳}{۲۵-۲۱-۲۰}$ -

● پانچویں آیت کریمہ "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" میں مذکورہ بالا عقائد و اعمال کو صراطِ مستقیم بتاکر دوسرے باطل راستوں سے الگ کر کے یہ امر نمایاں کر دیا ہے، کہ عقیدۂ ربوبیّتِ عامہ کیساتھ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کیساتھ مسلسل حاصل کرتے رہنا اور اُسکی متوازن اور غیر متوازن تقسیم کے عوض قیامت کی عدالتِ عالیہ میں جزا سزا پر ایمان کامل ہی صراطِ مستقیم ہے۔

● چھٹی آیت مجیدہ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" میں جملہ انبیاء کا راستہ بھی ربوبیّتِ عامہ ہی بتا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ سرمایہ داری جاگیرداری اور ملوکیّت و مشیخیّت جیسے ربوبیّت کش نظریات کیساتھ انبیاء و سلامٌ علیہم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ پس معاشی عدم توازن کی کوئی صورت سُنّتِ رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

● اور ساتویں آیت "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" میں خدا تعالیٰ نے انبیاء و سلامٌ علیہم کے متعلق اقرار لے لیا ہے کہ وہ سو فیصدی فرمانبردار، غیر مغضوب اور غیر گم کردہ راہ تھے۔ اِسطرح اُن جملہ تراشیدہ قصّوں کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو کسی بھی انداز میں اِس مقدّس جماعت کی سیرتہائے مقدسّہ کو داغدار کرتے ہوں۔ اور اُن سے انبیاء و سلامٌ علیہم کیلئے خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اُن کی راہ گم کردگی کا تصوّر پیدا ہوتا ہے۔

● اِس سورۂ جلیلہ کی ۲۸۶ آئیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔ اِسکے شروع میں حروفِ مقطّعات کے جلیل القدر القاب کیساتھ مخاطب کرکے آنحضور سلام علیہ کو یہ اہم ہدایات دیدی گئی ہیں کہ آپ کو سلسلۂ تبلیغ میں تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑیگا۔ مومن، کافر اور منافق۔

● **مومن متقی** وُہ ہیں جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ آپکے ساتھ بلکر نظامِ ربوبیّت قائم کرنے میں مال بھی خرچ کرینگے۔ قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے ہر غیب، اللہ ملائکہ اور قیامت کے علاوہ اس انقلابی منشور کی کامیابی پر بھی ایمان لائینگے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگ ہی کامیاب و کامران ہونگے $\frac{۲}{۲ \text{ تا } ۵}$۔

● دُوسری قسم **کافروں** کی ہوگی جو انقلابی منشور کے اوّلین درسِ ربوبیّتِ عامہ ہی کا مطلقاً انکار کردینگے۔ وُہ اللہ اور مکافاتِ عمل کے منکر ہونگے۔ ایسے لوگوں کیساتھ دماغ سوزی نہ فرمانا۔ وہ ہرگز نہیں مانیں گے یعنی جن لوگوں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات بھی نہیں آسکتی کہ ربوبیّتِ عامہ یعنی بنیادی ضروریاتِ زندگی ہرکسی کا پیدائشی حق ہے اور جو معاشی عدم توازن ہی کو درست جانتے ہوں اور اُسے برقرار رکھنے کے حق میں ہوں، اُن کو آپ کا سمجھانا یا نہ سمجھانا برابر ہوگا $\frac{۲}{۶ - ۷}$

● اور تیسری قسم کے لوگ ہونگے **منافق**۔ جو بظاہر آپ کے ساتھ شامل ہو جائینگے لیکن درپردہ وُہ بھی انکار کرنیوالوں ہی کے ساتھی ہونگے۔ ایسے لوگوں سے انتہائی احتیاط لازم ہے۔

● آنحضور کے نام اِن ابتدائی ہدایات کا سلسلہ آئت نمبر ۲ سے لیکر آئت نمبر ۲۰ تک چلا گیا ہے۔ اِسکے بعد آئت نمبر ۲۱ میں نوعِ انسانی کے نام قرآنِ کریم کا پہلا خطاب ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ..... الخ، جس میں ربوبیّتِ عامہ کی انتہائی کھلی وضاحت کی گئی ہے اِسکے بعد بنی اسرائیل کے حالات اور معاشرہ کے عبوری دَور کیلئے معاشی، معاشرتی اور ہر قسم کے سوشل مسائل سے متعلقہ احکام دیدئے گئے ہیں بعض مقامات پر نزولِ جاریہ کی آیات کریمات بھی ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہر قسم کے ضروری احکامات کے لحاظ سے یہ سُورۂ جلیلہ بلاغت و فصاحت اور جامعیّت کا پیکرِ عظیم ہے۔ دیکھئے! ابتدائی آیات کریمات میں آنحضور کو حروفِ مقطعات کے عظیم الشان القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے بخشش کرنیوالا مہربان

الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ

یہ کتاب ہے۔ نہیں شک بیچ اسکے راہ دکھاتی ہے واسطے

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ○ ۲

پرہیزگاروں کے

اے امین، امین القلبؑ، مرسل، محمد، اللہ صاحب بخشش عام (بلامشقت نعمتیں عطا کرنیوالے) اور صاحب رحمت خاصہ (انسان کی محنت کا پورا پورا بدلہ دینے والے ۵۳/۳۹) کے نام کیساتھ کہدیجیگا کہ اُس کتاب (سُورہ فاتحہ) میں کوئی شک نہیں۔ یہ اُن لوگوں کیلئے ہدایت نامہ ہے، جو دُنیوی اور آخری خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے) بچنے والے ہیں۔

● قرآن مجید کی تمام سُورتوں کو ۹۸/۳ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ کے الفاظ میں الگ الگ ایک ایک کتاب بتایا گیا ہے۔ فلہذا سُورۂ فاتحہ بھی ایک کتاب ہے۔ جو یہاں پر ذٰلِکَ اشارہ بعید کا مشارٌالیہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ صرف سُورۂ فاتحہ ہی لاریب نہیں بلکہ ۳۲/۲ کے الفاظ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں پوری کتاب قرآن کریم کو لاریب کہا گیا ہے

مُتقین کی تعریف، اور ستیارتھ پرکاش کا اعتراض

عام تراجم میں ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا معنٰی لکھا ہے "ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے" اس پر سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۶۹ پر اعتراض کیا ہے کہ "وہ (پرہیزگار) تو پہلے ہی (سیدھے) رستہ پر ہیں۔ اور جو جھوٹے رستہ پر ہیں، اُن کو یہ قرآن رستہ نہیں دکھلا سکتا، تو پھر کس کام کا رہا"۔ — واضح رہے کہ عام تراجم میں مُتقین کا معنٰی جو پرہیزگار لکھا ہے، وُہ حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتا اسی لئے اس پر غیر مسلم کا اعتراض بجا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لفظ مُتقین مُتقی کی جمع ہے۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے و-ق-ی = وقی۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے، حفاظت کرنا، بچانا۔ معتدی (متعدی)، وَقٰہُمۡ رَبُّہُمۡ ۵۲/۱۸ = اُن کے رب نے انہیں بچالیا — اور اسی مادہ سے ہے تقوٰی یعنی خود بچنا۔

اسم فاعل مُتقی بصیغہ واحد۔ اور مُتقین بصیغہ جمع۔ یعنی زندگی کی ہر خطرناک گھاٹی سے بچنے والے — قرآن کریم نے ضروریاتِ زندگی کے باقاعدہ مُیسّر نہ ہونے ہی کو معاشرہ کے ہر خطرہ کی عِلّت ٹھہرایا ہے۔ جس سے مصائب کے چشمے پھُوٹتے ہیں۔ بھائی بھائی سے ٹکراتا ہے۔ باپ اور بیٹے میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان خاندانوں سے، قبیلے قبیلوں سے اور حکومتیں حکومتوں سے برسرِ پیکار آتی ہیں۔ کارخانہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع، سرمایہ دار اور غریب، قرضدار اور قرضخواہ جیسے فتنہ سامان طبقات ناہموار ربوبیت اور غیر متوازن تقسیم رزق ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس تقسیم میں، مزدور کارخانہ دار سے، مزارع زمیندار سے، قرضدار قرضخواہ سے اور غریب سرمایہ دار سے کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ آئے دن اُن میں ٹکراؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مُتقی وُہ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان مجملہ خطرات سے بچ جائیں لیکن چونکہ، جتنے بھی ضابطے اور آئین اُنکے سامنے آتے ہیں وہ معاشی ناہمواری کے ذریعہ، مذکورہ طبقاتی تقسیم کو موجود رکھنے کے حامی ہیں۔ اسلئے جب تک خطرات وفسادات کی عِلّت، ناہموار قانون موجود ہو، قانون کی نگہداشت کرنیوالے بھی خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا۔

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کے الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ تحریکِ ربوبیّت کا سات نکاتی منشور، یقیناً یقیناً اُن لوگوں کی رہنمائی کریگا جو خطرات سے بچنے کیلئے قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔ فلہذا، اگر اس جملے کا صحیح معنٰی پیش کیا جاتا، تو قرآن کریم کے اس اہم موضوع

عہ الٓمّٓ کے مفہوم کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۳۰ دیکھیئے۔

پرسوامی دیانند کو اعتراض کا موقعہ میسر نہ آتا۔ قرآن کریم میں متقین کا لفظ ۲۶/۹۰-۹۱ میں غوین کی ضد بیان ہوا ہے۔ اور غوین کہتے ہیں آئین و قوانین کے باغیوں کو یعنی ایسے لوگوں کو، جو آئین و ضوابط کی حدود میں رہنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو قرآن جیسا صحیح اور متوازن آئین بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسلئے قرآن کریم کے خلاصہ، سورۂ فاتحہ کے متعلق وضاحت کر دی گئی ہے لَا رَیْبَ فِیْهِ ۔ اس میں آئینی توازن سو فیصدی موجود ہے جو ایک جنگی معاشرہ کو جنتی معاشرہ میں تبدیل کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس سے اُن لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے نہیں۔ یہ اُن لوگوں کی رہنمائی کریگا، جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے یعنی متقین ہیں۔ انہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ

وہ جو ایمان لاتے ہیں، ساتھ غیب کے، اور قائم

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ ۳

رکھتے ہیں نماز کو۔ اور اس چیز سے کہ دی ہمنے خرچ کرتے ہیں

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی تنہائیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے ضابطے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی تعلیم دی ہوئی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ

اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں، ساتھ اس چیز کے کہ

وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

اُتاری گئی ہے طرف تیری، اور جو کچھ اُتاری گئی ہے پہلے

یُوْقِنُوْنَ ۝ ۴

تجھ سے۔ اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اُس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اُس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوا (یعنی صحف انبیاء) اور وہ آخرت پر (یعنی قیامت کے روز جزا پر) بھی یقین رکھتے ہیں۔

● آخر پر انہی لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ق

یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۵

اور وہی ہیں خلاصی پانے والے۔

یہ (ضابطہ خداوندی پر خلوت و جلوت میں ایمان رکھنے والے، اور ربوبیت عامہ کو بروئے کار لانے کیلئے نظام ربوبیت قائم کرنے اور اس پر مال خرچ کرنے والے) ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں۔ اور یہی ہیں، جو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہونگے۔

ربوبیت عامہ کا قیام ہی معراج انسانیت، اور ربّ العلمین کے ہاں دنیوی اور اُخروی کامیابی ہے

آیت بالا کے آخری الفاظ، اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں مِنْ رَّبِّهِمْ اور هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ غیر قرآنی نظریات کے حامل بڑے بڑے داناؤں کے ہاں اُن افراد کو کامران و کامیاب مانا گیا ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ مال جمع کریں۔ اِسکے برعکس اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کا سرٹیفکیٹ اُنہیں دیا گیا ہے، جو مال کو جمع کرنے کی بجائے اُسے خرچ کر کے اقامتِ صلوٰۃ کریں یعنی ربوبیّت کا ایسا نظام قائم کریں جس کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال گواہی دے رہا ہو کہ اللہ ربّ العالمین ہے۔ یہ ہے مفہوم عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کا۔ یاد رہے کہ یہاں اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنَ اللّٰهِ نہیں فرمایا بلکہ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ فرمایا ہے۔ کیونکہ عنوان ہی ربوبیّتِ عالمینی کا چل رہا ہے۔

نوعِ انسانی کے حقِّ ربوبیّت کا انکار گویا اللہ اور قیامت کا انکار ہے

اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے، جو قرآنی منشور کے درسِ اوّل ربوبیّتِ عامہ کے منکر ہیں یعنی جو لوگ رزق کی ناہموار تقسیم کو برقرار رکھ کر نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے بنیادی اور پیدائشی حقوق ہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور جو فی الحقیقت اللہ اور روزِ جزا کے منکر ہیں۔ اُنہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
تحقیق جو لوگ کافر ہوئے برابر ہے اُوپر اُنکے کہ ڈرایا

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ ٦
تُو نے اُنکو یا نہ ڈرایا تُو نے اُن کو نہیں ایمان لائینگے

بیشک جو لوگ نظریۂ ربوبیّت کا انکار کر دیں، اُنکے لئے برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُنکے فرائض سے آگاہ کریں یا نہ کریں۔ (کیونکہ جو لوگ ربوبیّتِ عامہ کو انسانی بنیادی حقوق ہی تسلیم نہیں کرتے) وہ نظریۂ ربوبیّت پر کبھی ایمان نہیں لائینگے (اُنکے ساتھ مغز ماری نہ فرمائیگا)۔

● اِس سے اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ
مُہر کی اللہ نے اُوپر دلوں اُنکے کے اور اُوپر کانوں اُنکے کے

وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
اور اُوپر آنکھوں اُن کی کے پردہ ہے۔ اور واسطے اُنکے عذاب

عَظِيْمٌ ۞ ٧
ہے بڑا۔

اللہ تعالیٰ نے اُنکے قلوب پر اور کانوں پر عدمِ تدبّر $\frac{24}{169}$ $\frac{17}{46}$ $\frac{18}{57}$، اور ہوائے نفس $\frac{25}{23}$ کی مُہریں لگی ہُوئی پائی ہیں اور اُن کی آنکھوں پر (باطل نظریات کا) پردہ ہے۔ اِسلئے اُن کیلئے عذابِ عظیم ہے۔ (یہ لوگ گوناگوں مصائب و شدائد کے جہنّم میں پڑے جلتے رہتے ہیں $\frac{104}{9 \text{ تا } 6}$)

ع ٣

کُفر چھپا کر ایمان کا اظہار کرنیوالے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو اُس خطرناک گروہ کی خبر دیگئی ہے، جو اپنے آپکو اللہ اور روزِ جزا کے مومن بتائینگے لیکن در پردہ منکرینِ ربوبیّت سے ملے ہُوئے ہونگے چنانچہ ارشاد ہُوا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہیں، جو کہتے ہیں، ایمان

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور جزا سزا کے دن پر ایمان لائے۔ لیکن وہ (ہرگز ہرگز)

وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۸

لائے ہم ساتھ اللہ کے اور ساتھ دن پچھلے کے۔ اور نہیں وہ ایمان لانے والے۔

ایمان لانے والے نہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا

فریب دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ ۹

اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے تئیں۔ اور نہیں سمجھتے۔

وہ اللہ اور مومنوں کو (یعنی آپکی ساتھی جماعت کو $\frac{۴۸}{۲۹}$) دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں دھوکا دیتے، مگر اپنے آپکو) کیونکہ انہیں اس امر کا شعور ہی نہیں (کہ وہ اپنے آپکو دھوکا دے رہے ہیں)۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

بیچ دلوں انکے کے بیماری ہے۔ پس بڑھا دی اُن کی

مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا

اللہ نے بیماری اور واسطے اُن کے عذاب ہے درد دینے والا

يَكْذِبُوْنَ ○ ۱۰

بسبب اسکے کہ تھے جھوٹ بولتے۔

اُن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مرض منافقت میں، بڑھتا ہوا پاتا ہے۔ (اُن کے اظہار منافقت $\frac{۳}{۱۲۹}$ پر) اُنکے لئے دردناک عذاب (کی سزا) ہے $\frac{۳۳}{۹۱}$۔ اسلئے کہ وہ (نظام ربوبیت کی مخالفت کو چھپا کر اور ایمان کا اظہار کر کے) جھوٹ بولتے تھے۔

● قرآن کریم میں جملہ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ خداتعالیٰ کے نافرمانوں کے حق میں بتکرار کثیر وارد ہوا ہے کہ اُنکے لئے دردناک عذاب ہے لیکن مشاہدہ اسکے بالکل برعکس ہے کہ خداتعالیٰ کے نافرمان ہر طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ اس پر کہہ دیا جاتا ہے کہ انہیں قیامت کو عذاب ہوگا لیکن سورۂ نور میں، اسلامی معاشرہ میں بےحیائی پھیلانیوالوں کیلئے بالفاظ صریح بتایا گیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ $\frac{۲۴}{۱۹}$ = بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بےحیائی پھیلے اُن کیلئے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

اب غور فرمائیں کہ آخرت کا عذاب تو دیگا خداتعالیٰ، جس نے $\frac{۱}{۴}$ میں اپنے متعلق مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے کا اقرار لے لیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیت بالا $\frac{۲۴}{۱۹}$ کے مطابق لازم ہونیوالا دنیا کا عذاب، یعنی مجرموں کو دنیوی سزا کون دیگا۔ اسکا فیصلہ بھی سورۂ نور میں دیدیا گیا ہے کہ یہ ملکی نظام کے ذمہ ہے۔ چنانچہ جنسی جرم کے مرتکب جوڑے کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ $\frac{۲۴}{۲}$ = دونوں کو الگ الگ سو سو کوڑے لگاؤ۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ $\frac{۲۴}{۲}$ = اور چاہیے کہ سزا کے وقت مومنوں کا ایک گروہ موجود ہو۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سرعام آئینی سزا حکومت ہی دیگی، خدا نہیں دیتا۔

چھپے دشمن منافقوں کی سزا

فلہذا ربوبیت کے چھپے دشمن یعنی منافقوں کو سزا دینے کا حکم، قرآنی معاشرہ کے سربراہِ اوّل سلام علیہ کو دیا گیا تھا:-

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱ = اگر منافق یعنی جن کے ذہنوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ اور وہ لوگ بھی جو شہر میں غلط افواہیں اُڑانیوالے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو اے رسُول ہم آپکو ضرور اُن کے پیچھے لگا دینگے۔ (نتیجہ یہ کہ) وُہ آپکے پاس اِس (شہر) میں نہیں رہینگے۔ مگر تھوڑا عرصہ۔ (اور وہ بھی) لعنت کئے گئے ذلیل و خوار۔ بالآخر بھاگ جائینگے۔ پھر اُن کی سزا یہ ہے کہ، جہاں بھی پائے جائیں گرفتار کرلئے جائیں۔ اور اُن کا ایک ایک فرد قتل کردیا جائے۔ (عود الی المقصود)۔

منافق فساد فی الارض کے حامی ہیں

ربوبیّت عالمین کے چھپے منافقوں کے متعلق، اس امر کی خبر دیتے ہوئے کہ وہ مفسد ہیں، اگلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے مت فساد کرو

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ ۱۱

بیچ زمین کے، کہتے ہیں سوائے اسکے نہیں ہم سنوارتے ہیں۔

اور جب اُن سے کہا جائے (کہ ناہموار نظریۂ ربوبیّت کے ساتھ) زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تو وُہ جواب دیتے ہیں، کہ ہم تو زمین کی اصلاح کرنیوالے ہیں۔ (ہم عوام کے بڑے ہمدرد ہیں)۔

● ناہموار معاشرہ کے اربابِ اقتدار، اپنے آپ کو انسانیت کے خیرخواہ ظاہر کرکے عوام کی محنت پر خود عیش اُڑاتے ہیں۔ اور محنت کشوں کو اُن کی محنت کے ماحصل میں سے صرف اُتنا حصّہ دیتے ہیں کہ وُہ اُن کی خدمت کیلئے زندہ رہ سکیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱ کے، اوّلین اعلان میں، مساوی حقوقِ ربوبیّت کا اعلانِ عام کررکھا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں منکرینِ ربوبیّتِ عامہ کو، جو اصلاح کے دعویدار بنکر محنت کشوں کی محنت کا ماحصل سمیٹتے چلے جاتے ہیں، مفسد قرار دیا ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا

خبردار ہو، تحقیق وُہی ہیں فساد کرنے والے۔ اور

يَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۲

لیکن نہیں سمجھتے

(اے رسُول!) خبردار رہنا کہ بلاشبہ مفسد یہی ہیں۔ (جو اقرارِ ربوبیّت کے پردے میں فریب کارانہ طور سے عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں)، لیکن اُنہیں شعور نہیں ہے۔ (کہ زبانی اقرار اور عملًا انکار کی دوغلی روش ہمیشہ کیلئے چھپی نہیں رہ سکتی)۔

● اب آیاتِ بالا کے مطابق یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی، عوام کے خیرخواہ بنکر اصلاحِ معاشرہ اور امنِ عالم ہی کے دعویدار بنتے ہیں۔ لیکن اس نظام میں سرمایہ دار و مزدور، اور عوام و حکّام کے مساوی حقوقِ ربوبیّت تسلیم ہی نہیں کئے جاتے۔ جو مراعات سرمایہ دار و حکّام کو میسّر کی جاتی ہیں۔ عوام کو ہرگز نہیں دیجاتی۔ مگر قرآنِ کریم کا درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس امر کا متقاضی ہے کہ بلاتمیز سرمایہ دار و مزدور، اور حکّام و عوام

سب کے حقوقِ ربوبیّت قانوناً اور عملاً مساوی تسلیم کئے جائیں۔

آیتِ بالا، اور اگلی آیات کریمات میں، منافقوں کے حالات اس طرح واضح کئے جارہے ہیں، جیسے کہ وُہ سامنے موجود ہیں، اور اُنکی روش سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی بلیغ اسلوبِ بیان ہے، جس میں آنحضورؐ کو اس خطرناک گروہ کے متعلق خبردار کیا جارہا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے ایمان لاؤ جیسا

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ

ایمان لائے لوگ، کہتے ہیں کیا، ایمان لائیں ہم جیسا ایمان لائے

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۳

ہیں بے وقوف، خبردار ہو تحقیق وُہی ہیں بے وقوف اور لیکن نہیں جانتے۔

اور جب اُن سے کہا جائے کہ (خدا تعالیٰ کی ربوبیّتِ عالمینی پر) اسطرح ایمان لاؤ جسطرح لوگ ایمان لاتے ہیں۔ (یعنی استحصال سے باز آجاؤ) تو کہتے ہیں، کہ کیا ہم نظریۂ مساوات کو اسطرح تسلیم کریں جسطرح بیوقوفوں نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن وُہ نہیں جانتے۔ (کہ ربوبیّتِ عامہ پر ایمان لانیوالے بیوقوف نہیں ہیں، بلکہ یہ خود بیوقوف ہیں۔ (جو عوام کے ضروریاتِ زندگی کے اُن حقوقِ ربوبیّت کا انکار کرتے ہیں، جنہیں اپنے لئے محفوظ رکھا ہوا ہے)

● اس حقیقتِ ثابتہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دُنیا بھر کا ہر فساد، ظلم، چوری، چکاری، رہزنی، ڈکیتی، جیب تراشی، دھوکا بازی، فریب بازی اور قتل و غارت وغیرہ ہر چیز کے پس منظر کو، اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ناہموار تقسیم رزق ہی کی پیداوار ہے۔ مثلاً چوری کی ابتدا بھی ناہموار تقسیم ہی سے شروع ہوتی ہے کہ محرومِ ربوبیّت افراد بھوک سے تنگ آکر ابتداءً چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کرتے ہیں۔ اور اسکی انتہا بھی ناہموار نظریۂ تقسیم ہی کی مرہونِ منّت ہے۔ کہ کل کا اُچکّا، اور جیب تراش، جب چوری کے مال سے سرمایہ دار ہوجاتا ہے۔ تو دن دہاڑے ڈاکے مارتا پھرتا ہے، اب اُسکا جمع کردہ مال پھر موجبِ فساد بنکر، اُسکے اور مُلکی قانون کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ درجنوں افراد کا قاتل اور لاکھوں کے مال کا ڈاکو، مال کے زور سے عدالت سے بری ہو کر پھر دندناتا پھرتا ہے۔

ناہموار تقسیم رزق کے مفسدانہ نظریہ کا جواز خلوت نشین گروہ مُہیّا کرتا ہے

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اِن شواہد کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناہموار تقسیم رزق کے مفسدانہ نظریہ کو صحیح، اور امن پرور تسلیم کسطرح کر لیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ، اسکے لئے افراد کی الگ الگ قسمت و تقدیر کی افیون کافی ہے۔ جو دوسری مذہبی جماعتوں کے علاوہ، صدیوں سے اس اُمّتِ مرحومہ کو بھی پلادی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ افراد کی الگ الگ قسمت روزِ ازل ہی سے لکھدی ہے گویا آقا و غلام، سرمایہ دار و مزدور، زمیندار و مزارع اور امیر و غریب کا جو فساد انگیز منظر موجود ہے رب اللہ تعالیٰ کے۔ روزِ اوّل کے فیصلہ ہی کے مطابق منصّۂ شہود پر جلوہ بار ہے۔ اسلئے ہموار تقسیم رزق کو سرے سے دیوانہ پن قرار دیکر، ہموار نظریۂ ربوبیّت کے حاملین کو دیوانے اور بیوقوف قرار دیا جاتا اور اپنے معتقدین کو اُن سے الگ رہنے کی تاکید کیجاتی ہے۔ اور جو کوئی اُن سے ملتا جُلتا ہو۔ اُس سے بازپرس کی

جاتی ہے کہ مومنوں کے ہاں کیوں گئے تھے؟ چنانچہ خلوت نشینوں کی طرف سے اس بازپرس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے :-

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَ
اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ کہتے
إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ لا
ہیں ایمان لائے ہم، اور جب اکیلے ہوتے ہیں طرف سرداروں
إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ ۱۴
اپنوں کے، کہتے ہیں تحقیق ہم ساتھ تمہارے ہیں۔ سوائے اسکے نہیں کہ ہم ٹھٹھا کرتے ہیں۔

اور یہ منافق جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا
اور جب اپنے شیطانوں (نظریۂ ربوبیت سے گمراہ کرنے والوں) کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں تو (اُن کو اس سوال کے جواب میں کہ تم مومنوں کے پاس کیوں جاتے ہو، یہ) کہتے ہیں کہ ہم بلاشبہ تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں (کہ یہ ہیں ربوبیت عامہ کے مضحکہ خیز نظریہ کے علمبردار اور روزِ ازل کی لکھی ہوئی تقدیر دُکھ مٹانے کے دعویدار)۔

● لیکن جوابًا ارشاد ہوا ہے :-

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي
اللہ ٹھٹھا کرتا ہے اُن سے اور کھینچتا ہے اُنکو بیچ سرکشی
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۵
اُن کی کے بہکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اُنہیں (قانونِ مشیت کے مطابق) ذلیل کرتا اور اُن کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے۔ اور وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگردان ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ
یہی لوگ ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی بدلے
بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
ہدایت کے پس نہ فائدہ پایا سوداگری اُن کی نے
كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ ۱۶
اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ اُنہیں اُن کی تجارت کوئی فائدہ نہیں دیتی اور وہ ہدایت پانے والے نہیں۔

ہموار و متوازن قانون ہی مصائبِ عالم کا واحد حل ہے

● قرآنی ہموار قانون میں ہر فردِ معاشرہ جنت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اسکے برعکس ناہموار معاشرہ کی اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، مکان اور علاج کی محرومی کے جہنم میں جلتی رہتی ہے۔ اور سرمایہ داروں کے ہاں ملک بھر کی دولت لے واں دواں پائی جاتی ہے لیکن انہیں بھی دشمن چور ڈاکو، بجلی، آگ، طوفان، تجارتی نقصان اور عہدے سے برطرفی وغیرہ کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی زد میں آگئے تو محرومِ ربوبیت ہو جائیں گے۔ اور خود ان کا بھی پرسانِ حال کوئی نہیں ہوگا۔ اب انہیں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ ربوبیتِ عامہ کے اُس ذمہ دار نظام کے بدلے جس میں جملہ حادثات کا مداوا موجود ہے، یہ خریدتے کیا ہیں؟ — خریدتے ہیں مذکورہ بالا حادثات کا خطرہ، اور اسی قبیل کے سینکڑوں مصائب، جو چھوٹے

چھوٹے خاندانوں کی خانگی شکر رنجیوں، بھائیوں بھائیوں کے جھگڑوں، باپ بیٹوں کے تنازعوں، ہمسایوں ہمسایوں کی آویزشوں، خاندانوں خاندانوں کی عداوتوں اور قبیلوں قبیلوں کی لڑائیوں میں، جہاں صرف مُکّا چپت، اینٹ پتھر، لاٹھی، ڈنڈا اور بندوق پستول وغیرہ کیسا تھ ہی داد امن دیجاتی ہے لیکن اِس سے آگے بڑھیں تو ریاستوں ریاستوں اور ملکوں ملکوں کی جنگوں میں، جہاں توپیں، آگ اگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں، پیروں کے نیچے سے سرنگیں پھٹتی، اور سر کے اوپر سے نیپام بم گرتے ہیں۔ جو آنِ واحد میں لاکھوں بےگناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں، یہ سب کچھ اُسی تجارت کا حاصل ہے، جو انسان نے ربوبیّتِ عامہ کے جنّت بدوش اور امن عالم کے حقیقی ضامن قانونِ ربوبیّت کے بدلے ہزار ہا سال سے نا ہموار اور غیر متوازن قانون خریدا ہوا ہے۔

● چنانچہ اگلی آیت میں، اصلاحِ عالم کے ان جھوٹے دعویدار منافقوں کی مثال بیان ہوئی ہے:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

مثال اُن کی جیسے مثال اس شخص کی ہے جو جلاوے

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

آگ پس جب روشن کیا جو کچھ گرد اُسکے تھا لے گیا اللہ روشنی اُن کی

وَتَرَكَهُمْ فِى ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ○ ۱۷

اور چھوڑ دیا اُن کو بیچ اندھیروں کے نہیں دیکھتے۔

اِن منافقوں (یعنی اقرار کے پردے میں انکارِ ربوبیّت کرنیوالوں) کا حال، اُس شخص جیسا ہے جو (رات کے وقت جنگل میں سفر کر رہا ہو۔ جنگلی درندوں سے بچنے، اور راستہ معلوم کرنے کیلئے) آگ کا دِیا جلائے پھر جب وہ اُسکا اِرد گرد روشن کر دے (تو راستہ نمایاں، اور درندوں کا خطرہ دُور ہو جائے لیکن جیسے کہ کُھلی فضا میں ہوا کی تیزی سے آگ بُجھ جاتی ہے) اللہ (اپنے اِس قانون کے مطابق، جب) ایسے لوگوں کی روشنی لے جائے! اور اُنہیں اندھیروں میں چھوڑ دے۔ (تو جسطرح آگ بجھ جانے سے راستہ گم اور درندوں کا خطرہ آموجود ہوتا ہے اسیطرح قرآنی نورِ ہدایت کو چھوڑ کر شیطانوں کیطرف لَوٹ جانے کی بدولت $\frac{۲}{۱۴}$) نہ وہ سیدھی راہ دیکھتے ہیں۔ (اور نہ معاشی درندوں کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے ہیں)

● یعنی منافقوں کی حالت یہ بتائی گئی ہے کہ مومنوں کے پاس آتے ہیں، تو قانونِ ربوبیّت کی قندیل سے ربوبیّتِ عامہ کا صحیح راستہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں جو ناہموار تقسیم رزق ہی کو رضاءِ الٰہی قرار دیتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ صحیح راہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور حقوقِ ربوبیّت کو غصب کرنیوالے درندوں کا خطرہ بھی موجود رہتا ہے۔ پس اِسطرح منافقوں کی دوعملی سے ان کی رہی سہی عقل و بصیرت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○ ۱۸

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں پھر آتے۔

(اس دورُخی روش کی بدولت، وہ دماغی توازن تک کھو کر اِسطرح ہو جاتے ہیں) جیسے کہ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس (چونکہ اُن پر سرمایہ داری کے باطل نظریات کا غلبہ ہوتا ہے، اِسلئے) نظامِ ربوبیّت کیطرف نہیں لَوٹتے۔

ایک اور مثال اس سے اگلی دو آیتوں میں، منافقوں ہی کی وضاحت کیلئے، ایک اور مثال بیان ہوئی ہے تاکہ اس دوعملی کے شکار ہونیوالوں کی حالت کھل کر سامنے آجائے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَ
یا مانند مینہ کے آسمان سے بیچ اسکے اندھیرے ہیں

رَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي
اور گرج ہے اور بجلی ہے۔ کرتے ہیں انگلیاں بیچ کانوں

آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ
اپنے کے کڑک سے ڈر موت کے سے اور اللہ تعالیٰ

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ○ ۱۹
گھیرنے والا ہے کافروں کو۔

یا اُن کا حال ایسا ہے کہ آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ اس میں (اندھیری رات، اور کالی گھٹاؤں کے مشترکہ) اندھیرے بھی ہوں ہولناک کڑاک بھی، اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ (اور یہ لوگ راستہ چلتے اِس بارش میں گھر جائیں، اور) موت کے ڈر سے، کڑک سے بچنے کیلئے، اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں (تو موت سے بچ نہیں سکتے، کیونکہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انکارِ ربوبیّت کرنیوالوں کو (اپنے قانونِ مشیّت کیساتھ) چاروں طرف سے گھیرنے والا ہے۔ (قرآنی ضابطہ سرمایہ داری کی موت ہے)

• اِس مثال میں باطل نظاموں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ ناہموار آئین کے اندھیروں اور اندھیر گردیوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ مصائب و آلام کی موسلا دھار بارش جاری ہے۔ دُکھیا انسانوں کی چیخ و پکار سے کان پھٹے جا رہے ہیں، ایسے میں کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لینے سے دُکھیا انسانیت کا مداوا نہیں ہوسکتا۔ لیکن ضابطۂ ربوبیّت کی حالت بجلی کی سی ہے جو سرمایہ داری کے باطل نظریات پر برق بنکر گرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسکی چمک کیساتھ صحیح راہ نمایاں ہوجاتی ہے۔ منافق لوگ قرآنی روشنی میں چند قدم مومنوں کیساتھ چلتے ہیں، لیکن اپنی دورُخی روش کی بدولت، جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پھر رُک جاتے ہیں۔ اگلی آیت میں نہایت اختصار، اور انتہائی بلیغ انداز میں اس سارے مضمون کو بالفاظِ ذیل بیان کیا ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا
نزدیک ہے کہ بجلی اچک لیجاوے بینائی ان کی

أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ
جب روشنی دیتی ہے اُن کو چلتے ہیں بیچ اسکے اور جب اندھیرا

قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
کرتی ہے اُوپر ان کے کھڑے ہو رہتے ہیں۔ اور اگر چاہے

قریب ہے کہ بجلی کی چمک اُن کی بینائی ضائع کردے جب وہ چمک کر اُن کیلئے روشنی کرتی ہے، تو اُس میں (تھوڑا سا) چلتے ہیں۔ اور جب (ختم ہوکر) اندھیرا کردیتی ہے تو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا (یعنی اگر اُسکا یہ قانون ہوتا، کہ جو لوگ کانوں، آنکھوں اور دماغ سے صحیح کام نہ لیں تو اُن کے یہ اعضا چھین لے۔) تو وہ ایسے لوگوں کی

اَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۲۰

اللہ لے جاوے کان اُنکے اور آنکھیں اُن کی تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

ع ۲

سماعت اور بصارت و بصیرت لے جاتا۔ (لیکن اُس نے ایسا قانون نہیں بنایا۔ کیونکہ قیامت کو کانوں، آنکھوں اور دماغ ہی کے متعلق تو سوال کیا جائیگا ۱۷/۳۶) بلاشبہ اللہ ہر چیز کے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت مجیدہ میں منافقین کی خطرناک دوُرخی روش کو اسطرح نمایاں کیا گیا ہے، جیسے کہ وہ اندھیرے میں بجلی کی چمک میں چلتے، اور اُسکے چمک چکنے کے بعد رُک جاتے ہیں۔ یعنی جب وہ ضابطۂ خداوندی، قرآنی نُور کیطرف آتے ہیں، تو وہ انہیں امن و سلامتی کی منزل پر گامزن کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اِس نُور سے مسلسل بہرہ یاب ہونیکی بجائے پھر اُن باطل پیشواؤں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، جو سرمایہ دارانہ نظام کو رضاءِ الٰہی بتاتے ہیں، اسلئے یہ نُور اُن سے چھن جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُن کی اِس روش کے بدلے، کہ وہ عوام کو سرمایہ داری کی چکّی میں پِستا ہُوا، آنکھوں دیکھنے، اور اُن کی چیخ و پکار کو کانوں سُننے کے باوجود قانونِ ربوبیّت کو تسلیم نہیں کرتے، اُن سے اُنکے کان اور آنکھیں، یعنی سماعت اور بصیرت و بصارت سلب نہیں کرتا، چھین نہیں لیتا تاکہ وہ جب بھی چاہیں، ضابطۂ خداوندی سے فیضیاب ہوسکیں۔ کیونکہ ہدایت و گمراہی میں سے کوئی راہ اختیار کرنا۔ انسان کے قبضۂ اختیار میں دیدیا گیا ہے۔ ۱۸/۲۹، ۱۰/۴۰، ۴۳/۱۹، ۴۶/۲۹) اور قیامت کو سماعت، بصیرت اور بصارت ہی کے متعلق سوال کیا جائیگا ۱۷/۳۶۔

● آیتِ بالا میں جملہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ، جس کا معنٰی لیا جاتا ہے:- "اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ اور اِس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے، یہ تصوّر دیا جاتا ہے کہ خداوندِ عالم اپنے خود مقرر کردہ قوانینِ کائنات کے خلاف بھی کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اِس سے آگے کہیں تو بلا باپ کی پیدائش کہیں پہاڑوں کے چلنے اور بولنے، کہیں شیر خوار بچے کے کلام کرنے، اور کہیں مُردہ جانوروں کے زندہ ہو کر اُڑ جانے کا تصوّر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ کا مفہوم اِس سے بالکل اُلٹ ہے۔ واضح رہے کہ جہانتک قوانینِ جاریہ کی مخالفت پر قدرت رکھنے کا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ میں یہ طاقت موجود ہے کہ درختوں کیساتھ پھلوں کی صورت میں بچے لگا سکتا ہے، بارش کیطرح آسمان سے برسا سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اِس اسباب و عِلل کی دُنیا میں، جسے اُس نے اپنے مقرر کردہ قوانین کی زنجیروں میں خود جکڑ رکھا ہے، ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر کام کو اپنے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام فرماتا ہے۔ کیوں؟ — اِسلئے کہ وہ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ہے۔ ہر چیز کیلئے خود قانون بنانیوالا ہے۔

لفظ قدیر مادہ ق۔ د۔ ر = قدر سے صفت مشبّہ ہے۔ قادر اِس مادہ سے اِسم فاعل ہے۔ اور اِس مادہ کا معنٰی ہے، اندازہ کرنا پیمانہ مقرر کرنا، قانون بنانا۔ اور قادر و قدیر کا معنٰی ہے اندازے، پیمانے، اور قانون مقرر کرنیوالا۔ اِسطرح اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ کا معنٰی ہُوا۔ "بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے غیر متبدّل اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے"۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = قوانینِ الٰہیہ کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں نیز مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ ۵۰/۲۹ = میرا قول خود میری طرف سے بھی بدلا نہیں جاتا، کے مطابق

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کو نہ کوئی اور ہی بدلنے والا ہے ۔ اور نہ وہ خود ہی انہیں بدلتا ہے ۔ فلہٰذا جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا یہ معنی غلط ہے کہ اللہ اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف بھی کرنے پر قادر ہے ۔ بلکہ قرآن و قواعد کی رُو سے صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ (اور ہر کام کو اپنے مقررہ قوانین کے مطابق ہی انجام دیتا ہے)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر تصریفِ آیات کیساتھ جنگ بدر میں فتح ہوئی اور جنگ اُحد میں شکست ۱۲۳/۳، ۱۶۵/۳ ۔ ان ہر دو فتح و شکست کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق ہی ہوئی تھیں ۔ کیونکہ ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنیوالے ہیں ۔ جنگِ اُحد کی شکست کے متعلق صحابہؓ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰی هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

۱۶۵/۳ = اور کیا جس وقت تمہیں شکست کی مصیبت آئی تحقیق اس سے دوگنی شکست تم انہیں دے چکے ہو تم نے کہا کہ یہ شکست کہاں سے آگئی؟ اے رسولؐ کہہ دیجیئے کہ وہ تمہاری اپنی ہی طرف سے تھی ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالا ہے ۔

● دیکھئے اِس آیت مجیدہ میں جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ جب صحابہؓ کا عمل ہمارے فتح والے قانون کے مطابق تھا، تو فتح ہوگئی ۔ اور جب اُن کا عمل شکست دینے والے قانون کے مطابق ہوا تو شکست ہوگئی ۔ کیونکہ ہم نے ہر چیز کے قانون بنا دیئے ہوئے ہیں ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہیں ۔

نوعِ آدم کے نام قرآن کریم کا اوّلین خطاب سُورہ بقر کی آیت نمبر ا سے ۲۰ تک آنحضورؐ کے نام مومنوں کافروں اور منافقوں سے متعلقہ ضروری ہدایات جاری کرنے کے بعد نوعِ آدم سے اوّلین خطاب فرمایا ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ
اے لوگو عبادت کرو پروردگار اپنے کی جس نے پیدا کیا تم کو
خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
اور ان کو جو پہلے تم سے تھے تو کہ تم بچو ۔ ۲۱
الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ
جس نے کیا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت
بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
اور اُتارا آسمان سے پانی پس نکالا ساتھ اسکے پھلوں سے
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا
رزق واسطے تمہارے پس مت مقرر کرو واسطے

اے نوعِ انسانی! اپنے ربوبیت کا سامان مہیا کرنیوالے کے فرمانبردار بنجاؤ جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے! اور انہیں بھی پیدا کیا ہے، جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں ۔ (اور یہ خالص فرمانبرداری کا حکم اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم (دنیا اور آخرت کے عذاب سے) بچ جاؤ ۔
وہ تمہارا پروردگار ہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان (یعنی فضا) کو بنا ہو (ربوبیت) بنایا ہے (کہ بارشیں جو اصل ربوبیت ہیں آسمان ہی سے برستی ہیں) اسطرح وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے ۔ پھر اُس پانی کیساتھ، تم سب (یعنی تمہارے ایک ایک فرد ۲/۷۹) کیلئے میووں کے رزق پیدا کرتا ہے ۔ (پس یاد رکھو کہ یہ پورا نظام کائنات خالص اللہ تعالیٰ کا ہے) تم اس میں غیر اللہ کو شریک کرلینا

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۲

اللہ کے شریک اور تم کو جانتے بوجھتے ہو۔ || حالانکہ (کائنات و نظام کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کی عدم شرکت اسطرح نمایاں ہے کہ، اِسے) تم خوب جانتے ہو۔

لفظ نِدّ کی لغوی تحقیق

لفظ نِدّ کا سہ حرفی مادہ ہے ن۔ د۔ د۔ اسکا بنیادی معنی ہے کسی کی مثل اور نظیر لیکن اس مماثلت میں قرآن کریم نے جو تخصیص بنائی ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ یہ مادہ سورہ بقرہ میں صرف دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک مقام تو ۲/۲۲ میں آپ لاحظ فرما چکے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی ان صفات مخصوصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۲/۲۲ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) اور ان صفات مخصوصہ کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔ ۲/۲۲

● اور دوسرے مقام پر انہی صفات کو اور زیادہ وضاحت کیساتھ بالفاظ ذیل بیان کر کے نِدّ اور انداد کی وضاحت کر دیگئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ ۲/۱۶۴

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور دن رات کے بدل بدل کر آنے میں، اور کشتیوں میں، جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ فضا سے نازل کرتا ہے۔ اور اُسکے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کے، زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیلا دینے میں، اور ہواؤں کے رخ بدل بدل کر چلانے، اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کو مسخر کرنے میں عقلمندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں ۔۔ سامانِ ربوبیّت کی اس وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۲/۱۶۵ = لیکن لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو صفات بالا کے مالک اللہ کیساتھ اوروں کو انداد (ان صفات میں مثل و نظیر) ٹھہراتے ہیں۔ اور اُنکے ساتھ اُس انداز سے محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ کیساتھ کیجاتی ہے۔

فلہٰذا قرآنی لغت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کو شریک کرنا، اور اُسکے حکموں کو بلا سند قرآنی، بلا چون و چرا تسلیم کرنا، جسطرح کہ اللہ کے حکموں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا فرض ہے، اللہ کے نِدّ ٹھہرانا ہے۔

عنوانِ ربوبیّت بدستور جاری ہے

آیت مجیدہ زیر بحث ۲/۲۲ کے جملہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ میں رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں، جن میں اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے اوّلین درس میں ربوبیّت عالمینی کے جس عنوان کو شروع کیا گیا ہے وہ بدستور جاری ہے۔ اس سلسلے میں یا دکھو کہ دکھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ میں اُجاگر کر دیا گیا ہے کہ، لَكُمْ جار مجرور میں آمدہ کُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع ۲/۲۱ میں مذکور اَلنَّاس یعنی پوری نوع انسانی ہے۔

یعنی واضح کر دیا گیا ہے کہ زمین سے پیدا ہونیوالا پورے کا پورا رزق، پوری کی پوری نوع انسانی کیلئے ہے۔ عربی دان حضرات سے مخفی نہیں کہ، کُمْ ضمیر جمع مخاطب کے دائرہ میں پوری کی پوری نوع انسانی داخل ہے۔ کیونکہ اس ضمیر جمع مخاطب کا مرجع اَلنَّاس ہے۔ للہذا ان الفاظ میں دکھیا انسانیت کے تمام تر مصائب و آلام کا واحد حل بتا دیا گیا ہے کہ زمین سے جتنا بھی رزق پیدا ہو، وہ سارے کا سارا ساری کی ساری نوع انسانی کا مساوی حق تسلیم کیا جائے۔ اور اُسکی مساوی تقسیم کی جائے۔

عالمگیر یا جداگانہ نظام ربوبیت

نیز واضح رہے کہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ" کے الفاظ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ پورا کرۂ ارض، ایک ریاست، ایک سلطنت اور ایک ہی نظام کے تحت ہونا چاہیئے جسمیں پوری پیداوار کو پوری آبادی پر مساویانہ انداز سے تقسیم کیا جانا رضاء خداوندی ہے۔ یاد رہے کہ آج پوری زمین ایک شہر کی سی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ سیلاب مشرق میں آئے تو فوری امداد مغرب سے پہنچ جاتی ہے۔ اور زلزلہ مغرب میں آئے تو مدد مشرق سے آجاتی ہے۔ اسیطرح وہ دن دور نہیں کہ کرۂ ارض یقیناً یقیناً ایک گھر اور ایک کنبہ کی صورت اختیار کر جائیگا۔ پس الٰہی فیصلہ یہ ہے کہ زمین بھی اللہ کی، اور مخلوق بھی اللہ کی، لہذا چاہیئے کہ پوری زمین ایک گھر ہو اور پوری نوع انسانی ایک خاندان ۔۔۔ لیکن جبتک زمین پر قبضہ مخالفانہ کی الگ الگ لکیریں کھچی ہوئی ہیں اُس مجبوری دور کیلئے لازم ہے کہ الگ الگ نظاموں کی اساس بھی نظریہ ربوبیت پر قائم کیجائے، جیسے کہ آنحضور سلام علیہ نے اِسی بنیاد پر اولین قرآنی ریاست قائم فرمائی تھی۔ تاریخ رسالت و خلافت میں اگرچہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو در آمدی انداز سے داخل کیا گیا ہے۔ تاہم جناب رسالتمآب سلام علیہ اور پہلی دو خلافتوں میں سربراہِ ریاست اور عوام کو ربوبیت کی ایک ہی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے بس یہی ہے رضاء الٰہی، سنتِ رسول، آثارِ صحابہؓ اور یہی ہے امن عالم کا علمبردار" الاسلام"

قرآن کریم پر غیر منزل من اللہ ہونیکا شبہ

نوعِ انسانی پر لامحدود مدت سے ناہموار تقسیم رزق اور الگ الگ ناہموار قسمتوں کا باطل نظریۂ غالب چلا آرہا ہے۔ جب کبھی بھی ہموار تقسیم رزق کا نظریۂ پیش کیا جائے۔ تو ناہموار تقسیم رزق کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم بنا کر نظریۂ ربوبیتِ عامہ کا انکار کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اپنے مانے ہوئے نظریۂ تقدیر کے مطابق تحریک ربوبیت کے منشور پر مخاطبینِ قرآن کا شبہ کرنا ناگزیر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب خود لوگوں کی، الگ الگ ناہموار قسمتیں روز ازل سے لکھی ہوئی ہیں۔ تو ہموار ربوبیت کا منشور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا، اِس سوال کا جواب اگلی آیتوں میں پہلے ہی دیدیا گیا ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر ہو تم بیچ شک کے اس چیز سے کہ اُتاری ہے ہم نے

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا

اوپر بندے اپنے کے پس لے آؤ ایک سورت

اور ہم نے اپنے بندے پر جو (اپنا ضابطہ) نازل کیا ہے۔ اگر تم اسکے متعلق شک میں ہو، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں، تو پھر اگر تم شک کرنے میں سچے ہو تو تم بھی اِس جیسی ایک سورت (اس جیسا ایک قانون) بنا لاؤ۔ اور

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
مانند اسکے اور پکارو شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے

صٰدِقِيْنَ ○ ۲۳
اگر ہو تم سچے

اس کی (ترتیب و تدوین کیلئے) اللہ کے سوا، اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلالو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا
پس اگر نہ کرو گے تم اور ہرگز نہ کرو گے تم پس ڈرو

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج صلے
اس آگ سے جو ایندھن اسکا آدمی ہیں اور پتھر

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ ۲۴
تیار کی گئی ہے واسطے کافروں کے

پس اگر تم ایسا نہ کر سکو۔ اور بگوش ہوش سن لو کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو پھر (قرآنی منشور پر عمل کر کے) اس آگ سے بچو، کہ انسان (یعنی مل جل کر کام کرنیوالے عوام مزدور) بھی اسکا ایندھن ہیں اور پتھر (یعنی پتھر دل افراد عوام کے حقوقِ ربوبیت کو غصب کر کے اُن کی محنت کا ماحصل وصول کرنیوالے) بھی اس میں جلتے رہتے ہیں۔ یہ آگ نظریۂ ربوبیت کا انکار کرنے والوں کے لئے (خود ان کی اپنی طرف سے) تیار کی گئی ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۲/۲۴ اس جملہ میں اُعِدَّتْ فعل ماضی مجہول مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ ہے۔ یعنی اسکا فاعل مذکور نہیں۔ اب قرآن کریم کی روشنی میں اسکا فاعل خدا تعالیٰ کو ہرگز ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ اس ضمن میں اُسکا قطعی فیصلہ ہے:-

● اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ۱۰/۴۴ = بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، بلکہ، لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔ المختصر! ۲/۲۴ میں ناہموار جہنمی معاشرہ کو آگ کہا گیا ہے۔ جو نوعِ انسانی غلط اور ناہموار نظام قائم کر کے خود دھکا لیتی ہے۔ اور اس میں عوام و حکام، اور مزدور و سرمایہ دار سب پڑے جلتے رہتے ہیں۔

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس سے اگلی آیت میں مومنینِ ربوبیت کے متعلق آنحضور سلام علیہ کو حکم ہوتا ہے کہ انہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دیجیئگا، جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور کام

اے رسول! جو لوگ (ہمارے نازل کردہ ضابطے پر) ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ بجا لائیں۔ آپ انہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دیجیئگا جن میں نہریں بہتی ہونگی۔ جب انہیں انکے میووں سے

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا
کہ اچھے یہ کہ واسطے انکے بہشتیں ہیں چلتی ہیں نیچے اُن کے سے
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ
نہریں جب دیئے جاوینگے اُس میں سے میودں سے رزق
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ
کہیں گے یہ وہ چیز ہے جو دیئے گئے تھے ہم پہلے اس سے اور لائے
فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵
جاوینگے مشابہ ایک دوسرے کے۔ اور واسطے اُنکے بیچ اُن کے
بی بیاں ہیں پاک کی ہوئی اور وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے
ہیں۔

رزق دیا جائیگا (یعنی ایک جیسی باعزت روٹی ملیگی ۸/۴، ۴۴/۴۷، ۵۰/۲۲) تو وہ کہیں گے کہ یہی رزق ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا جاتا تھا۔ (یہ ٹھیک ہے کہ رزق تو وہی ہوگا جو ناہموار معاشرہ میں غیر متوازن میسّر آتا ہے) لیکن جنتی معاشرہ میں سب کو متشابہا (یعنی ایک جیسا ہموار و متوازن) دیا جائیگا اور اس (جنتی معاشرہ) میں اُنکے سب ساتھی پاکیزہ ہونگے۔ اور وہ پاکیزہ لوگ ہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

● واضح رہے کہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" ایک قرآنی اصطلاح ہے، جو عوامی ضروریاتِ زندگی کے ضامن معاشرہ کیلئے بھی آتی ہے اسکا لفظی مفہوم ہے، ایسے باغات جو خشک سالی اور خزاں کے خطرہ سے اسطرح محفوظ ہوں کہ نہریں خود اُن کے اندر بہہ رہی ہوں روایات کا تاثر یہ ہے کہ یہ اگلی زندگی ہی میں میسّر آئینگے لیکن ۱۲/۵ میں بنی اسرائیل کے متعلق بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے، کہ انہیں یہ جنت اس دنیا میں بھی عطا فرمائی گئی تھیں، جو اُن سے اُن کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۱۲/۵ = اگر تم اپنی قولی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے رہے۔ اور کمزوروں کی پرورش کے لئے مال دیتے رہے (زکوٰۃ) میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اُن کی مدد کرتے رہے۔ یعنی اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہے تو میں ضرور تمہاری بدحالیاں دور کردونگا۔ اور تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کردونگا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہونگی۔

● غور فرمائیگا! یہ دنیوی جنت کی خوشخبری دیجارہی ہے۔ کیونکہ اُخروی جنت میں، اہل جنت کے کفر کرلے، اور جنت کے چھن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ اُن جنّت کے متعلق، جو بنی اسرائیل کو دیگئی تھیں، ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ ۱۲/۵ پھر جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں داخلہ کے بعد، تم میں سے جو کوئی کفر کریگا وہ متوازن راستے سے بھٹک جائیگا۔ اسکے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کو یہ جنت اس دنیا میں عطا ہوئیں یا نہ؟ — اسکا جواب فرعون اور اسکے لشکروں کو غرق کرنے کے تذکرہ میں دیا گیا ہے۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ...... وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ۱۳۶-۱۳۷/۷ ہم نے انہیں سمندر میں غرق کردیا۔ اور انکا وارث اُس قوم کو بنایا جسے کمزور کردیا گیا تھا۔ ۵۷/۲۶ میں آیا ہے فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ ۵۷ تا ۵۹/۲۶ = اور ہم نے انہیں لدے باغوں

بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکالدیا۔ ایسا ہی ہُوا۔ اور اُن چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ یہ تھیں وہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، جن میں حضرت موسیٰ نے سب کیلئے رزق کا مُتَشَابِهًا یعنی ہموار نظام قائم کیا۔ لیکن آپ کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ۵/۱۳ = پھر اُن کے وعدہ توڑ دینے کی بدولت ہم اُن سے بیزار ہو گئے۔ نقضِ میثاق کی تفسیر اگلے الفاظ میں کر دیگئی ہے۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج ۵/۱۳ = اور اُنہوں نے اپنے اُس حصّہ (متشابہا یعنی سب کی مثل و مانند) کو بھلا دیا جس کی وہ نصیحت کئے گئے تھے۔ اب حقیقتِ حال نکھر کر عیاں ہو چکی ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ..... الخ ایک قرآنی اصطلاح ہے یعنی وہ معاشرہ، جو مساوی تقسیم رزق کی بنیادوں پر دُنیا میں، خود انسان کے اپنے ہاتھو سے قائم ہوتا ہے۔ اور جو آخرت میں خدا تعالیٰ کیطرف سے عطا کیا جائیگا۔

قرآن کریم کا اسلوبِ تمثیلات — ۲/۱۷-۱۸ اور ۲/۱۹-۲۰ میں منافقوں پر دو مثالیں لائی گئی ہیں، جنگل میں آگ جلانے اور بارش کڑک اور بجلی میں گھر جانیوالوں کی اور ۲/۲۵ میں "جَنّٰتٍ تَجْرِیْ"..... الخ کی اصطلاح ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بطور مثال لائی گئی ہے۔ تمثیلات کے اس اسلوب پر، اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ کلامِ ربّانی میں ایسی مثالوں کی کیا ضرورت؟ اسکا جواب اگلی آیت مجیدہ میں ساتھ ہی دیدیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا

تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے مثال کوئی

مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سی مچھر کی یا اُوپر اسکے ہے پس جو لوگ کہ ایمان لائے پس

فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

جانتے ہیں کہ وہ سچ ہے پروردگار اُن کے کی طرف سے اور جو

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

لوگ کہ کافر ہوئے پس کہتے ہیں کیا چاہا ہے اللہ نے ساتھ اسکے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا

مثال لانا گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور راہ

يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۶

دکھاتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں جھجکتا کہ وہ (کسی امر کی وضاحت کے لئے ادنیٰ سے) مچھر، یا اس سے بھی بڑھکر، کسی انتہائی حقیر چیز کی مثال بیان کرے، جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اسلوبِ بیان اُنکے رب کی طرف سے حق ہے۔ دیکھو نکہ قرآن پیغام ہے بندوں کے نام، جن کی روزمرہ کی گفتگو حقیقت و مجاز، اور استعارات و تشبیہات کے علاوہ، تمثیلات سے بھی معمور ہے) لیکن اس ضابطے کا انکار کرنیوالے یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا اسلوبِ بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال کا ارادہ کیا ہے۔ قرآن کریم کے اسی اسلوب بیان کیساتھ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ پاتا ہے (یعنی وہ اس سے خود گمراہ ہو جاتے ہیں) اور بہت سوں کو ہدایت یافتہ پاتا ہے (یعنی وہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں)، اور نہیں گمراہ پاتا، مگر فاسقوں کو (یعنی حدودِ خداوندی سے نکل جانے والوں کو)

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو لوگ کہ توڑتے ہیں قول اللہ تعالیٰ کا پیچھے مضبوطی اسکی کے

مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

اور توڑتے ہیں جو حکم کیا اللہ تعالیٰ نے ساتھ اسکے یہ کہ ملایا جاوے

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷

اور بگاڑ کرتے ہیں بیچ زمین کے یہ لوگ وہی ہیں ٹوٹا پانے والے۔

جو اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے گئے پکے وعدے (یعنی قرآن کریم کے درس اوّل کے میثاقِ ربوبیت ہی) کو توڑ دیتے ہیں۔ اور (وعدہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق، جو عبادت واستعانت کے) اتصال کا حکم دیا گیا ہے انہیں ایک دوسرے سے جُدا کر دیتے ہیں (یعنی نماز پڑھتے ہیں اللہ کی، اور مدد مانگتے ہیں غیر اللہ سے) اور (اسطرح) زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ پانیوالے ہیں۔ (بہ عنوان ۱۳/۲۔ تا ۲۵ میں بھی دیکھئے)

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اِن الفاظ میں قرآن فہمی کے تحت جن چیزوں کو ایک دوسری سے جُدا کرنے کو فساد کہا گیا ہے، خود قرآن کریم کی رُو سے اِن میں تین چیزیں سر فہرست ہیں:۔

۱. عبادت واستعانت میں وصل۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں وعدہ لیا گیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی کرینگے اور مدد بھی اُسی سے مانگیں گے یہاں پر یہ امر قابلِ غور ہے، کہ آیت بالا کی خبر کے مطابق، عبادت واستعانت میں جُدائی کرنا موجبِ فساد بتایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ بزرگوں کو حاجت روا ٹھہرا کر اُن سے مدد مُرادیں مانگنے کے عقیدے میں، یہ چیز بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کہ ہر گروہ اپنے اپنے ٹھہرائے ہوئے حاجت رواؤں کو افضل اور دُوسروں کے ٹھہرائے ہوؤں کو ناقص قرار دیتا ہے۔ اور اسطرح اُس دائمی فساد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جو فرقہ دارانہ فسادات کی صورت میں صدیوں سے کرۂ ارض پر چھایا ہُوا ہے۔ قرآن کریم نے اپنی اوّلین سورت ہی میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں، غیر اللہ سے مدد مُرادیں مانگنے کی رتی ہی کاٹ کر رکھدی ہے اور ۲۲/۷۳ میں اعلان کر رکھا ہے کہ لوگو! جن سے تم مُرادیں مانگتے ہو وُہ سب ملکر بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ مکّھی جو کچھ اُن سے چھین کر لیجاتی ہے، واپس نہیں لے سکتے۔

۲. محکمات ومتشابہات میں وصل۔ ۳/۷ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی، متشابہات چونکہ محکمات کی مثل دامند ہیں، اِسلئے اِنہیں ایک دوسری سے جُدا کرکے متشابہات کا مفہوم محکمات کے خلاف اخذ کرنا بھی موجبِ فساد ہے۔ اسکے ضمن میں مسلمانوں کی داخلی فرقہ بندی اِسکے عدم اتصال کی مرہونِ منّت ہے۔

۳. سورہ فاتحہ اور قرآن میں وصل۔ ۱۵/۸۷ میں خبر دیگئی ہے کہ سورہ فاتحہ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم کے سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں۔ فلہذا لازم ہے کہ سورہ فاتحہ اور قرآنِ عظیم کا باہم اتصال قائم رکھا جائے۔ یعنی قرآن کریم کے کسی مقام کو بھی سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ سے جُدا کرکے اسکا مخالف ٹھہرانا بھی موجبِ فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار ممکن نہیں

طریقۂ فہمِ قرآن، اور قرآن کے اسلوب بیان کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد ربوبیتِ عامہ کیطرف رُخ کرنے سے پہلے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار

کرنے والوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ

کیونکر کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے اور تھے تم

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

مُردے۔ پس جلایا تم کو پھر مُردہ کریگا تم کو پھر جلادیگا تم کو

ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۲۸

پھر طرف اُسی کی پھر جاؤ گے۔

تم اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کسطرح کر سکتے ہو جبکہ (تم خود آپ ہی اسکی ہستی کی ایسی دلیل ہو، جسکا انکار تم کر ہی نہیں سکتے۔ ایک وقت تھا کہ جب) تم موجود نہیں تھے پھر اُس نے (اپنے قانون کیمطابق) تمہیں زندگی عطا فرمائی، پھر تمہیں موت دیگا پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

● آیت بالا میں درج حقیقت سے منکرینِ خداوندی کو مطلقاً مجال انکار نہیں۔ کیونکہ یقیناً یقیناً وہ پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے۔ پھر وہ پیدا ہوئے، پھر بچپن جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کرکے یقیناً مر جائیں گے۔ اس طرح آیت بالا میں دلیل یہ لائی گئی ہے کہ جس ذاتِ مقدس کے طبعی قوانین کی زنجیروں میں تم اسطرح جکڑے ہوئے ہو کہ نکل ہی نہیں سکتے۔ اُس ہستی کے انکار کے کیا معنی؟ یا تو اِن قوانین کی گرفت سے آزاد ہو کر دکھاؤ کہ نہ بچپن جوانی میں تبدیل ہونے پائے، نہ جوانی بڑھاپے کی گود میں جائے، اور نہ زندگی موت کی گرفت میں آسکے۔ اور یا بصمیم قلب مان لو کہ ایک وراءُ الوراء ہستی کا وجود موجود ہے جس کے طبعی قوانین کی گرفت سے کوئی چیز بھی آزاد نہیں، اُسے تم اللہ کہو یا ربّ، ایشور کہو یا پرماتما، گاڈ کہو یا نیچر۔ وُہ ہے اور ضرور ہے۔

زمین کی ہر چیز، پوری نوعِ انسانی کی مساویانہ ضروریات کیلئے پیدا کیگئی ہے

اسطرح اپنی ہستی کی اس لاجواب دلیل کے بعد، اگلی آیت مقدسہ میں نفسِ مضمون یعنی ربوبیّتِ عامہ کے بنیادی عنوان کی طرف رُخ کرتے ہوئے متوازن تقسیم رزق کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ، اے نوعِ انسانی زمین کی ایک ایک چیز تم سب کی مساویانہ ضروریاتِ زندگی کیلئے پیدا کیگئی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ

وُہی ہے جس نے پیدا کیا واسطے تمہارے جو کچھ بیچ زمین

جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

کے ہے سارا پھر قصد کیا طرف آسمان کے پس درست کیا

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۲۹

ان کو سات آسمان اور وہ سب چیز کو جاننے والا ہے۔

ع ۳

اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی ہے، جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سارے کا سارا، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔ پھر اُس نے فضا کو درست کرنا چاہا تو، اسکی طبقاً عن طبق ہے، بہت سی بلندیاں بنا کر درست کر دیں۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (کہ وہ الگ الگ کس کام کے لئے بنائی گئی ہے)۔

• اس آیت میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم نے سبع سمٰوٰت کا سات نہیں، بلکہ بہت سی بلندیاں معنی لیا ہے۔ واضح رہے کہ سبعہ اور سبعین کے الفاظ عربی ادب میں مبالغہ کیلئے بھی آتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم ۹/۸۰ میں سبعین یعنی ستّر کا عدد بھی مبالغہ کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ آپ منافقوں کیلئے ستّر بار مغفرت مانگیں گے، تو پھر ہم نہیں بخشیں گے اور اکہتّر بار مانگیں گے تو بخش دینگے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر آپ لاکھوں کروڑوں اور اربوں کھربوں ان گنت مرتبہ بھی اُن کے لئے مغفرت طلب کرینگے تو پھر بھی ہم معاف نہیں کرینگے۔ یہ تو ہُوا عددِ سبعین کا معاملہ۔ اسیطرح سبع سمٰوٰت کے لفظ کو جب مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے سبع کے عدد کو بھی مبالغہ کیلئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اگر سماء یعنی فضا کے صرف سات طبقے تسلیم کئے جائیں تو مشاہدہ معارض ہے۔ جیسے کہ حالیہ آسمانی سفروں نے ثابت کر دیا ہے کہ ہر سماء (یعنی فضا) میں ایک کرّہ کی کششِ ثقل موجود ہے۔ اور اسکے بعد ایک خلا ہے۔ جہاں نہ نچلے کرّہ کی کشش پائی جاتی ہے، نہ اُوپر والے کی۔ اسطرح ثابت ہُوا کہ ہر سماء کے بعد ایک خلاء ہے، اور ہر خلاء کے بعد ایک سماء۔ اب چونکہ ہر سماء ایک کرّہ کی کششِ ثقل سے بنتا ہے۔ اور کرّوں کی تعداد چونکہ سات نہیں بلکہ ان گنت ہے۔ کیونکہ ہر ستارہ ایک کرّہ ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ عربی ادب میں لفظ سبع کے دامن میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اپنے اندر ان گنت فضاؤں اور خلاؤں کو سمیٹ سکتا ہے۔

• دوسری چیز غور طلب یہ ہے کہ اس آیت مجیدہ میں خَلَقَ لَكُمْ کی ضمیر جمع کُمْ کا مرجع اَلنَّاس ہے جس سے کسی فردِ انسانی کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ معاشرہ کی خود ساختہ غلط تقسیم کا کوئی اعلیٰ فرد ہو یا ادنیٰ۔ اور ساتھ ہی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا میں، زمین کی پیداوار پر لفظ جَمِيْعًا وارد ہُوا ہے۔ اسطرح الفاظ کُمْ اور جَمِيْعًا کی حاکمیّت نے ثابت کر رکھا ہے کہ آیت بالا میں خدا تعالیٰ کیطرف سے، یعنی اسکے قانون کی رُو سے زمین کی ہر چیز پر ہر فردِ انسانی کا مساوی پیدائشی حق قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی ہے نظریۂ ربوبیّتِ عامہ، جس کا اعلان قرآن کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں موجود ہے۔

تقسیمِ رزق کا مسئلہ

• اس خداوندی فیصلے کے بعد، اب سوال آتا ہے، مساوی تقسیم رزق کا۔ یاد رہے کہ جب تک زمین پر نوعِ آدم کی آبادی کم، اور ضرورتیں مختصر تھیں، جبتک وہ پہاڑوں کی غاروں میں رہتے تھے۔ اُسوقت تک جنگل کے خودرَو پھل اُن کی خوراک تھے۔ پورا کرۂ ارض خدا تعالیٰ کا بچھا ہُوا دسترخوان، اور بہتے چشمے مشروبات تھے۔ ہر فرد نعماءِ خداوندی سے حسبِ ضرورت، ہموار و متوازن انداز کیساتھ بہرہ یاب ہوتا تھا لیکن جب آبادی بڑھی بستیاں آباد ہوئیں ربانی نظام قائم ہُوا۔ اور رزق کے سر چشمے بالادستوں کے قبضے میں آئے۔ تو توازن قائم نہ رہا۔ جیسے کہ آج آبادی اور ضروریاتِ زندگی بڑھ چکی ہیں۔ زراعتی صنعتی، اور معدنی پیداوار، یعنی رزق کے سرچشموں پر افرادِ متعلقہ کا قبضہ ہے۔ جس کی بدولت ہر بالاد

ہر زیر دست کو انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھتا ہے۔ عوام کو ضروریاتِ زندگی کا ہموار متوازن حق، قانوناً میسر نہیں۔ متوازن حق ربوبیت کے مسئلے کو، اگلی آیت مجیدہ میں خدا تعالیٰ نے اِس نوعِ انسانی کی ابتدائی پیدائش یعنی اُسوقت سے شروع کیا ہے۔ جب حضرتِ انسان کے سوا، کائنات کی سب چیزیں ٹھوس مائع گیس پیدا ہو چکی، اور بیکار پڑی تھیں اُسوقت پوری کائنات بزبانِ حال کہہ رہی تھی کہ ان چیزوں کو استعمال کرنیوالا ہنوز پیدا کیا جانیوالا ہے۔ اور چونکہ اشیائے کائنات صرف اور صرف نوعِ انسانی کے استعمال کی چیزیں ہیں ۲/۲۹، اسلئے ان پر بلا تمیز پوری نوع کا مساوی حق ہے۔ اور انسان کو چونکہ سب کے بعد پیدا فرمایا گیا۔ اور زمین میں حاکم ٹھہرایا گیا ہے، اسلئے اسے خلیفہ کہا گیا ہے کیونکہ لفظ خلیفہ مادہ خلف سے ہے۔ جسکا معنی پیچھے، اور پیچھے آنیوالا بھی ہے، اور حاکم بھی۔ اخلاف و اسلاف عام مستعمل الفاظ ہیں اخلاف پیچھے آنیوالے اور اسلاف پہلے گزرے ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ

اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے

فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ

تحقیق میں بنانیوالا ہوں بیچ زمین کے نائب کہا انہوں نے

فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

کیا بناتا ہے بیچ اُسکے اس شخص کو کہ فساد کرے بیچ اسکے

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ

اور ڈالیگا لہو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں ساتھ تعریف تیری کے

اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۰

اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو نہیں جانتے تم۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تیرے پروردگار نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوتوں) کو کہا میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں۔ اُنہوں نے بزبانِ حال عرض کیا کیا تو ایسی مخلوق پیدا کریگا جو اِس زمین میں فساد اور خونریزی کریگی؟ (یعنی تو ایسی مخلوق پیدا نہیں کریگا) اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ (اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے ہوئے) تیری عملاً تحمید و تقدیس کرتے ہیں تیرے پروردگار نے بزبانِ حال ارشاد فرمایا کہ (اس بعد میں آنیوالی نوع کے متعلق) جو میں جانتا ہوں۔ تم نہیں جانتے۔

اَتَجْعَلُ

اِس آیت مجیدہ میں اَتَجْعَلُ استفہام انکاری ہے، اقرار کے الفاظ سے انکار مقصود ہے یعنی ملائکہ نے بزبانِ حال کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا ...... الخ۔ کیا تو ایسی مخلوق پیدا کریگا۔ جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے یعنی تو فساد اور خونریزی کرنیوالی مخلوق پیدا نہیں کریگا۔ واضح رہے کہ ملائکہ کا حالی قیاس اسکے سوا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ بعد میں پیدا کی جانیوالی مخلوق بھی ہماری طرح ایک ہی نہج پر چلنے والی بے اختیار و ارادہ ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یہ کہکر کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اُن کے قول کی تردید کرکے واضح کردیا کہ وُہ بے اختیار و ارادہ نہیں ہوگی۔ وہ اپنے اختیار و ارادہ کیساتھ میری فرمانبرداری بھی کریگی اور اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ فساد اور خونریزی کی مجاز بھی ہوگی۔

روائتی مفہوم

روائتی تراجم نے استفہام انکاری کو نظرانداز کرکے جو مفہوم پیش کیا ہے کہ، ملائکہ نے کہا تو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کریگا اور خون بہائے گا۔ اس پر اللہ تعالٰے نے اگرچہ بڑا معقول جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ لیکن عالمی مشاہدہ قولِ باری کی بجائے قول ملائکہ کی تصدیق کررہا ہے کہ نوعِ آدم بدستور خونریزیاں کرتی چلی آرہی ہے۔ نیز اگلی آئت نمبر۳۱ میں روائتی تراجم کے مطابق خدا کے ذمّہ دھوکا بازی کا الزام آتا ہے کہ، ملائکہ نے جب اُسکا یہ راز فاش کردیا کہ نوعِ آدم خونریزیاں اور فساد کریگی تو اللہ تعالٰے نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ کرکے سب چیزوں کے نام بتا دیئے۔ اور اُن سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو انکے نام بتاؤ یعنی خداتعالٰی نے اُن سے وہ سوال پوچھا جو انہیں بتایا نہیں گیا تھا۔ اور اسطرح انہیں جھوٹا تو کردیا۔ لیکن روائتی مفہوم کے مطابق آجتک انہی کی پیشگوئی سچی ثابت ہورہی ہے کہ یہ نوع مسلسل فساد کرتی اور خون بہاتی چلی آرہی ہے۔

● لیکن قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق پیش کردہ مندرجہ بالا مفہوم میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ نہ اُس سے ذاتِ باری پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ مشاہدات اِسکی مخالفت کرتے ہیں یعنی آئتِ بالا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ملائکہ نے بزبانِ حال کہا تیری پیداکردہ مخلوق فسادی اور خونی نہیں ہوگی لیکن خداتعالٰی کا عالی جواب یہ تھا۔ کہ وہ صاحبِ اختیار وارادہ ہوگی، اپنے اختیار وارادہ کیساتھ فرمانبرداری بھی کریگی۔ اور فساد اور خونریزی بھی کریگی۔ اور اِس صحیح مفہوم کے مطابق قولِ ملائکہ کی نہیں بلکہ قولِ خداوندی کی تصدیق مشاہداتِ عالم کرتے چلے آرہے ہیں۔

نوعِ آدم میں ہر چیز کا نام رکھنے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے

قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق اس سے اگلی آئت مجیدؐ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے نوعِ آدم میں ہر چیز کی ساخت یا اسکے کام کے مطابق اُسکا نام رکھنے کی صلاحیت رکھدی ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ

اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر سامنے کیا اُن کو

عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ

اور فرشتوں کے پس کہا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر

هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱

ہو تم سچے۔

اور اللہ تعالٰے نے نوعِ آدم کو تمام ناموں کی (جبلّی) تعلیم[عہ] دیدی (یعنی اُسکی جبلّت میں رکھدیا کہ وہ ہر چیز کا نام رکھ لیا کرے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان (ملائکہ) کو (ایکدوسرے ملائکہ کے سامنے پیش کیا) پھر اُن سے یہ کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ نوعِ آدم بھی تمہاری سطح کی مخلوق ہے تو ایکدوسرے کے نام بتاؤ[عمہ]

[عہ] مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے بھی اپنے ترجمہ مطبوعہ انجمن خدام الدین لاہور کے صفحہ نمبر ۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "آدم کو نام فطری طور پر سکھائے نہ کہ بطریقۂ تعلیم وتعلم"

[عمہ] یہاں قرآنی اسلوب انقسام مفہوم کو سامنے رکھئے۔ سورہ انبیاء میں قوم ابراہیم کے متعلق آیا ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا ۲۱/۵۹ ۔ قوم ابراہیمؑ نے کہا ہمارے معبودوں کیساتھ ایسا کس نے کیا ہے اسکا جواب درج ہے قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی ...... الخ قومِ ابراہیم نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سُنا ہے۔ کہ وہ کہتا تھا میں انکے ساتھ ایک تجویز کرونگا دیکھئے یہاں سائل بھی قوم ابراہیم ہے اور جواب دینے والی بھی قومِ ابراہیم ہے پس دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۲ قرآنی اصول القسام مفہوم کے مطابق یہاں صحیح مفہوم یہ ہے کہ قوم ہی کے بعض نے پوچھا اور قوم ہی کے بعض نے جواب دیا۔ اِسیطرح یہاں ۲/۱۳۱ میں بھی ملائکہ کے بعض، بعض کے سامنے پیش تھے، اور سب کے سب نے بزبانِ حال کہا۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا ...... الخ

● حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کے کام میں اسکا نام پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور یہ علم صرف نوعِ انسانی کو ودلیعت کیا گیا ہے کہ وُہ ہر چیز سے کام لیتا اور اس کے کام کے مطابق اس کا نام تجویز کرتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں ملائکہ کا جواب درج ہے:۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
کہا اُنہوں نے پاک ہے تو نہیں علم ہم کو مگر جو
عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۳۲
سکھایا تو نے ہم کو تحقیق تو ہے جاننے والا حکمت والا

ملائکہ نے کہا کہ ہر قسم کی کمیوں اور کمزوریوں سے تو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے، جتنا تو نے ہمیں (جبلّی طور پر) سکھایا ہے۔ (اور مطلوبہ صفت ہمارے اندر کیوں موجود نہیں، یہ بھی تو ہی جانتا ہے کیونکہ بلاشبہ تو صاحبِ علم و حکمت ہے۔

● اسکے بعد جب نوعِ آدم ہر چیز کا نام رکھ لینے کی صلاحیت خاصہ کیساتھ پیدا کردی گئی تو اُسوقت کا حالی نقشہ خدا تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل پیش فرمایا ہے:۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّا
کہا اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے پس جب بتا
اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ
دیئے ان کو نام ان کے کہا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو تحقیق میں جانتا
اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو ظاہر
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۳۳
کرتے ہو اور جو تھے تم چھپاتے۔

دار لفانی منازل طے کرکے اس میں مذکورہ صلاحیت کے بروئے کار آچکنے پر) اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم سے فرمایا کہ انہیں انکے نام بتا۔ پھر جب اُس نے اُنکے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدگیوں کو جانتا ہوں خصوصًا وُہ بھی جانتا ہوں، جو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم چھپاتے چلے آرہے ہو۔

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔ تَكْتُمُوْنَ پر كُنْتُمْ فعل ناقص داخل ہو کر ماضی استمراری کا فائدہ دے رہا ہے یعنی ان الفاظ میں ملائکہ کو بزبانِ حال کہا گیا کہ میں تمہارے ظاہر کے علاوہ، تمہارے اُن جوہروں کو بھی جانتا ہوں۔ جنہیں تم مدت مدید سے چھپائے ہوئے ہو۔ پس بتایا گیا ہے

کہ (ملائکہ) یعنی ہر چیز کے اندر اُس کے گوناگُوں جوہر پوشیدہ ہیں، نوعِ آدم کی پیدائش سے ماقبل کی حالت اُن کی حقیقی تسبیح وتحمید نہیں تھی۔ اُن کی اصل تسبیح اُن کے مضمر جوہروں کا بروئے کار آنا تھا، جسے بروئے کار لانے کی صلاحیّت اُسی نوعِ آدم کو عطا کی گئی ہے، جس کے لئے اس زمین کی جُملہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں ۲/۲۹۔ چنانچہ اگلی آیت میں اِسی چیز کا بیّن ثبوت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جُملہ ملائکہ، (ہر کائناتی قوت) کو حکم دیا گیا۔ کہ وُہ نوعِ آدم کے لئے سجدہ ریز ہو جائے تاکہ ہر چیز کے پوشیدہ جوہر عیاں ہوں، اور ہر چیز کی صحیح تسبیح بشکلِ مشہود سامنے آجائے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوّتوں) کو کہدیا کہ تم سب کے سب نوعِ آدم کیلئے بذریعہ تسخیر (۴۵/۱۳) سجدہ ریز ہو جاؤ۔
اور جب کہا ہم نے واسطے فرشتوں کے سجدہ کرو واسطے	
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ	پھر ایسا ہُوا کہ ابلیس (نافرمان قوّت نفسِ امّارہ) کے سوا سب قوتیں سجدہ ریز ہو گئیں۔ اُس نے انکار و تکبّر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ ہے ہی انکار کرنیوالوں سے۔
آدم کے پس سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ مانا اور تکبّر کیا اور	
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۳۴	
تھا کافروں سے۔	

● اِس آیت میں ابلیس (نفسِ امّارہ) کو بھی ملائکہ ہی میں شمار کیا گیا ہے۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ اُن میں اختیار و ارادہ نہیں، وُہ اُس ایک ہی نہج پر چلتے چلے جاتے ہیں، جس پر انہیں خالقِ کائنات نے پیدا فرمایا ہے۔ یہی حال نفسِ امّارہ کا ہے کہ اس کا کام ہی بُرائی کا حکم کرتے رہنا ہے۔ اور وہ ہر لحظہ اسی ایک ہی نہج پر چلتا جا رہا ہے۔ نیز چونکہ نفسِ امّارہ غیر مرئی ہے اسلئے ابلیس کو جنّ بھی کہا گیا ہے۔ بمعنی نہ دکھائی دینے والا۔

معیشت کا واحد متوازن نظام

● کرّۂ ارض کے جس جس مقام پر انسان پیدا ہُوا۔ اور ارتقائی منازل کے بعد جب اسکی تمدّنی زندگی شروع ہُوئی تو اللہ تعالٰے نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ پُوری نوعِ آدم کیلئے ایک ہی متوازن نظامِ معیشت متعیّن فرمایا۔ جسمیں پُوری انسانیّت کا خوراک، لباس، علاج اور مکان کا حق مسلّم ہے۔ پس ہدائت کر دیگئی کہ اَے نوعِ آدم! اپنے ہر گروہ سمیت اس نظام کی جنّت میں خوش فراخ روزی کھاؤ۔ اور امن و سکون کی زندگی بسر کرو جس کی ایک ہی صورت ہے کہ انکار و تکبّر کے شجرِ خبیثہ کے قریب نہ جانا اور ابلیس نفسِ امّارہ سے ہوشیار رہنا کہیں وُہ تمہیں انکار و استکبار میں مبتلا کر کے رزق کی غلط تقسیم کے ذریعہ پھسلا نہ دے! اور تمہاری اجتماعی جنّتی زندگی انفرادی مفاد پرستی کی جہنمی زندگی میں تبدیل نہ ہو جائے۔

ملوکیّت کی ابتدا

● مگر ہُوا یہ کہ نفسِ امّارہ نے اجتماعیّت سے پھسلا کر انفرادی نظام میں مبتلا کر دیا ۲/۳۶۔ ۲۰/۱۲۰۔ اس امر کی وضاحت سورۂ اعراف اور طٰہٰ میں بھی کیگئی ہے کہ شیطان کے ورغلانے سے نوعِ آدم نے خدا تعالٰی کی ہدائت کردہ متوازن نظامِ معیشت کو چھوڑ کر ملوکیّت شروع کر دی جسمیں معاشرہ کا ہر فرد انفرادی مفاد کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا رہتا ہے اس

طرح ابتداءِ ملوکیت کے ذریعہ نوعِ آدم نے معصیت کی ابتداء کی، جسکی خبر سورہ طٰہٰ میں دیگئی ہے۔ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۲۰/۱۲۱ = نوعِ آدم نے نظامِ ربوبیت کو توڑ کر اپنے ربّ کی نافرمانی کی، اور سب گمراہ ہوگئے۔ انفرادی مفاد پرستی اور عوام و خواص کی غلط تمیزی کی بدولت پوری نوع ایک دوسرے کی دشمن ہوگئی۔ اور جنّتی معاشرہ جہنّمی معاشرہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔

● خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ پھر اپنا قانونِ ربوبیت اور اسکی خوشگواریاں یاد دلائیں نتیجہ یہ ہوا کہ عوام و خواص سب تائب ہو کر نظامِ ربوبیت کیطرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اور انبیاء کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اپنے دائمی قانون کے متعلق وضاحت کر دی کہ تمہاری نسلوں کی طرف بھی انبیاءؑ کے ذریعہ میری ہدائت آتی رہیگی۔ پھر جو قوم میری ہدائت کی پیروی کریگی، اس پر نہ مستقبل کا خوف ہوگا نہ ماضی کا غم۔ یاد رکھو کہ میری طرف سے قیامت تک کیلئے یہی فیصلہ ہے کہ زمین میں تم سب کیلئے بلاتمیز زندگی کے آخری دم تک حقِّ رہائش بھی ہے اور جملہ ضروریاتِ زندگی بھی تمہارا پیدائشی حق ہے ۲/۳۰ + ۷/۲۴۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اس پورے بیان کی باندازِ ذیل صراحت کیگئی ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور کہا ہم نے، اے آدم رہ تو اور جورو تیری بہشت

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

میں اور کھاؤ تم اس میں سے بافراغت جہاں چاہو اور مت

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۵

نزدیک جاؤ اس درخت کے پس ہو جاؤ گے ظالموں سے۔

اور ہم نے (اپنے انبیاء کے ذریعہ) کہا کہ اے نوعِ آدم[1]! تو اپنے ہر گروہ[2] سمیت[3] (ہمارے متوازن نظام کی) جنت میں امن و سکون کے ساتھ رہ۔ اور تم دونوں (خواص و عوام) اس میں سے جہاں سے چاہو، بافراغت کھاؤ (انکار و تکبّر کے خبیث) درخت کے قریب نہ جانا۔ ورنہ (انفرادیت اور ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

● ۱ آدم اسم جنس بمعنی نوعِ آدم ہے۔ یہاں ۲/۳۵ میں اسیطرح آدم بمعنی نوعِ آدم ہے جیسے کہ ۲/۳۰ میں پیچھے گزر چکا ہے۔

● ۲ لفظ زوج کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی گروہ بھی ہے۔ جیسے کہ ۵۶/۷ میں آیا ہے وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔ کہ تم قیامت کو تین گروہ ہو جاؤ گے۔

● ۳ وَزَوْجُكَ کی واؤ معیّت کی ہے۔ یعنی اپنے ہر گروہ سمیت کھاؤ جہاں سے چاہو۔ نیز زَوْجُكَ کے مضاف مضاف الیہ میں مضاف زوج اپنے مضاف الیہ نوعِ آدم سے اسیطرح الگ نہیں ہے جس طرح مرکّب اضافی لَيْلَةَ الصِّيَامِ ۲/۱۸۷ میں مضاف لیل، ماہِ صیام کا حصّہ ہے اس سے الگ نہیں ہے۔ نیز جسطرح لیلۃ واحد سے روزوں کی ہر رات مراد ہے اسیطرح زَوْجُكَ میں زوج سے تیرا، یعنی نوعِ آدم کا ہر گروہ مراد ہے چونکہ خدائے علیم سے مخفی نہیں تھا کہ نوعِ آدم، اختلافِ رنگ، نسل، وطن، پیشہ، ذات، گوت اور زبان وغیرہ کی بدولت درجنوں گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی۔ اسلئے نوعِ آدم کے ہر گروہ کے بنیادی حقوقِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور مکان کو اپنے نازل کردہ قانون میں مساویانہ انداز کیساتھ محفوظ کر رکھا ہے لیکن شیطان (نفسِ امّارہ) نے خواص و عوام دونوں کو اجتماعیت

سے ہٹا کر انفرادیت کا عامل کر دیا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت سب ایکدوسرے کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے:۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

پس ڈگا دیا اُن کو شیطان نے اس سے پس نکالدیا اُن

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

دونوں کو اس چیز سے کہ تھے بیچ اُسکے! اور کہا ہم نے اُترو بعضے تمہارے

عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

واسطے بعض کے دشمن ہیں اور واسطے تمہارے بیچ زمین کے ٹھکانہ ہے اور

اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۳۶

فائدہ ایک وقت تک۔

● پھر ایسا ہُوا کہ شیطان (نفسِ امّارہ) نے اُن (خواص و عوام) دونوں کو پھسلا دیا۔ اور (متوازن معاشرہ کی) جس جنّت میں وُہ تھے اُس سے نکالدیا۔ پھر ہم نے (انبیاء کی معرفت) کہا کہ تم سب کے سب اِس (جنّتی معاشرہ) سے نکلو۔ انفرادی مفاد پرستی کی بدولت) تم سب ایکدوسرے کے دشمن ہو گئے ہو، حالانکہ (ہمارے دائمی قانون کی رُو سے) اِس زمین میں تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک رہائش اور ضروریاتِ زندگی کا (بنیادی، پیدائشی حق) مسلّم ہے۔

● ان الفاظ میں پُوری نوعِ آدم کا حق قرار دیا گیا ہے مستقر اور متاع۔ مستقر کا معنٰی ہے جائے قرار رہنے کی جگہ مکان اور متاع کا معنٰی ہے ضروریاتِ زندگی اور لَکُمْ کی ضمیر کا مرجع

قرآن کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل
وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

پُوری نوعِ آدم ہے پس یہی ہے قرآن کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل جسکے لئے پُوری انسانیت مضطرب و بیقرار ہے۔ الفاظ بالا میں صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کے ایک ایک فرد کا بنیادی حق ہے کہ اُسے مکان، خوراک، لباس اور علاج، جملہ ضروریاتِ زندگی متوازن انداز سے ملنی لازم ہیں۔ ایسے متوازن نظام کے بغیر کُرّۂ ارض پر امن و امان کا قیام ممکن ہی نہیں ابتدائی معاشروں کے متعلق اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ آدم جلدی ہی نظامِ ربوبیّت کیطرف لَوٹ آئی :۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

پس سیکھ لیں آدم نے پروردگار اپنے سے کچھ باتیں پس پھر آیا

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۳۷

اُوپر اُسکے تحقیق وہی ہے پھر آنیوالا مہربان۔

پھر ایسا ہُوا کہ نوعِ آدم نے اپنے پروردگار کے قانون سے پھر ملاقات کر لی۔ (اس پر دوبارہ عامل ہو گئی) تو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمتوں کیساتھ) اُس پر لَوٹ آیا۔ (یعنی پھر خوشگوار جنّتی معاشرہ قائم ہو گیا) بیشک وُہ رجوع برحمت کرنیوالا ہے۔

● اس سے اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا گیا ہے کہ ہم نے پُوری نوعِ آدم کو کہدیا تھا کہ اِس جنّتی قانون سے سب کے سب نکل جاؤ :۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

کہا ہم نے اُترو اس سے سب۔ پس جو آدیگی تمہارے پاس

ہم نے (اپنے انبیاء کی معرفت، کہدیا کہ (اس جنّتی نظام) میں سے تم سب کے سب نکلو جسکی بدولت تم ایکدوسرے کے دشمن

مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ
میری طرف سے ہدایت پس جو کوئی پیروی کرے ہدایت میری
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۳۸
کی پس نہیں ڈر اوپر اُن کے اور نہ وُہ غم کھاویں گے۔
• وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ
اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا نشانیوں ہماری کو۔
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۹ ع
یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے آگ کے ہیں وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہینگے۔

ہو گئے ہو ۲/۳۴ (کیونکہ ناہموار نظام میں باہمی عداوت ایک لازمی امر ہے) پھر تمہاری آئندہ نسلوں کے پاس بھی جب میری ہدائت آئے تو جو گروہ اُسکی پیروی کریگا، نہ اُنہیں آنیوالے خطرات کا خوف ہوگا اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔
• اور جو لوگ انکار کرینگے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائینگے وہ اہلِ نار ہونگے (ناہموار معاشرہ اور باہمی عداوت کے جہنم میں جلتے رہینگے اور جبتک خود نہ نکلیں گے اُسوقت تک) اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔

روائتی تفاسیر

• روایات نے اِن آیات کریمات ۲/۳۰ تا ۳۹ کی جن میں انسانی معاشرے کا معاشی حل دیا گیا ہے لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کی ایسی حیتیانی تفاسیر پیش کی ہیں کہ آیات کریمات بے ربط اور ناموسِ باری داغدار پائی جاتی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ کیا اللہ تعالیٰ کوئی مجسم ذات ہے

• پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ اور ملائکہ کے مکالمے کو قالی ٹھہرا کر خدا تعالیٰ کو مجسم قرار دیا جاتا، اور بات یہاں سے شروع کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں اِس پر اُنہوں نے کہا، کیا تو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا لیکن معاذ اللہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے یہ بے ربط جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اِس روائتی مفہوم سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گویا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ آدم فسادی اور خونی نہیں ہوگا۔

۲۔ جو سبق پڑھایا ہی نہیں اسکا امتحان لینے کے کیا معنے؟

• لیکن اِس سے آگے جب حضرتِ انسان نے عملی زندگی میں قدم قدم پر یہ ثابت کر دکھایا کہ ملائکہ ہی سچے تھے۔ تو خدا تعالیٰ کیطرف سے اِسکا یہ ردِّ عمل بتایا جاتا ہے کہ اُس نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ اشیاءِ کائنات کے نام سکھا دیئے اور جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے، اسکے بعد ملائکہ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تُو نے سکھایا ہے یعنی اُنہوں نے دبی زبان میں یہ کہا کہ، جو مضمون تُو نے ہمیں نہیں پڑھایا اور آدم کو ہم سے علیحدہ پڑھا دیا ہے اُس مضمون کے مقابلے کا امتحان لینے کے کیا معنے؟ لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا کہ تُو انہیں ان کے نام بتا دے، اُنہوں نے بتا دیئے۔ اور بھلا بتاتے کیوں نہ؟ جبکہ اُنہیں ازبر کرا دیئے گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ یہ بے ربط جواب دیا، کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں اور جو چھپاتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ، کیا علّام الغیوب ہونیکا یہ مطلب ہے کہ ملائکہ پر وہ سوال کیا جائے جو اُنہیں پڑھایا ہی نہیں گیا۔ یہ بے ہودہ روائتی تفسیر

مزید ملاحظہ ہو کہ:۔

۳۔ ملائکہ ظاہر کیا کرتے ہیں اور چھپاتے کیا ہیں

• اس سے آگے روائتی تفاسیر نے اس امر پر روشنی نہیں ڈالی۔ کہ ان کے بتائے ہوئے ملائکہ چھپاتے کیا اور ظاہر کیا کرتے ہیں یعنی اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کی تفسیر کیا ہے اور یا یہ جملہ کیا بے ربط و بے معنی نازل کر دیا گیا ہے؟

۴۔ غیر اللہ کیلئے سجدہ کا مشرکانہ حکم کیوں؟

• اس سے آگے سجدۂ ملائکہ کے متعلق یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں فرشتوں کو کھڑا کر کے حضرت آدم کے آگے سجدہ کرنیکا حکم دیا۔ اس پر سوال پڑتا ہے کہ اس مشرکانہ اہتمام کی غرض؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے اسی فعل سے قیامت تک کیلئے پیروں فقیروں اور انکی قبروں کیلئے سجدہ کرنے کے جواز کی سند قرآن کریم سے حاصل کیجاتی رہے گی۔ پھر جب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اسکے متعلق تصور دیا گیا ہے کہ وہ ملک نہیں جنّ ہے۔ اس پر سوال پڑتا ہے کہ جب وہ ملک ہے ہی نہیں۔ اور سجدہ کا حکم ملائکہ کو ہوا، جنوں کو نہیں ہوا، تو پھر وہ مجرم کسطرح ٹھہرا؟

۵۔ شجرِ ممنوعہ گندم کا درخت تھا؟ یا انگور یا السن کا؟

۶۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی پر ہی ابلیس کا غلبہ ہو گیا؟

• اس سے آگے ہے کہ حضرت آدم کی بیوی خود انہی کے پیٹ سے پسلی پھاڑ کر نکالی گئی۔ باپ بیٹی کو میاں بیوی بنایا اور حضرت آدم کو حکم دیا کہ جنت میں سے جہاں سے چاہو۔ بافراغت کھاؤ۔ مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ لیکن اللہ کے اوّلین نبی نے وہی کام کیا جس سے هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے اشارہ قریب کیساتھ منع کیا گیا تھا۔ شجرِ ممنوعہ کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ یا تو وہ گندم کا درخت تھا، یا انگور کا تھا اور یا السن کا۔ پھر ابلیس کو غیب دان مانا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ بند ہونے کے باوجود جان لیا کہ حضرت آدم کو ایک درخت سے منع کیا گیا ہے۔ تفسیر حسینی کے صفحہ ۸ اور صفحہ ۱۸۲ پر، نیز تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۷ اور صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ ابلیس حضرت آدم کو جنت سے نکلوانے کیلئے، سانپ اور مور کی مدد سے جنت کے اندر پہنچ گیا۔ اسکی عملی صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ ابلیس ہوا کی شکل اختیار کر کے سانپ کے اندر داخل ہوا۔ مور نے سانپ کو اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس نے آدم و حوّا کو شجر ممنوعہ کھلا دیا۔ اور خدا تعالیٰ کے دعوی اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۱۵/۴۲ + ۱۷/۶۵ کہ میرے بندوں پر یقیناً یقیناً تیرا غلبہ نہیں ہو گا جھوٹا کر دیا۔ معاذاللہ معاذاللہ! اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی ہی پر ابلیس غالب آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی دونوں کو زمین پر پھینک دیا۔ جہاں انکی اولاد شروع ہوئی اور اجرائے نسل کیلئے بھائیوں کا نکاح بہنوں کیساتھ...... العیاذ باللہ!

• الغرض یہ ہیں روائتی تفاسیر جنہیں، اصل مفہوم سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ جن آیتوں میں نظامِ ربوبیّت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی درستی کے اصول درج ہیں۔ مقام آدم اور مقام مومن کی وضاحت کیگئی ہے روایات نے انہیں چیستان بنا کر رکھ دیا ہوا ہے۔

اللہ و ملائکہ کے مکالمہ اور قصۂ ابلیس و آدم ۲/۳۰ تا ۳۹ کا ملخص

• اللہ اور ملائکہ کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں ہے۔

• کائنات کی ہر قوّت یعنی جملہ ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ آدم کیلئے سجدہ ریز کر دیئے گئے ہیں یعنی ہر آن سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، ۲/۴۴ + ۲۵/۱۳ -

• نفسِ امّارہ ابلیس ہے، جو ہر لحظہ بُرائی کا حکم کرتا رہتا ہے ۱۲/۵۳ -

• لیکن انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے اسے اختیار ہے کہ خواہ نفسِ امّارہ کی پیروی کرے۔ یا احکامِ خداوندی کی ۱۸/۲۹

• واضح رہے کہ موجوداتِ عالم میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز کی قوّت کو مسخّر کرنا ہے ”مقامِ آدم“ ۴۵/۲

• اور تسخیر کے ماحصل کی متوازن تقسیم ہے ”مقامِ مومن“ ۲/۲۹

قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب بنی اسرائیل کی مثال

• نظامِ ربوبیّت کی خوشگواریاں ہر قوم اور ہر دَور کیلئے یکساں نتائج کی حامل ہیں۔ چنانچہ اگلی آیاتِ کریمات میں قرآنِ کریم کی اوّلین مخاطب قوم بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور حکومت کے چھن جانے کا ذکر بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے :-

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ
اے بیٹو یعقوب کے یاد کرو نعمت میری جو انعام کی
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ
میں نے اُوپر تمہارے اور پُورا کرو عہد میرا پُورا کروں گا
بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ۝ ۴۰
میں عہد تمہارے کو۔ اور مجھ سے ہی پس ڈرو۔
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ
اور ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے کہ اُتارا میں نے سچا کرنے
وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا
والا ہے اُس چیز کو جو ساتھ تمہارے ہے اور مت ہو پہلے
تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝
کافر ساتھ اسکے اور مت مول لو بدلے آیتوں میری کے
مول تھوڑا اور مجھ سے پس ڈرو۔

• اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم پر فرمائیں (جب تم نے میرا وعدۂ ربوبیّت وفا کیا، میں نے تمہارا وعدۂ خلافت پُورا کیا۔ لہٰذا تمہاری ذِلّت کیوجہ تمہاری اپنی وعدہ خلافی ہے۔ آج بھی اگر) تم میرا وعدہ پُورا کرو اور مجھ ہی سے ڈرو تو میں تمہارا وعدہ پُورا کروں گا۔

• اور تمہاری عظمتِ رفتہ جو تحریفِ کتاب اور نافرمانیوں کی بدولت چھن گئی تھی ۵/۱۳، اسطرح لوٹ سکتی ہے کہ اب) اس کتاب قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ جو میں نے (اپنے بندے پر ۲/۲۳) نازل کی ہے۔ یہ اُس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو (غیر محرف صورت میں) تمہارے پاس تھی پس اس کتاب قرآنِ کریم کے تم ہی پہلے منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کو بیجا استعمال کر کے دُنیا کا حقیر اجر نہ لو۔ (جیسے تم میرے ضابطہ کی مخالفت کر کے سُود رشوت چور بازاری وغیرہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہو اور اسطرح تمہیں جن باطل قوانین کی مخالفت کرنی پڑے) اُن سے مت ڈرو، بلکہ صرف مجھ سے یعنی میرے ہی قانون کی مخالفت سے ڈرو۔

حق میں باطل شامل نہ کرو اور نظامِ ربوبیّت قائم کرو

اگلی آئتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جرم یہ بتایا گیا ہے، کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں باطل روایات شامل کر کے حق کو چھپا رکھا تھا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا
اور مت ملاؤ سچ کو ساتھ جھوٹ کے اور مت چھپاؤ
الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۴۲
حق کو اور تم جانتے ہو۔

● اور حق (کتابِ الٰہی) کو باطل (روایات) کیساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور یہ کہ (اسطرح) تم حق کو چھپا رہے ہو۔ درانحالیکہ تم جانتے ہو۔ (کہ حق میں باطل شامل کرنے سے باطل بھی حق کا حصّہ مانا جاتا ہے)۔

باطل انفرادیّت کا، اور حق اجتماعیّت کا علمبردار ہے

باطل کا کام ہے کہ وہ انفرادی مفاد کی جاذبیّت کیساتھ عوام کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ یہ امر تجربہ کی کسوٹی پر ثابت ہو چکا ہے کہ انفرادیّت کے حامل قوانین نہ آج تک نوعِ آدم کا معاشی مسئلہ حل کر سکے ہیں اور نہ امنِ عالم کی ذمّہ داری کا بوجھ اُٹھا سکے ہیں۔ فلہٰذا اگلی آئت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر دائمی ذِلّت کے عذاب سے نکلنا چاہتے ہو تو اجتماعی نظامِ ربوبیّت (الصّلوٰۃ) قائم کرو۔ جو نوعِ آدم کے معاشی مسئلہ کا واحد حل ہے، اور امنِ عالم کا واحد ضامن ہے:۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو
وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۴۳
اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

● اور الصّلوٰۃ، اجتماعی نظامِ ربوبیّت قائم کرو اور کمزوروں کی نشوونما کے ضامن نظام کو چلانے کیلئے مال دو۔ اور قانونِ ربوبیّت (ربّ) کے سامنے جھکنے والوں (یعنی آنحضور اور جماعتِ صحابہؓ) کیساتھ ملکر تم بھی قانونِ ربوبیّت کے سامنے عملاً جھک جاؤ۔

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک اور جرم بتایا گیا ہے:۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو ساتھ بھلائی کے اور بھولے جاتے
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا
ہو جانوں اپنی کو اور تم پڑھتے ہو کتاب، کیا پس نہیں
تَعْقِلُونَ ۴۴
سمجھتے ہو۔

● کیا تم، لوگوں کو بھلائی (ربوبیّتِ عامہ) کا حکم کرتے ہو لیکن اپنے آپکو (اس حکم سے مستثنیٰ سمجھ کر) بھلا دیتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔ پھر تم (قول و فعل کے اس خطرناک تضاد پر) کیوں غور (کر کے اُسے دُور) نہیں کرتے۔

لفظِ بِرّ کی قرآنی لغت

● آئتِ بالا میں بِرّ کا معنیٰ سیاقِ کلام کے مطابق لکھا گیا ہے "ربوبیّتِ عامّہ" اِس لفظ کا عمومی معنیٰ ہے نیکی بھلائی۔ مذہبی حلقوں میں اسکا مفہوم لیا جاتا ہے نماز روزہ وغیرہ

لیکن قرآنِ حکیم نے اِس لفظ کا جو مفہوم نفی اثبات کے حصر کیساتھ بیان کیا ہے آیتِ ذیل میں مذکور ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ...... الخ ۲/۱۷۷ برّ یہ نہیں ہے کہ تم صلوٰۃ مؤقت کیلئے مشرق کیطرف منہ پھیرتے ہو یا مغرب کیطرف، بلکہ برّ کا عامل وہ شخص ہے جو اللہ پر اور اللہ کے بنائے ہوئے روزِ مکافات پر، اور اللہ کے ملائکہ پر، اور اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے نبیوں پر ایمان لائے اور (نمود و نمائش کیلئے نہیں، بلکہ) اللہ کی محبت کیلئے اپنے قریبیوں کو، اور بے سہارا لوگوں کو، اُنکو، جن کا کاروبار ساکن ہو جائے اور مسافروں کو اور محتاجوں کو اور غلاموں اور قرض میں پھنسے ہوئے لوگوں کی گردنیں آزاد کرانے کیلئے مال دے (اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر نہ ہو) بلکہ نظامِ ربوبیّت قائم کرے (تاکہ ایک باقاعدہ نظام کی بدولت کوئی فرد محرومِ ربوبیّت نہ رہے) دیکھئے یہاں برّ کا معنی اللہ، قیامت، ملائکہ، کتاب اور انبیاء پر ایمان لانے کے بعد یتیموں مسکینوں مسافروں قرضداروں پر مال خرچ کرنا بتایا گیا ہے اسی چیز کی وضاحت ذیل کے انتہائی بلیغ الفاظ میں کر دی گئی ہے:۔

• لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۳/۹۲ تم اُسوقت تک برّ کو نہیں پا سکتے جبتک کہ تم اللہ کی راہ میں اُس مال سے خرچ نہ کرو جس سے تم محبّت کرتے ہو۔ نیز اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے گا۔ کہ قرآنِ کریم انفرادی انفاقِ مال یعنی گداگروں کی حوصلہ افزائی کا حامل نہیں بلکہ اجتماعی نظامِ ربوبیّت کا حکم دیتا ہے تاکہ گرے ہوؤں کو قدموں پر کھڑا کیا جائے ۲/۲۶۵ گداگر نہ بنایا جائے۔ فلہٰذا برّ کا مذکورہ معنی ربوبیّتِ عامہ خود سیاقِ کلام اور قرآنی لغت کیمطابق صحیح ہے، نیز دیکھئے سابق کلام بھی انہی معنوں کی تائید کرتا ہے:۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ

اور مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ ۴۵

اور تحقیق وہ البتہ بڑی ہے مگر اوپر عاجزی کرنیوالوں کے

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ

وہ لوگ کہ جانتے ہیں یہ کہ وہ ملنے والے ہیں پروردگار اپنے سے

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ۴۶ ع ۵ الربع

اور یہ کہ وہ طرف اُسکی پھر جانیوالے ہیں۔

• اور (نظامِ ربوبیّت کی تکمیل کیلئے) پوری مستقل مزاجی اور صلوٰۃِ مؤقت کیساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کرو لیکن بلاشبہ نظامِ ربوبیّت کا قیام (انفرادی نفع اندوزوں کیلئے) بہت کٹھن کام ہے مگر اُن لوگوں کیلئے کچھ مشکل نہیں جو اعمال کی جوابدہی سے ڈرنیوالے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے ربّ (کے حضور ربوبیّت کی جوابدہی کیلئے) حاضر ہونیوالے، اور بلاشبہ اُسی کیطرف لوٹائے جانیوالے ہیں۔

ربّ کے حضور حاضری

• آیتِ بالا ۲/۴۶ میں مُلٰقُوا رَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربّ کی ملاقات سے مُراد، ربوبیّتِ عامہ کی تکمیل یا عدمِ تکمیل کی جوابدہی کیلئے حاضر ہونا ہے ربّ اور اِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ، ربوبیّت کیمتعلق جوابدہی

کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یعنی یہاں ربوبیّتِ عامہ ہی کی باز پُرس سے ڈرنیوالوں کی خبر دیگئی ہے۔

● اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کیساتھ پھر بنی اسرائیل کو حضرت موسٰی کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کی خوبیاں یاد دلائی جارہی ہیں

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ

اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمت میری وہ جو انعام کی

اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝

میں نے اوپر تمہارے اور تحقیق میں نے بزرگی دی تم کو اوپر عالموں کے۔ ۴۷

اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم پر انعام فرمائی، یہ کہ میں نے تمہیں ایک زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ (یعنی تمہیں فرعون کے باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس عمارتوں کا مالک بنا دیا $\frac{۶}{۱۳۰}$ + $\frac{۲۶}{۵۹}$، جو سب کچھ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی بدولت تم سے چھن گیا)۔

● اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یاد رکھو، جب دُنیا میں قرآنی نظام قائم ہو جائے تو نہ اُس میں اور نہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں کسی مجرم کی رعائت ہوگی۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کفائت کریگا کوئی جی

شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ

کسی جی سے کچھ اور نہ قبول کیا جاوے اُس سے سفارش اور نہ

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ ۴۸

لیا جاویگا اُس سے بدلہ اور نہ وہ مدد دیئے جاویںگے۔

اور اُس وقت سے ڈر جاؤ جب کوئی شخص کسی کے جرم کا معمولی سا بدلہ بھی نہ بن سکیگا، اور نہ کسی مجرم سے کوئی شفاعت قبول کیجاویگی اور نہ اس سے فدیہ (رشوت وغیرہ) لیجاویگی، اور نہ ہی اُن مجرموں کی (کوئی بھی) مدد کیجاویگی۔

● قرآنِ کریم نے دنیوی عدالتوں میں بعض جرائم کا فدیہ مقرر کیا ہے۔ مثلاً قسم کھولنے کا فدیہ دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا یا ایک گردن آزاد کرنا، اور یا تین روزے بتایا ہے $\frac{۵}{۸۹}$، بیوی کو ماں کہنے کا جرمانہ ایک گردن آزاد کرنا یا ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کا کھانا بتایا ہے $\frac{۵۸}{۳،۴}$، مومن کے سہواً قتل کا خون بہا ادا کیا جا سکتا ہے لیکن غصبِ حقوقِ ربوبیّت وہ جرم ہے کہ اسکے فدیہ وغیرہ کی دُنیوی عدالتوں میں بھی نفی کر دیگئی ہے اور اُخروی عدالت میں بھی۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اُن کی نافرمانیوں کی طویل فہرست

● سورۂ قصص میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو طرح طرح کے مظالم کیساتھ کمزور کر دیا ہوا تھا۔ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جنہیں کمزور کر دیا ہے، اُن پر احسان کریں وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ $\frac{۲۸}{۵}$ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مقدسات میں قرآنِ کریم کے مخصوص اسلوبِ بیان کیساتھ مخاطب تو کیا گیا ہے زمانۂ رسالت کے یہودیوں کو، اور نافرمانیاں اُنکے مختلف زمانوں کے اسلاف کی بیان کی گئی ہیں اور احسان بھی وہ جتائے جارہے ہیں جو اُن کے بزرگوں پر کیئے گئے تھے۔ لہذا ذہن نشین کر لیجئیگا کہ ان آیات میں تم سے مراد زمانۂ رسالت کے

یہودیوں کے اسلاف ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ
اور جب چھڑایا ہم نے تم کو قوم فرعون کی سے پہنچاتے

سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ
تھے تمکو برا عذاب ذبح کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور جیتا رکھتے

نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝٤٩
بیٹیوں تماری کو اور بیچ اسکے آزمائش تھی پروردگار تمہارے سے بڑی

اور اُسوقت کو یاد کرو جب ہم نے، تم (تمہارے اسلاف) کو فرعون کے عمّال سے نجات دلائی، وہ تمہیں برا عذاب دیتے تھے، تمہاری قوم کے ابناء کو (یعنی اُن مردانہ جوہروں کو جو فرعون کے خلاف آواز اُٹھاتے، خصوصاً موسٰے پر ایمان لانیوالے ۴۰/۲۵) انہیں (ذبح یعنی) قوم سے جدا کرکے بے اثر کردیتے اور تمہارے عورت صفت لوگوں سے درگزر کرتے تھے۔ اور تمہارے لئے اِس میں تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

ذبح اور قتل مترادف الفاظ ہیں ابناء سے مراد، قوم کے وہ لوگ ہیں جو حقوق لوبیّت کی آواز اُٹھاتے تھے

● آیت بالا سے روائتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ فرعون کے نجومیوں نے حضرت موسٰی کے متعلق بتایا، کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کا تختہ اُلٹ دیگا، اسلئے وہ بنی اسرائیل کے جملہ نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کردیا کرتا تھا۔ اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا لیکن یہ نظریہ قرآن کریم کی رُو سے مطلقاً غلط ہے، کیونکہ پہلے نمبر پر تو قتل ابناء اور استحیاءِ نساء کا حکم فرعون نے دعوتِ موسوی کے بعد دیا تھا۔ قَالُوا اقْتُلُوٓا أَبْنَآءَ الَّذِينَ ءَامَنُوا مَعَهُۥ وَاسْتَحْيُوا نِسَآءَهُمْ ۴۰/۲۵ ۔ انہوں نے کہا موسٰی پر ایمان لانیوالوں کے ابناء والقوم یعنی آگے نکلنے والے قابل جوہروں کو قتل کردو، اور عورت صفت لوگوں سے درگذر کرو۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت موسٰی کے قتل کیلئے نوزائیدہ بچّوں کو قتل کیا جاتا ہوتا، تو حضرت موسٰی کا ہم عمر نوجوان کوئی موجود نہ ہوتا لیکن سورہ یونس میں ہے :۔ فَمَآ ءَامَنَ لِمُوسَىٰٓ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِۦ ۱۰/۸۳ = اور موسٰی پر اسکی قوم کے نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ تیسرے یہ کہ اگر اس آیت میں نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کی خبر دیگئی ہو تو لفظِ ابناء کے مقابلے پر بنات یعنی لڑکیاں آنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ نساء، جو نوزائیدہ بچیوں کو نہیں، بلکہ پوری جوان عورتوں کو کہتے ہیں پس نجومیوں کی خبر، اور نوزائیدہ بچّوں کے قتل کا شاخسانہ محض افسانہ ہے۔

● اب رہا لفظِ ذبح، اِسکا معنٰی ہے شاہ رگ کاٹ کر دل و دماغ کا تعلق جُدا کردینا۔ اسیطرح فرعون بنی اسرائیل کے مردانہ جوہروں کو قید یا جلا وطن کرکے قوم سے جُدا کر دیتا تھا ۷/۱۴۱ میں یُذَبِّحُونَ کی بجائے يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں اور قتل کا معنٰی ذلیل و خوار اور بے اثر کرنا بھی ہے۔ ۹/۳۰ میں یہود و نصارٰی کیلئے آیا ہے۔ قَٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ = اللہ انہیں ذلیل و خوار کرے۔ ۵۱/۱۰ میں آیا ہے۔ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ = ذلیل و خوار ہوں کٹ حجتیاں کرنے والے۔ فلہذا۔ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ کا صحیح معنٰی یہی ہے کہ فرعون اپنے نظام کے خلاف آواز اُٹھانیوالی انقلابی جماعت میں سے آگے نکل کر کام کرنیوالوں کو یا تو جلا وطن کرکے قوم سے جُدا کر دیتا تھا یا قید کرکے۔ تا اسکہ اس انقلابی جماعت کی تخریب

وقت آگیا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے :-

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

اور جب پھاڑا ہم نے ساتھ تمہارے دریا کو پس چھڑایا

اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۵۰

ہم نے تمکو اور ڈبا دیا ہم نے لوگوں فرعون کے کو اور تم دیکھتے تھے

اور اُسوقت کو یاد کرو کہ (تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں، تحریکِ حصولِ ربوبیت کے انجام پر، کہ جب فرعون نے اُن کے مساوی حقوقِ ربوبیت تسلیم نہ کئے ہجرت کی تو اُس نے اُن کا تعاقب کیا۔ اب آگے سمندر اور پیچھے فرعون کے لشکر تھے) ہم نے تمہارے لئے سمندر کو جذر کی حالت میں، کنارے سے جُدا ہُوا ہُوا پایا تمہیں نجات دی تم گزر گئے (جب فرعون مع لشکر آیا تو چڑھاؤ آگیا)، اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور (اس پورے نظارے کو) تم خود دیکھ رہے تھے۔

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فرق کا سہ حرفی مادہ ف۔ ر۔ ق بمعنی جُدا کرنا ہے۔ اور پیش لفظ کے عنوان ۳۲ کے مطابق ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی رُو سے فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کا معنی لکھا گیا ہے ” ہم نے سمندر کو کنارے سے جدا ہُوا ہُوا پایا“۔ اب اِس پر مشاہدہ شاہد ہے کہ سمندر کنارے سے حالتِ جذر کے سوا جُدا نہیں ہوتا۔ اِسلئے مندرجہ بالا مفہوم قرآن و مشاہدات ہر دو کے مطابق ہے۔ لیکن روایاتی تفاسیر نے اِن الفاظ کا یہ حیرانی مفہوم بیان کیا ہے کہ حضرتِ موسیٰ کو حکم ہُوا کہ سمندر پر عصا مارو، تو اُس میں راستے تیار ہو گئے۔ حضرتِ موسیٰ مع بنی اسرائیل گزر گئے۔ پانی بالکل ٹھہرا ہُوا تھا۔ جب فرعون کے لشکر سمندر میں اترے تو پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ غرق ہو گئے۔ حالانکہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۵/۴۳ کے مطابق بہتے پانی کا ساکن ہو جانا سُنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کو عین اُسوقت وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کو سمندر پار لیجائیے، جب اُس میں جذر کی حالت تھی۔ دیکھئے ارشادِ باری وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۲۰/۷۷ = اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو وحی کی۔ کہ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو لیجاؤ۔ پھر اُنہیں سمندر میں خشک راستہ بتاؤ۔ اسطرح جب بنی اسرائیل گزر گئے اور فرعون نے اُنہیں پکڑنے کیلئے، چڑھاؤ کا وقت معلوم کئے بغیر فوجوں کو سمندر کے جذر، یعنی اُتار کے مقام پر ڈالدیا تو چڑھاؤ آگیا۔ تو وہ لشکروں سمیت غرق ہو گیا۔

غلطی کہاں لگتی ہے؟ اِس سلسلے میں غلطی لگتی ہے ” اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ “ ۲۶/۶۳ کے الفاظ سے جن کا مفہوم لیا جاتا ہے، سمندر کو ڈنڈا مار۔ حالانکہ یہ ۲۰/۷۷ کے متبادل الفاظ ہیں۔ جن میں آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا کے الفاظ میں، ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع عبادی بنی اسرائیل کیلئے آیا ہے اور یہاں اِضْرِبْ کا معنی ہے بتا، مار نہیں ہے۔ اور ۲۶/۶۳ کے اِسی عنوانِ واحد میں عبادی کی بجائے عَصَاكَ کے الفاظ آئے ہیں، اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ اب عصا کا معنی ڈنڈا بھی ہے اور جماعت بھی۔ فلہذا جب عبادی کا متبادل لفظ عَصَاكَ آیا ہے تو ظاہر ہے کہ

یہاں اِس سے ڈنڈا مُراد نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ کی جماعت بنی اسرائیل مُراد ہے۔ اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ :۔ اپنی جماعت کو سمندر (کا خشک راستہ ۲۰/۷۷) بتا۔ ذیل میں الفاظ کا تقابل بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

● وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۲۰/۷۷

● وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۲۶/۶۳

● ہر دو آیات کریمات میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے۔ ۲۰/۷۷ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو سمندر کا خشک راستہ بتانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ فَاضْرِبْ لَهُمْ میں ضرب بمعنی بتانا ہی صحیح ہے۔ مارنا صحیح نہیں۔ اور سمندر کی کسی خلیج میں جذر کے وقت ہی راستہ خشک ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے دوسری آئت بھی جو اُسی واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ اُسی مفہوم جذر کے وقت سمندر کا خشک راستہ بتانے کی حامل ہے۔ نیز الفاظ کا تقابل بھی تائید کرتا ہے کہ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى، باہم واحد ہیں۔ اِضْرِبْ اِضْرِبْ، متقابل ہیں اور ھُم ضمیر برائے بنی اسرائیل کا متقابل و متبادل عَصَاكَ آیا ہے، جس سے بنی اسرائیل مُراد ہیں، ڈنڈا مُراد نہیں۔ پس سمندر کو ڈنڈا مارنے اور پانی کے پھٹ جانے کے جیسا نی تصوّر کی گنجائش نہیں، کیونکہ دونوں آئتوں کے متقابل الفاظ بھی موجود ہیں۔ اور ڈنڈے کیساتھ پانی کے نہ پھٹنے کا مشاہدہ بھی معارض ہے ۔ نیز اس عنوان میں بحر سے دریائے نیل مُراد لینا دُرست نہیں۔ کیونکہ اتنے اہم مرکزی دریا کے متعلق یہ تصوّر صحیح نہیں کہ نہ اس پر کوئی پل تھا، اور نہ کشتیوں کا انتظام، اسلئے البحر سے مراد سمندر کا وہ حصہ ہے جو سرزمین مصر کے اندر دُور تک چلا گیا ہے۔ اور سمندر کے مدّ و جذر کیساتھ اُس میں بھی مدّ و جذر ہوتا تھا۔ آجکل نہر سویز کے ذریعہ اُسے بڑے سمندر کیساتھ ملا دیا گیا ہے۔

بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا

سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جُرم یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے چالیس راتوں کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی :۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً
اور جب وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
پھر بنا لیا تم نے گائے کا بچہ پیچھے اسکے اور تم ظالم
ظٰلِمُوْنَ ○ ۵۱
تھے

اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ کو (طور پر کتاب لکھوانے کیلئے ۷/۱۴۵) چالیس راتوں کا وعدہ دیا۔ تو تم نے اُس کے پیچھے (انسان ہوتے ہوئے ایک حیوان) بچھڑے کو معبود بنا لیا یعنی تم بے ٹھکانہ کام کرنیوالے ہو۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
پھر معاف کیا ہم نے تم سے پیچھے اسکے تو کہ تم شکر کرو۔ ۵۲

پھر ہم نے اُسکے بعد تمہیں معاف کر دیا۔ تاکہ تم اپنی اصلاح کرکے میرے شُکر گزار بن جاؤ۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ
اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی یعنی
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ۵۳
معیار سے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اور خصوصًا وہ وقت قابل ذکر ہے۔ جب ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب (تمہارے جملہ تنازعہ مسائل کا حل) یعنی حق و باطل میں فرق کرنیوالی (کسوٹی) عطا فرمائی، تاکہ تم اُس سے رہنمائی حاصل کرو۔

● (یہ بچھڑا گائے کا بچہ تھا یا دھات کا ڈھلا ہوا؟ اِسکی وضاحت آگے آرہی ہے)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ
اور جس وقت کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا
میری تحقیق تم نے ظلم کیا جانوں اپنی کو ساتھ پکڑنے
اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ
تمہارے کے بچھڑے کو پس توبہ کرو طرف پیدا کرنیوالے
خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
اپنے کے پس مارو جانوں اپنی کو یہ بہتر ہے تمکو نزدیک پیدا
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۵۴
کرنیوالے تمہارے کے پس پھر آیا اوپر تمہارے تحقیق وہ ہے پھر آنیوالا مہربان۔

پھر وہ وقت قابل ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس تم اپنے پیدا کرنیوالے کے حضور غلطی کا اعتراف کرو۔ اور نفس امّارہ کی مخالفت کرو (اپنی اصلاح کر لو) تمہارے پروردگار کے ہاں تمہارے لئے یہی امر بہتر ہے۔ پھر (جب تم نے اعتراف و اصلاح کر لی تو) اُس نے تمہیں معاف کر دیا۔ بلاشبہ وہ (۱۶/۱۱۹، اعتراف و اصلاح کے بعد) معاف کرنے والا مہربان ہے۔

قتل النفس کا مفہوم روایاتی تفاسیر نے اِسکا مفہوم یہ لیا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دو چنانچہ تفسیر ماجدی میں ہے کہ تقریبًا تین ہزار بنی اسرائیل ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ موضح القرآن میں ستر ہزار لکھے ہیں۔ تفسیر ثنائی نے تاثر دیا ہے کہ اِن الفاظ میں غیر مجرموں کو حکم ہوا ہے کہ وہ مجرموں کو قتل کریں لیکن یہاں قتل النفس کا معنی تصریف آیات کی رُو سے ثابت ہے نفس امّارہ کی مخالفت۔ یہاں ۲/۵۴ میں بصیغہ امر توبوا کے بعد فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ آیا ہے، اور ۱۶/۱۱۹ میں بصیغہ خبر تابوا کے بعد اَصْلَحُوْا آیا ہے۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۶/۱۱۹ پس توبہ اور قتل النفس متقابل و متبادل ہیں۔ اور مفہوم ہے نفس امّارہ کو ذلیل کر کے اپنی اصلاح کر لینا۔

خدا تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا یہ جرم بتایا گیا ہے کہ جب وہ کتاب لکھنے کیلئے حضرت موسیٰ کیساتھ طور پر گئے تو مطالبہ کیا کہ خدا دکھا دو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہ ایمان لاوینگے ہم

اور وہ وقت قابل ذکر ہے، جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم آپ پر ایمان نہیں لائینگے۔ جب تک کہ ہم اللہ کو

نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ
واسطے تیرے یہاں تک کہ دیکھیں ہم اللہ کو ظاہر پس پکڑا تم کو

وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۝۵۵
بجلی نے اور تم دیکھتے تھے۔

ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پھر (ایسا ہوا کہ موسٰی نے اسکے متعلق ہم سے سوال کر دیا۔ ہم نے پہاڑ پر بجلی گرائی ۷/۱۴۳) تو تمہارے دیکھتے دیکھتے تمہیں بجلی نے پکڑ لیا (اور تم ایسے بیہوش ہو گئے کہ گویا موت آگئی ہے)

ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ
پھر جلایا ہم نے تم کو پیچھے موت تمہاری کے تو کہ

لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝۵۶
تم شکر کرو۔

پھر ہم نے تمہیں اس موت (کی سی حالت) کے بعد پھر اٹھا کھڑا کیا، تاکہ تم اپنی اصلاح کر کے میرے شکر گزار بن جاؤ۔

● اس آیت کے متعلق بھی روائتی تفاسیر نے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ وہ ستر آدمی مر گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا تھا۔ حالانکہ مکافاتِ عمل کی دوسری زندگی سے قبل اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنا قانونِ خداوندی ہی کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے خلاف کبھی نہیں کرتا ۳۵/۴۳

وَظَلَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمُ
اور سائبان کیا ہم نے اوپر تمہارے بادلوں کو اور

الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی ؕ کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا
اتارا ہم نے اوپر تمہارے منّ اور سلویٰ کھاؤ پاکیزہ

رَزَقۡنٰکُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا
اس چیز سے جو دیا ہے ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انہوں

اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۝۵۷
نے ہم کو لیکن تھے وہ جانوں اپنی کو ظلم کرتے۔

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے، جب (سینا کے بیابان میں بارشوں کی وہ بہتات تھی، گویا کہ) ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اور (بارشوں کی کثرت سے تمہارے کھانے کیلئے) خود رَو درختوں کے میٹھے میوے، اور بٹیر کی قسم کے پرندے بکثرت پیدا کر دیئے۔ اور حکم دیا کہ ہم نے جو تمہیں مفید صحت رزق عطا فرمایا ہے، خوب کھاؤ۔ لیکن (تمہارے اسلاف نے اس نعمت کی بھی ناشکری کر کے، ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اپنی ہی جانوں پر ظلم کر لیا تھا۔

منّ وسلویٰ روائتی تفاسیر نے خود تسلیم کیا ہے کہ منّ جنگلی درختوں کی گوند تھی، جسے بنی اسرائیل کھاتے تھے، اور سلویٰ جنگلی پرندے تھے جنہیں پکڑ کر پکا لیتے تھے۔ (ترجمان القرآن آزاد)۔ لیکن ابن کثیر نے لکھا ہے کہ منّ گوند کی قسم سے ہے، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا۔ وہ صبح صادق سے لیکر، سورج نکلنے تک (آسمان سے) اترتا رہتا تھا۔ اور سلویٰ کے متعلق روائتی تفاسیر میں یہ تاثر بھی دیا گیا ہے۔ کہ آسمان سے بھنے ہوئے پرندے نازل ہوتے تھے حالانکہ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ ۵۷/۲۵ کے قرآنی الفاظ نے انزل کی لغت پیش کی ہے۔ کہ اسکا ایک معنی پیدا کرنا بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان

سے ڈ با برسایا نہیں، بلکہ زمین میں پیدا فرمایا ہے۔

ہجرت بنی اسرائیل کی صحیح پوزیشن عسکری ٹریننگ ایک بستی کی مخالفت اسکی فتح، اور اس میں داخلہ کا حکم

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت پر، قرآنی نکتہ نگاہ کے مطابق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ، ایسے حالات میں جبکہ مہاجرین کو صرف مصائب و شدائد ہی کا سامنا کرنا تھا۔ ایک نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل کے بوڑھوں، جن میں انتہائی کمزور بھی ہو سکتے ہیں، عورتوں، جن میں حاملہ اور زچہ بھی ہو سکتی ہیں، اور نابالغ بچوں کی ہجرت کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت صرف انقلابی جماعت کے جوانوں اور ادھیڑ عمر کے طاقتوروں سے کروائی گئی۔ نیز ثابت ہوتا ہے کہ جب فرعون معہ لشکر غرق ہو گیا۔ تو پیچھے ملکۂ فرعون مومنہ موجود تھی ۶۶/۱۱۔ اور دربارِ فرعون کا رجل مومن بھی موجود تھا ۲۸/۴۰۔ دونوں قوم بنی اسرائیل سے تھے۔ دونوں نے ملکی نظامِ سلطنت سنبھال لیا۔ اور حضرت موسیٰ نے اِس طرف سے مطمئن ہو چکنے کے بعد، اس انقلابی گروہ کیلئے، جو حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد، بارہ قبیلوں پر مشتمل تھے، قبیلہ وار بارہ رجمنٹوں کی صورت میں، صحرائے سینا کی سطحِ مرتفع پر عسکری ٹریننگ کا اہتمام فرمایا۔ اس صورت میں کہ انہیں حقِّ ربوبیّت کے مطابق اہلِ خانہ سے ملنے کی چھٹی بھی ملتی تھی۔ پس بنی اسرائیل کی اِس عسکری زندگی کی خوراک بھی منّ وسلویٰ، وہاں اُن سے میلوں لمبے مارچ، ڈبل مارچ، سردی گرمی اور دھوپ کے علاوہ بھوک پیاس برداشت کرنے، اور مصنوعی جنگوں کی مشق کرائی جاتی تھی۔ نیز اگلی آیت مجیدہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اِرد گرد کوئی لبستی تھی، جس نے اِس عسکری پروگرام کی مخالفت کی۔ اور جنگ کی نوبت آئی۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے فتح کرکے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو اُس بستی میں عاجزانہ انداز سے داخلے اور نظامِ ربوبیّت قائم کرنیکا حکم دیا۔ لیکن بنی اسرائیل نے وہاں بھی قوانینِ الٰہیہ کی نافرانی کی۔ چنانچہ خبر دیگئی ہے:۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا
اور جب کہا ہم نے داخل ہو اِس گاؤں میں پس کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ
اُس سے جہاں چاہو تم با فراغت اور داخل ہو دروازے میں

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ
سجدہ کرتے ہوئے اور کہو بخشش مانگتے ہیں ہم بخشیں گے ہم

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۵۸
واسطے تمہارے خطائیں تمہاری اور البتہ زیادہ دینگے ہم نیکی کرنے والوں کو۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے (حضرت موسیٰ کے ذریعہ) حکم دیا کہ اس (مفتوحہ لبستی) میں داخل ہو جاؤ۔ (اور نظامِ ربوبیّت قائم کرکے، اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو [عنہ]) اور دروازے میں اللہ کے پورے پورے فرمانبردار ہو کر داخل ہونا۔ اور (بطور منشور اعلان کرنا) کہنا حِطَّةٌ۔ (عوام کے بوجھ اتارنا ہمارے ذمہ ہے) اسطرح ہم تمہیں اُن لغزشوں [عنہ] سے بھی بچا لینگے۔ جو سر براہانِ نظام کرتے ہیں۔ نیز ہم معاشرہ میں حسن پیدا کرنیوالوں کو ضرور ضرور نعمتوں میں زیادہ کرتے ہیں۔

عنہ کُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا" کے الفاظ قرآنِ کریم میں اصطلاحاً نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے آتے ہیں۔ جس میں ہر فرد

بشر کو اُسکے حقوقِ ربوبیّت میسّر ہوں۔ ہر فردِ ریاست ڈیوٹی ادا کرے اور جہاں سے چاہے کھائے پیئے! اسکے برعکس ناہموار معاشرہ میں جہاں سے چاہو کھاؤ پیو" کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پرائے پوت پہلے تو خود مرمّت کرتے ہیں اور پھر حوالۂ پولیس کر دیتے ہیں۔

عـ۲ وَادْخُلُوا الْبَابَ میں الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف الیہ ہے مسجد، اسلامی منشور کا اعلان مسجد میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ، دیوان، عدالت، فریادگاہ سب کچھ مسجد ہی ہوتی ہے $\frac{۵}{۱۰۹}$۔

عـ۳ سجدہ کا لغوی معنیٰ ہے جھکنا۔ خدا تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہونا۔ سربراہِ ریاست، جب دیوانِ عام کے دروازے میں داخل ہوتا ہے، جہاں ہزاروں لوگ اُسکا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ اُسوقت کیلئے کہا گیا ہے۔ کہ اُس دروازے میں سُجّدًا، پورے فرمانبردار ہوکر داخل ہونا، اپنے آپکو عوام ہی کا فرد سمجھنا، فخر و تکبّر میں نہ آجانا لیکن تفسیر نعیمی مطبوعہ انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے صفحہ $\frac{۵۲۷}{۲}$ پر بحوالہ سابقہ مفسّرین لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا، شہر کے دروازوں میں سجدہ کی حالت میں داخل ہونا لیکن بنی اسرائیل سُرین (چوتڑوں) کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے یا للعجب! اور حِطَّةٌ کی بجائے حِنْطَةٌ کہا۔

عـ۴ حِطَّةٌ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ط۔ ط ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے "کسی چیز کا اُوپر سے نیچے اُتارنا دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ مکتبۃ القاسمیہ لاہور صفحہ ۲۳۰۔ نیز دیکھئے المنجد مترجم مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱؁ صفحہ ۲۰۶۔ فلہذا ربّانی ریاست کا فریضہ ہے" لوگوں کے بوجھ اُتارنا، جن کے نیچے وہ دبے ہوئے ہوں"۔ اور حِطَّةٌ کا صحیح مقامی معنیٰ یہی ہے۔

عـ۵ خطا کا سہ حرفی مادہ خ۔ ط۔ و بمعنیٰ قدم ہے۔ اور اصطلاحاً غلط قدم کو خطا یا لغزش کہا جاتا ہے۔

عـ۶ غفر کا سہ حرفی مادہ غ۔ ف۔ ر بمعنیٰ بچانا ہے۔ اسی مادہ سے مشتق ہے لفظ مِغفر، بمعنیٰ خود، جو جنگ کے وقت سر کو ہر قسم کے خطرہ سے بچانے کیلئے پہنا جاتا ہے۔

المختصر! قرآن کریم نے حِطَّةٌ کے ایک ہی لفظ میں ربّانی معاشرہ کا نقشہ کھینچ کر رکھدیا ہے۔ اور ربّانی حکومت کے منشور کے طور پر دیوانِ عام، مسجد میں عوام کے سامنے سربراہِ ریاست کا اوّلین خطاب اور اوّلین اعلان بتایا ہے حِطَّةٌ۔ کہ یہ نظام عوام کے ہر قسم کے بوجھ اُتارنے کا ضامن ہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

لیکن بنی اسرائیل نے، بجائے اسکے کہ نظامِ ربوبیّت قائم کرتے، اپنی روایات یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ کے مطابق حِطَّةٌ کا منشور ہی بدل ڈالا۔ اور انفرادیّت کی دھاندلیوں میں مبتلا ہوگئے۔ چنانچہ خبر دیگئی ہے:۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

پس بدل ڈالا اُن لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تھا بات کو

قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا

سوائے اسکے جو کہی گئی تھی واسطے اُنکے پس اُتارا ہم نے اُوپر اُن

لیکن اُن ظالموں نے ہمارے قول کو اُس قول کیساتھ بدل ڈالا جو انہیں نہیں کہا گیا تھا۔ پھر (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہم نے ظلم کرنیوالوں پر آسمان سے ذلّت نازل فرمائی اسلئے کہ

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۵۹
لوگوں کے کہ ظلم کرتے تھے عذاب آسمان سے بسبب اسکے کہ تھے فسق کرتے۔

وہ ہمارے احکام کی نافرمانی کیا کرتے تھے۔

ع

اَنْزَلْنَا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے وہی کچھ نازل ہوتا ہے، جو نیچے سے اُوپر کو اُٹھتا ہے۔ بخارات کی شکل میں پانی ہی اُوپر کو جاتا ہے۔ اور پانی ہی برستا ہے۔ اسی طرح ان بنی اسرائیل پر جو غلامی اور ذلّت کا آسمان سے نازل ہونا بتایا گیا ہے۔ اسکی تفسیر آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں کر دیگئی ہے "بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" یہ اسلیئے کہ وہ بدستور نافرمانیاں کرتے چلے آرہے تھے۔ یعنی جو کچھ اوپر کو بھیجا، وہی کچھ نازل ہُوا۔ تفسیر موضح القرآن مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور کے صفحہ ۱۰ پر رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اُن پر آسمان سے وبا نازل ہوئی۔ اور ایک پہر میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ تفسیر حسینی مطبع محمدی کانپور کے صفحہ ۱۰ پر اسکی تفسیر بالفاظ ذیل درج ہے :"آن عذاب آتشے بود کہ از آسمان فرود آمد و ہمہ را بسوخت، یا طاعون بر ایشاں گماشتہ شد، کہ بیک ساعت بست و چہار ہزار کس مُردند بقولے ہفتاد ہزار۔ (ترجمہ) اور وہ عذاب ایک آگ تھی جو آسمان سے اُتری اور سب کو جلا دیا یا وہ طاعون تھی، جو اُن پر آئی کہ ایک ساعت میں چوبیس ہزار آدمی مر گئے۔ اور ایک قول کے مطابق ستّر ہزار مر گئے۔ انہی صفحات پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حِطَّةٌ کی بجائے حِنْطَةٌ کہنا شروع کیا کہ ہمیں تو گندم چاہیئے۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے :۔ مر ایشاں را حق سبحانہٗ فرمودہ بود، بگوئید حِطَّةٌ۔ ایشاں گفتند حِنْطًا سقاثا یعنی گندم سُرخ۔ (ترجمہ) حق تعالیٰ نے اُنہیں کہا تھا کہو حِطَّةٌ اُنہوں نے کہا گندم سُرخ۔ تفسیر نعیمی صفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ حطہ بیت المقدس کا ایک دروازہ ہے۔ جس سے گزرنے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن صاحب تفسیر نے اسے خود ہی غلط قرار دیدیا ہے۔

حقیقت حال حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن کریم کے درس اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی کو دُہراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بھی اجتماعی نظام ربوبیّت ہی کا حکم دیا تھا، جسے اُنہوں نے ہر موقعہ اور ہر مقام پر انفرادیت میں بدل دیا۔ جس کے بدلے اُن پر غلامی کی ذِلّت مسلّط کر دیگئی۔

بنی اسرائیل کے عسکری حالات آیت مجیدہ ۵۷ میں صحرائی غذا کے تحت مَنّ وسلوٰی کا ذکر گزر چکا ہے آیت ذیل میں اُن کی آبی ضروریات کے متعلق خبر دیگئی ہے :۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا
اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے پس کہا

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ
ہم نے مار ساتھ عصا اپنے کے پتھر کو پس پھوٹ نکلے

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے پانی کی طلب فرمائی تو ہم نے کہا کہ اپنی جماعت کو (صحرا کی بجائے) پتھریلی زمین میں لے جائیں ۱۰ پس وہاں بارہ چشمے جاری تھے ۱۱ بلاشبہ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ سب ملکر مَنّ وسلوٰی کھاؤ

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ
اُس میں سے بارہ چشمے تحقیق جانا ہر آدمی نے گھاٹ اپنا
مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ
کھاؤ اور پیو رزق اللہ کے سے۔ اور مت پھرو بیچ زمین
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ ۶۰
کے فساد کرتے۔

اور چشموں کا پانی پیو۔ لیکن، زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرنا۔

تفسیر اضرب بعصاک الحجر فانفجرت یہاں ضرب بمعنی چلنا اور جانا ہے اور با حرف جار کیساتھ متعدی یعنی لے جانا ہو گیا ہے۔ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے یعنی ارض الحجر، پتھریلی زمین وسطح مرتفع۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ صحراؤں میں چشمے نہیں ہوتے، جہاں زمین پتھریلی ہو، وہاں پتھروں میں سے چشمے جاری ہوئے ہوتے ہیں انسان صرف انہیں ڈھونڈتا ہے جاری نہیں کرتا۔ نیز یہاں عصا کا مقامی معنی جماعت ہے ڈنڈا نہیں (عصا بمعنی جماعت کی تفصیلی بحث آیت ۵۸ کی تفسیر میں گزر چکی ہے)۔ انفجرت کا یہ معنی کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے اس میں سے چشمے جاری ہو گئے، معارضہ مشاہدات کی رو سے غلط ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ بحکم الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جماعت بنی اسرائیل کو فوجی ٹریننگ کیلئے پتھریلے علاقے سطح مرتفع پر لیگئے۔ جہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ ہر رجمنٹ کی بیک وقت آبی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے۔ ہر ایک کو الگ الگ چشمہ سونپ دیا۔ اس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے کہ امت کو جب کبھی ایسے حالات سے واسطہ پڑ جائے تو صحرائی علاقوں کی بجائے پتھریلے خطوں میں پانی کی تلاش کرے۔ یہ نظریہ قیامت تک کیلئے پوری نوع انسانی کی رہنمائی کر سکتا ہے لیکن اسکے برعکس تفسیر نعیمی کے صفحہ ۴۰۹ پر الحجر کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"الحجر، اس میں اختلاف ہے کہ اس پتھر سے کوئی خاص پتھر مراد ہے یا عام ..... بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہی پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا...... حضرت جبریل نے عرض کیا تھا، کہ آپ اس کو تھیلے (توبرے) میں سنبھال کر رکھیں۔ اس سے معجزات صادر ہوں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ طور کا پتھر تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ پتھر بھی عصا کی طرح جنتی تھا۔ جس کو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے اور انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا۔ اور انہوں نے عصا کے ساتھ یہ پتھر بھی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمایا"۔ بہر حال اس بعض بعض کی گردان کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ یہ جنتی پتھر تھا یا کوئی عام، پھر بھی یہ نظریہ نوع انسانی کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ڈنڈا مارنے سے پتھر سے پانی کبھی جاری نہیں ہوتا۔ (لفظ معجزہ کی بحث اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے)

عسکری زندگی کی پابندیوں سے فرار اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی ایک اور نافرمانی اور کٹ حجتی کی خبر دی گئی ہے کہ انہیں گھر کی آسائشوں سے الگ رکھنے کی غرض نوجوانوں کو عسکری پابندیوں کا عادی بنانا تھا ۲۴۹/۲ میں آیا ہے کہ حضرت طالوت لشکر کو لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک نہر آ گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ خواہ کتنی زیادہ

پیاس ہو، کوئی جوان چلّو بھر سے زائد پانی نہ پیئے۔ اسیطرح سطح مرتفع کی زندگی میں بنی اسرائیل پر صرف منّ وسلویٰ کھانے کی پابندی لگائی گئی تھی، جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے، کہ انسانی طبیعت، میٹھا کھانے کے بعد نمکین مانگتی ہے۔ اور نمکین کے بعد میٹھا۔ اِسکے سوا انسانی طبیعت جو بدل بدلکر کھانے طلب کرتی ہے، عسکری نظام، اپنے عساکر کیلئے، اِس لئے خوراک پر پابندی لگاتا ہے کہ فوجوں کو کئی کئی مہینے مورچوں میں گڑ اور چنوں پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی میسّر نہیں آتے ۔ لیکن بنی اسرائیل کے متعلق، جو صدیوں سے غلامی کے عادی ہو چکے تھے، خبر دیگئی ہے ؛-

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
اور جب کہا تم نے اے موسٰی ہرگز صبر نہ کرینگے ہم اوپر
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
کھانے ایک کے پس مانگ تو واسطے ہمارے پروردگار اپنے
الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا
سے نکالے واسطے ہمارے اُس چیز سے کہ اگاتی ہے زمین ساگ
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
اُسکے سے اور ککڑی اُسکی سے اور گیہوں اُسکے سے اور مسور اُسکے سے
الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا
اور پیاز اُسکے سے کہا کیا بدلتے ہو وہ چیز جو وہ ناقص ہے بدلے
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ
اُس چیز کے کہ وہ بہتر ہے۔ اترو کسی شہر میں پس تحقیق واسطے تمہارے
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ
ہے جو مانگا تم نے اور ماری گئی اوپر اُنکے ذلّت اور فقیری اور پھر آئے
مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
ساتھ غصّہ کے اللہ سے یہ اس واسطے ہے کہ تھے کفر کرتے ساتھ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ
نشانیوں اللہ تعالیٰ کے اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق یہ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ع ۶۱
اسواسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے حد سے نکلتے

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم نے کہا کہ اے موسٰیؑ! ہم ایک کھانے پر ہرگز استقامت نہیں کرینگے۔ پس آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دُعا فرمائیں کہ وہ ہمارے لئے اُن چیزوں کی (گنجائش) نکالے جو زمین اُگاتی ہے سبزیوں سے، اور ککڑیوں، گندم، مسور، اور پیاز سے۔ موسٰیؑ نے فرمایا۔ کیا تم ادنٰی چیزوں کیساتھ بہتر چیزوں کو تبدیل کرتے ہو۔ پس ہم نے کہا کہ فاتحانہ شان کی بجائے غلامانہ حالت کیساتھ شہر میں جاؤ اور جو تم نے سوال کیا ہے، وہ تمہارے لئے وہاں موجود ہے۔ اِسطرح اُن پر غلامی کی ذِلّت اور محتاجی مسلّط کر دیگئی تھی۔ پس وُہ اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹے۔ یہ اِسلئے ہُوا کہ وُہ ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کی تعلیم کی ناحق مخالفت کرتے۔ ہماری نافرمانی کرنے اور ہماری حدّوں کو توڑتے رہتے تھے۔

(یہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا، جو عسکری پابندیوں سے گھبرا کر واپس غلامی اور ذِلّت میں لَوٹ آیا)

يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل نبیوں کو قتل بھی کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہاں قتل کا معنی مخالفت کرنا ہے قتل چونکہ مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسلئے یہ لفظ مخالفت کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور نبی کی مخالفت اُسکی لائی ہوئی تعلیم کی مخالفت ہوتی ہے۔ نیز خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق، کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے ٥٨/٢١۔ اگر نبیوں کو مقتول مان لیا جائے تو اللہ کا وعدہ غلط ہو جاتا ہے۔ نیز مشاہدہ گواہ ہے کہ ایک ایک نبی اپنے مخالفوں پر غالب آیا تھا۔ یا تو مخالف میدانِ جہاد میں مغلوب ہو گئے۔ اور یا اگر کسی نبی کو دشمن کے مقابلے کی مادی طاقت میسّر نہیں آسکی تو مخالفوں پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا۔ اور وہ نبی کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دیئے گئے۔ (اِس عنوان کی تفصیلی بحث آئت نمبر ۹۱ کی تفسیر میں صفحہ ۷۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

اُخروی عدالت میں سب کے فیصلے اللہ کے ذِمّہ ہیں اِس سے آگے بنی اسرائیل کے اس عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے کہتے ہیں:۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ٥/١٨۔ اسلئے انہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اُخروی کامیابی کو ایمان و عمل کیساتھ مقیّد کر کے عام اصول پیش کیا گیا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور وہ لوگ کہ یہودی
وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
ہوئے اور عیسائی اور بے دین جو کوئی ایمان لائے ساتھ اللہ
الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
اور دِن پچھلے کے اور کام کرے اچھے پس واسطے اُن کے
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○
ہے ثواب اُن کا نزدیک رب اُن کے کے اور نہیں ڈر اوپر اُن کے اور نہ وہ غم کھاویں گے۔
٦٢

بلاشبہ جو لوگ (زبانی زبانی) ایمان لائیں، یا وہ یہودی یا نصاریٰ، یا صابی ہوں (اللہ تعالیٰ قیامت کو سب کے فیصلے کر دیگا ٢٢/١٧۔ اُسکا مطلق قانون یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں، اور اصلاح (معاشرہ) کے کام کریں۔ اُن کا بدلہ (اگر دُنیا میں نہ ملے تو پھر بھی)، اُن کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ اُن کیلئے نہ (قیامت کا) خوف ہے اور نہ وہ (اپنے اعمال کیلئے) غمگین ہونگے۔

● یہ آئت جیدہ، مزید دو مقامات ٥/٦٩ اور ٢٢/١٧ میں آئی ہے۔ ٥/٦٩ کے الفاظ عین آئت صدر والے ہیں لیکن ٢٢/١٧ میں ایک پورے جملے کا اضافہ ہے:۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" ——— یہاں آلٹی واوٗں میں دیا گیا پہلا پورا جملہ مبتدا اور دوسرا پورا جملہ اسکی خبر ہے۔ پس ٥/٦٩ اور آئت صدر میں جہاں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ..... الخ مبتدا کی یہ خبر مذکور نہیں۔ تصریف آیات کی رُو سے اِن آیات میں یہ خبر محذوف اور ٢٢/١٧ میں مذکور ہے۔

دامنِ طور میں لیا گیا عہد آئت بالا میں یہود و نصاریٰ کے مُشترکہ دعویٰ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ٥/١٨ کی اصولی

تردید کے بعد اگلی آیت میں پھر بنی اسرائیل کے اُس میثاق کی خبر دی گئی ہے جو اُن سے وادیٔ طور میں لیا گیا تھا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب لیا ہم نے قول تمہارا اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے
الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا
پہاڑ کو پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو زور سے اور یاد کرو جو کچھ بیچ
مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ۶۳
اسکے ہے تو کہ تم بچو۔
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا
پھر پھر گئے تم پیچھے اسکے پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالٰے کا اوپر
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ
تمہارے اور رحمت اس کی البتہ ہو جاتے تم زیان پانے
الْخَاسِرِينَ ۝ ۶۴
والوں سے۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے تم سے پکّا عہد لیا۔ اور (تم اسطرح پہاڑ کی جھکی ہوئی چٹانوں کے نیچے تھے۔ گویا کہ) ہمنے طور کو تمہارے اوپر بلند کر دیا تھا (ہم نے حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں عطا کی ہے، اُسے قوت کیساتھ تھام لو۔ اور جو کچھ اسکے اندر درج ہے، اُسے زندگی کے ہر مقام پر یاد رکھنا (اس کے خلاف عمل نہ کرنا) تاکہ تم زندگی کے خطرات سے بچ جاؤ۔

پھر (تم اسکے بعد) اِس عہد واثق سے پھر گئے۔ پھر اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا (یعنی ہمارے رسول موسیٰ و ہارون اور ہمارا نازل کردہ ضابطہ تمہارے درمیان نہ ہوتا) تو تم ضرور گھاٹا کھانیوالوں میں سے ہو جاتے۔

فَوْقَكُمُ الطُّورَ

پہاڑی سیّاحوں سے پوشیدہ نہیں کہ پہاڑوں کی بعض چٹانیں چھت کی مانند آگے کو نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اِس آیت میں ایسی ہی حالت کو رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ کہا گیا ہے لیکن روایتی تفاسیر نے پورے طور کو سینکڑوں میل گہری جڑوں سمیت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر کھڑا کر دیا ہوا ہے تفسیر نعیمی صفحہ ۲۹۵ پر بحوالہ تفسیر کبیر لکھا ہے:۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اُن (بنی اسرائیل) کو کتاب لاکر دی، یہ آزاد لوگ اسکی پابندیاں، اور سخت احکام دیکھ کر گھبرا گئے۔ تب اُن پر طور پہاڑ اُکھڑ کر مثل شامیانہ کے کھڑا کر دیا گیا۔ روایت میں آتا ہے حضرت جبریل بحکم الٰہی، اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھیڑ کر اور پروں پر اُٹھا کر لائے۔ اور قدِ آدم فاصلہ سے بنی اسرائیل کے سر پر کھڑا کر دیا۔ بنی اسرائیل چار فرسخ (کوس) میدان میں پھیلے ہوئے تھے پہاڑ بھی اتنا لمبا چوڑا کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ نہ قرآنی اصولِ ہدایت لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ، ایسے جبری نظریات کا حامل ہے۔ کہ سروں پر پہاڑ اُٹھا کر منوایا جائے۔ اور نہ قرآن فہمی کے قرآنی اصول ایسی تفاسیر کے حامل ہیں۔

یوم سبت کی بغاوت

(اِس سے اگلی آیت میں دَورِ رسالت کے بنی اسرائیل کیساتھ خطاب قائم رکھتے ہوئے، انہیں اُن کے اسلاف کا وہ گروہ یاد دلایا جا رہا ہے، جس نے یوم سبت (ہفتہ وار اجتماع) کے حکم سے بغاوت کر کے اپنے آپ کو خود ہی بندروں کے مقام پر پہنچا دیا تھا۔ یاد رہے کہ نوعِ آدم کو صاحبِ فہم فراست پیدا کیا گیا ہے۔ مقامِ آدمیّت یہ ہے کہ اجتماعی نظام کے جملہ احکام کی تعمیل برضا و رغبت کیجائے اسکے برعکس گلے میں اربابِ اقتدار کی رسّی ڈلوا کر اُن کے اشاروں پر ناچتے رہنا

بندروں کا کام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۶۵

اور البتہ تحقیق جانتے تھے تم اُن لوگوں کو کہ حد سے نکل گئے تم میں سے بیچ ہفتے کے پس کہا ہم نے انکو ہو جاؤ تم بندر ذلیل

اور بالتحقیق تم اُن لوگوں کو جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے اجتماعی نظام کے ہفتہ وار اجتماع میں حاضر ہونے کی نافرمانی کی $\frac{4}{154}$، $\frac{7}{163}$، $\frac{16}{124}$۔ پھر ہم نے انہیں (اپنے غیر متبدّل قانون کی بناء سے) کہا کہ (اجتماعی نظام کی مخالفت کی بدولت) بندر ہو جاؤ (یعنی بندروں جیسے ذلیل ہو جاؤ) $\frac{5}{60}$، $\frac{7}{166}$۔

● آیتِ بالا میں اجتماعی نظام کی بغاوت کی سزا بتائی گئی ہے ایسی بدترین ذلّت، کہ جسطرح بندر کا کوئی ذاتی مقام نہیں ہوتا اسکی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ اُسکی رسّی بندر والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ اُسکے پیچھے پیچھے بھاگنے کیلئے مجبور ہوتا ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے، اسے کھونٹے کیساتھ باندھ دیتا ہے۔ اور جہاں چاہتا ہے، نچانا شروع کر دیتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا بتایا گیا ہے، وہ اجتماعی نظام کی حدُود کو توڑکر بالآخر اس مقام پہنچ گئے، کہ مقتدر اقوام کی رسّی اُن کے گلے میں ہے اور بندر کیطرح اُن کے پیچھے پیچھے چلنے اور بھاگنے کیلئے مجبور ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں، اُنہیں کھونٹے کیساتھ باندھ دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں نچانا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ بنی اسرائیل کے یہ حالات اور اقوام عالم کے عروج و زوال کے اصول، محض ظرافتِ طبع کیلئے قِصّہ خوانی کے انداز سے بیان نہیں کئے جا رہے، بلکہ بتانا یہ مقصُود ہے کہ، اُن کی یہ حالت قسمت و تقدیر کے تراشیدہ نظریہ کے مطابق نہیں ہوئی، بلکہ یہ اُن کی اپنی نافرمانیوں کی سزا ہے۔ اور جو قومیں اِس ذلّت سے بچنا چاہتی ہیں اُن کیلئے وہ ایک چلتا پھرتا درسِ عبرت ہیں:۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۶۶

پس کیا ہم نے اس قِصّہ کو عبرت واسطے اُن کے جو آگے اُن کے تھے اور جو پیچھے اُن کے تھے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے۔

پس ہم نے اُن کی مذکورہ حالت کو اُنکے زمانہ کے لوگوں کیلئے، اُنکے بعد والوں کیلئے، اور متقین کیلئے (یعنی جو اِس ذلّت سے بچنے کے متمنّی ہیں) درسِ عبرت و موعظت قرار دیا ہے۔

معبُود بنائے ہوئے بچھڑے کو ذبح کردو

پیچھے $\frac{2}{51}$ میں گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی۔ یاد رہے کہ پُوجا خواہ کسی کی ہو، اور خواہ کسی بھی انداز، یا طور طریقے کی حامل ہو۔ اُس میں بنیادی عقیدہ یہ کارفرما ہوتا ہے کہ اُسے حاجت روا اور مشکلکشا مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اس چیز کا عملی ثبوت منظرِ عام پر لانے کیلئے، کہ تمہارا ٹھہرایا ہُوا حاجت روا اور مشکلکشا یعنی ناچیز بچھڑا جب اپنے گلے کو چھُری سے نہیں بچا سکتا تو تمہاری دستگیری اور مشکلکشائی کیا کر سکیگا، اِسلئے اُسے ذبح کرنیکا حکم نافذ فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے کہ تحقیق اللہ
یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا
حکم کرتا ہے تم کو یہ کہ ذبح کرو ایک بیل کہا انہوں نے کیا پکڑتا
هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝
ہے تو ہم کو ٹھٹھا کہا پناہ پکڑتا ہوں ساتھ اللہ کے یہ کہ نہ ہو جاؤں میں جاہلوں سے۔
۶۷

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا (بقرہ) بچھڑے کو ذبح کر ڈالو۔ انہوں نے کہا کیا تو ہم سے تمسخر کرتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ کہ (اسکے ذمہ غلط حکم) لگاکر جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

● اِس آیت میں بقرہ کا لفظ غور طلب ہے۔ جس کا معنی عامۃ المفسرین نے گائے لیکر یہ تاثر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی ایک گائے ذبح کر ڈالو۔ کیوں؟ اِسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے "تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نوع کسطرح معبود ہوسکتی ہے جو اپنے آپ کو چھری سے نہیں بچا سکتی۔ یہ جواب یہاں اِسلئے فٹ نہیں آتا۔ کہ، کسی ایک گائے کے ذبح کا حکم اخذ کرنیوالے کسی گائے کے بچھڑے کو سامری کا معبود نہیں ٹھہراتے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اُس نے قوم سے زیورات لیکر سونے چاندی کا بچھڑا بنایا اور اُسے اندر سے خالی رکھا تھا۔ جناب جبریل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی اُسکے اندر ڈالی تو اسکی برکت سے وہ بچھڑے کی سی آواز نکالنے لگ گیا تھا۔ (ان امور کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آئیگی) افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر میں اتنی سی فراست بھی موجود نہیں، کہ پہلے تو حضرت جبریل کو پروں والا فرشتہ ٹھہراتی ہیں۔ اور پھر انہیں گھوڑی پر سوار کرتی ہیں کیا کسی پروں والے کو سفر کیلئے چار پائے کی ضرورت ہوتی ہے؟ یا للعجب)

● حقیقت یہ ہے کہ، یہ گائے کا نوجوان بچھڑا تھا۔ سامری نے قوم کے زیورات کیساتھ اُسے سنگھارا ہُوا تھا۔ گئوسالہ پرستی، دُنیا کے مختلف حِصّوں میں آجتک موجود ہے۔ یہاں جس چیز سے دھوکا لگتا ہے، وہ ہیں العجل اور بقرۃ کے الگ الگ الفاظ۔ سمجھا یہ گیا ہے، کہ العجل تو دھاتوں کا ڈھالا ہُوا بچھڑا، سامری نے جس کی پوجا شروع کرادی تھی۔ اور یہ اُس العجل سے الگ ہے بقرۃ، جس کے ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے، ایک مُردے کو زندہ کرنے کیلئے دیا تھا۔ (وضاحت آگے آرہی ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بقرہ وہی العجل ہے جسے بنی اسرائیل نے حاجت روا اور مشکلکشا ٹھہرالیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ذبح کردینے کا حکم دیدیا ہے۔ کہ دیکھ لو تمہارا مشکلکشا تو اپنے آپ کو بھی چھری سے نہیں بچا سکتا تمہاری مشکلیں کیا آسان کریگا۔ یاد رہے کہ یہاں بقرۃٌ کی تنوین بدل الاضافت، عوض مضاف ہے اور تقدیر کلام ہے:۔ اَنْ تَذْبَحُوْا عِجْلَ بَقَرَةٍ اور یہ وہی عجل ہے جس کا ذکر ۲/۵۱ میں گزر چکا ہے۔ فلہٰذا اُسی بچھڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسے بنی اسرائیل نے معبود ٹھہرالیا تھا۔ آپ دیکھیے کہ اگلی آیات کریمات خود فیصلہ کر دینگی کہ جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ معبود ٹھہرایا ہُوا بچھڑا ہی تھا۔ کوئی عام گائے نہیں تھی اُسکا بے داغ زرد گہرا رنگ تھا اور اِس چیز کے پیشِ نظر کہ وہ اُن کا معبود تھا، اُسے مقدس

مان کر، اُس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ نہ اُسے ہل میں جوتا جاتا تھا نہ کنوئیں میں۔ اب غور فرمائیں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ واقعتہً خدا تعالیٰ نے لبقرہ کو ذبح کرنیکا حکم دیا ہے۔ تو قوم نے کہا۔ — (نوٹ) ان آیتوں میں ھِیَ اور ھا مونث کی ضمیریں ماقبل مذکور لفظ بَقَرَۃً کی رعائت سے آرہی ہیں کیونکہ ضمیر عموماً اسم ظاہر کی آیا کرتی ہے۔ اسلئے واضح رہے کہ ترجمہ میں حقیقت کے مطابق مذکر الفاظ لائے جارہے ہیں :-

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ط

کہا انہوں نے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا

بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے وہ بیل، کہا تحقیق

بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ○

وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہیں بوڑھا اور نہ بچہ جوان ہے درمیان میں اُسکے پس کرو جو کچھ حکم کئے جاتے ہو۔ ۶۸

قوم نے کہا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ وہ کیسا ہے۔ آپنے فرمایا، بیشک وہ کہتا ہے کہ وہ (گائے کا) بچھڑا نہ بوڑھا ہے نہ بچہ، درمیانہ عمر کا نوجوان ہے۔ پس کرو جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ے بقرہ کا لفظ گائے اور بیل دونوں کیلئے آتا ہے یہاں بتا دیا گیا ہے کہ وہ نوجوان تھا۔ نہ بوڑھا نہ بچہ۔ اسی کو ۲/۵۱ میں العجل کہا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ

کہا انہوں نے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے

إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ لا فَاقِعٌ

بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے رنگ اسکا کہا تحقیق وہ

لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ○ ۶۹

کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے زرد گہرا ہے رنگ اسکا۔ خوش کرتا ہے دیکھنے والوں کو۔

قوم نے پھر کہا کہ اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ اُسکا رنگ کیا ہے۔ آپنے فرمایا، بیشک وہ کہتا ہے کہ اُسکا گہرا زرد رنگ ہے۔ دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے (یعنی اُسے دیکھنے والے، دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسا خوبصورت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرنے پائے)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ

کہا انہوں نے دعا کر تو واسطے ہمارے پروردگار اپنے

الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ

سے بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے وہ بیل تحقیق وہ بیل

لَمُهْتَدُونَ ○ ۷۰

ل گیا ہے اوپر ہمارے اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے البتہ راہ پانیوالے ہیں۔

قوم نے پھر کہا کہ آپ اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ وہ کیسا ہے۔ بلاشبہ وہ (گائے کا بچھڑا) ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ (آپ پورے پورے نشانات بتائیے) تو اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پانیوالے ہو جائینگے۔

● اس آیت کے آخری الفاظ میں بچھڑے کے ذبح کرنے کو ہدایت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ بھی اسی امر کی دلیل ہیں کہ یہ وہی بچھڑا تھا جس کی بدولت وہ گمراہ ہو گئے تھے۔ کوئی عام گائے نہیں تھی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ
کہا تحقیق وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہ جوتا ہوا کہ

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ
پھاڑے زمین کو اور نہ پانی پلاتا کھیتی کو تندرست ہے نہیں

لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
ہے داغ بیچ اسکے کہا انہوں نے اب لایا تو سچ پس ذبح کیا

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۷۱
انہوں نے اسکو اور نہ نزدیک تھے کہ کریں۔

آپ نے فرمایا، بلاشبہ وہ کہتا ہے کہ بیشک وہ ایک گائے (کا بچھڑا) ہے (جس سے نہ زمین پھاڑنے (یعنی ہل چلانے) کا کام لیا جاتا ہے۔ اور نہ کھیتوں کی آبپاشی (یعنی کنوئیں میں جوتنے) کا۔ وہ ہر طرح سے صحیح سالم اور بے داغ ہے۔ اس پر قوم نے کہا کہ اب آپ حق پر پہنچ گئے ہیں (یعنی اب آپنے اُسکے جملہ نشانات ٹھیک ٹھیک بتا دیئے ہیں)، پس انہوں نے اُسے ذبح کر دیا۔ حالانکہ وہ ایسا کرنیوالے نہیں تھے۔

یہ پورے نشانات اُسی سانڈھ دیوتا کے ہیں جسے معبود ٹھہرالیا گیا تھا

بنی اسرائیل نے اپنے دیوتا کے نشانات بتدریج دریافت کیے۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے سب کے سب نشانات بتا دیئے تو انہوں نے کہا۔ اَلْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ یہ الفاظ اس امر کی دلیلِ جلیل ہیں کہ، جس العجل کو بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰؑ سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ یکے بعد دیگرے اُسی کے نشانات پوچھے گئے جب خدا تعالیٰ کیطرف سے سب نشان ٹھیک ٹھیک بتا دیئے گئے تو بنی اسرائیل نے خود اقرار کیا کہ اب آپنے پورے پورے نشانات بتا دیئے ہیں۔ غور فرمائیگا! کہ، زیورات سے سنگھارنا، اور اُسے ہل اور کنوئیں وغیرہ کی مشقت سے آزاد رکھنا، یہ سب کچھ خود ٹھہرائے ہوئے معبود کے نشانات ہیں، کسی عام گائے کے نہیں۔ اگر یہاں کوئی عام گائے مراد ہوتی تو اُسکے نشانات پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کی خبر دیگئی ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ لیکن چونکہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اسلئے قاتلوں ہی نے دوسرے بے گناہوں پر قتل کا الزام دھرنا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں کہ جب موقعہ کا کوئی گواہ موجود نہ ہو، تو وقوعہ کا صحیح سراغ لگانے کے لئے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے ذریعہ ایک کامیاب ترکیب کی وضاحت فرمائی ہے۔ جس سے قاتل کا سو فیصدی صحیح سُراغ مل جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ
اور جب مار ڈالا تم نے ایک جان کو پس اختلاف کیا تم نے

اور جب تم نے ایک نفس، (ایک) شخص کو قتل کر دیا، پھر تم اُس کے بارہ میں ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ۷۲

بیچ اسکے اور اللہ نکالنے والا ہے جو تھے تم چھپاتے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ

پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ بعضے ایک ٹکڑے اسکے

اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۷۳

کے اسیطرح اللہ زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں اپنی تو کہ تم سمجھو۔

اللہ تعالیٰ اس راز کو نکالنے والا تھا، جسے تم چھپائے ہوئے تھے۔

پس ہم نے موسیٰ کے ذریعہ کہا کہ واقعۂ قتل کے الگ الگ حصّوں کو موسیٰ کے سامنے بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح چھپے رازوں کو ظاہر کرتا ہے ــــ (مقتولوں کے قصاص 2/179 کے ذریعہ انہیں زندہ کرتا ہے) اور تمہیں اپنی آئتیں (احکام) سمجھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ان الفاظ میں ضرب کا معنیٰ مارنا نہیں، بلکہ بیان کرنا ہے۔ اور اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا معنیٰ ہے بیان کرو حضرت موسیٰ کے سامنے واقعۂ قتل کے الگ الگ حصّے جو تم الگ الگ جانتے ہو تاکہ قاتل عیاں ہو جائے اور اُس سے قصاص لیا جائے ۔۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ 2/179 = اے عقلمندو! قصاص ہی میں تو تمہاری زندگی ہے

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى یہاں یہ جملہ بطور مجاز آیا ہے۔ کیونکہ مُردے صرف قیامت کو زندہ کئے جائینگے ۔۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ 23/16۔ یہاں اُس حقیقتِ واقعہ کو زندہ کرنے کی خبر دیگئی ہے، جو موقعہ کے گواہ میسّر نہ آنے کی بدولت مُردہ ہو چکی تھی۔ گُم ہو چکی تھی۔

چنانچہ آئتِ بالا میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ سلام علیہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے اپنے ہی ایک شخص کو نہایت رازداری کیساتھ قتل کر دیا۔ چونکہ اتفاق ایسا ہوا کہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اِسلئے قاتلوں کا صحیح سراغ لگانا مشکل ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ بستی کے جملہ افراد کو حکم دیا کہ وقوعۂ قتل سے متعلق جو جو حالات الگ الگ افراد، اپنی اپنی معلومات کے مطابق مہیا کر سکتے ہیں حضرت موسیٰ سلام علیہ کے سامنے بیان کریں :۔ اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا 2/73 اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الگ الگ بیانات کی مختلف کڑیوں کو باہم ملانے سے قاتل عیاں ہو گئے، اور حقیقتِ واقعہ بے نقاب ہو گئی :۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ 2/72۔

● مختلف افراد کے بیانات کی مثال یہ ہے کہ، مثلاً ایک شخص نے بیان دیا کہ وقوعۂ قتل سے چند منٹ پیشتر میں نے زید اور بکر کو جائے وقوعہ کیطرف رازدارانہ انداز کیساتھ جاتے دیکھا تھا۔ دوسرے نے بتایا کہ میں نے وقوعہ کے چند منٹ بعد زید اور بکر کو جائے وقوعہ سے اسطرح واپس آتے ہوئے دیکھا کہ ان سے خوف آ رہا تھا۔ تیسرے نے کہا کہ میں نے کل زید کو خنجر تیز کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ چوتھے نے کہا کہ میں نے کل زید اور بکر کو مقتول کیساتھ جھگڑتے ہوئے اور یہ دھمکی دیتے ہوئے پایا تھا کہ عنقریب تیرا قصّہ پاک ہوا چاہتا ہے۔ تو اسطرح اِن مختلف بیانات کو، جو اگرچہ موقعہ کے گواہوں کے نہیں ہیں، یکجا کرنے سے یہ چیز نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ زید اور بکر دونوں قاتل ہیں ــــ یہ تو ہوئی آئتِ بالا 2/73 کی وُہ تفسیر، جو قیامت تک کی نوعِ

انسانی کی رہنمائی کرتی ہے کہ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ نہیں وارداتِ قتل، یا اور مختلف قسم کے وقوعہ جات کے عینی گواہ میسر نہ آئیں تو باقی افراد وقوعہ کے متعلق جو الگ الگ معلومات رکھتے ہوں، قاضی کے سامنے بیان کریں۔ اور وہ اُن بیانوں کی مختلف کڑیوں کو ملاکر مجرم کا سراغ لگا لیا کرے۔ لیکن روایتی تفاسیر لے اس آیت کیساتھ ایک انتہائی عقل دشمن افسانہ چسپاں کر رکھا ہے، حالانکہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ ہیں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

روایتی تفسیر تفسیر نعیمی، ثنائی، اشرفی، عزیزی، موضح القرآن اور ابن کثیر وغیرہ سب میں اس آیت کی یہ تفسیر درج ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اور اس جرم کو ایک دوسرے کے سر تھوپنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذبح گائے کے ٹکڑے مقتول کے جسم پر مارو، یہ اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اِسطرح مقتول زندہ ہو گیا۔ اور اُس نے خود بتا دیا کہ میرا قاتل فلاں شخص ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تفسیر آیت مجیدہ کے آخری جملہ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ کسی قاتل کی تلاش کیلئے گائے ذبح کر کے اُسکے ٹکڑوں کو اُٹھا اُٹھا کر مقتول کے جسم پر مارنا عقل کا کام نہیں اور نہ اسے قاتل کی تلاش کا مجرب نسخہ بتا کر غیر مسلم اقوام کے سامنے پیش ہی کیا جا سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کے قلوب بالآخر سخت ہو گئے اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کیطرف خطاب قائم رکھتے ہوئے، اُنکی آخری حالت کی خبر دیگئی ہے:-

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر سخت ہو گئے دل تمہارے پیچھے اسکے پس وہ مانند پتھروں

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

کے ہیں یا زیادہ سختی میں اور تحقیق بعضے پتھروں میں سے وہ ہے

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ

کہ پھوٹ نکلتی ہیں اس میں سے نہریں اور تحقیق بعض اُن میں سے وہ

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ

ہے کہ پھٹ جاتا ہے پس نکلتا ہے اُس میں سے پانی اور تحقیق بعض

خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴

میں سے البتہ وہ ہے کہ گر پڑتا ہے خوف اللہ کے سے اور نہیں اللہ بے خبر اس چیز سے کہ کرتے ہو

پھر (اِسطرح بار بار کی نافرمانیوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ) اسکے بعد تمہارے قلوب (انسانیت کیطرف سے) سخت ہو گئے، گویا کہ وہ پتھر کی مانند ہیں۔ یا اُس سے بھی زیادہ سخت، حالانکہ بعض پتھر ایسا ہے اُس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں! اور بعض ایسا ہے۔ کہ وہ (ہمارے طبعی قوانین کے مطابق) پھٹ جاتا ہے۔ اور اُس سے پانی (کا چشمہ) بہہ نکلتا ہے! اور اُن میں سے بعض ایسا ہے کہ (ہمارے طبعی قوانین کے مطابق اپنی جگہ بدل دیتا ہے۔ (یعنی سختی چھوڑ کر نرم ہو جاتا ہے کہ وہ پیسا جا سکتا اور انسانیت کے کام آتا ہے) لیکن تم ہو کہ انسانیت کے قُرب میں پسیجتے تک نہیں، لیکن یاد رکھو کہ) تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُس سے غافل نہیں (تمہاری ہر نافرمانی کی سزا باقاعدہ مرتب ہوتی چلی جا رہی ہے)

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۲-۱ خشیت کا سہ حرفی مادہ خ-ش-ی ہے۔ اسکا بنیادی معنیٰ ہے، خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کی مخالفت کے انجام سے کانپ جانا۔ نوعِ انسانی کیلئے دو قسم کے قوانین ہیں۔ طبعی اور شرعی،

شرعی یا تکلیفی قوانین ہیں، اسے اختیار دارادہ دیا گیا ہے، خواہ وہ فرمان پذیر ہو جائے۔ خواہ نافرمان۔ لیکن طبعی قوانین میں یہ اُسیطرح مجبور محض ہے جسطرح باقی کی پوری کائنات۔ نہ وہ طبعی قوانین کی مخالفت کر سکتی ہے نہ یہ۔ آئت بالا میں پتھروں کے طبعی قوانین بیان ہوئے ہیں کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن کے پیچھے پانی کا عظیم ذخیرہ جمع ہوتا ہے اور انکے شگافوں میں سے نہریں اور دریا بہہ نکلتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اُن میں پھٹ جانے کی خاصیت موجود ہوتی ہے۔ پھٹ جانیوالے پتھروں کے درمیان مخالف رنگ کی دراڑیں سی موجود ہوتی ہیں، جو پھٹ جاتی ہیں۔ اور اُن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ اور اسیطرح بعض ایسے ہیں کہ طبعی قوانین کے مطابق بتدریج سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہے اُنکا ہبوط من خشیۃ اللہ، یعنی اپنی جگہ بدل دینا۔ اُوپر سے نیچے کو آجانا۔ سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کر لینا۔ اسطرح وہ آسانی کیساتھ پیسے جا سکتے ہیں، اور سیمنٹ وغیرہ کی صورت میں نوعِ انسانی کی خدمت کرتے ہیں۔ اسطرح قرآنی لغت کی رُو سے خشیت کے عمل میں خدمتِ انسانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

● **ھبط** کا سہ حرفی مادہ ہے ھ۔ ب۔ ط جس کا بنیادی معنی ہے جگہ بدلکر اُوپر سے نیچے کو آنا کسی جگہ سے نکل جانا وغیرہ۔

اب رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ جسطرح انسان باقی کائنات سمیت اللہ تعالیٰ کے طبعی قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے اُسیطرح، اُسکے اُن شرعی، تکلیفی قوانین کی، برضا و رغبت اطاعت کرے، جن کی طاعت و مخالفت میں اسے مختار بنا دیا گیا ہے۔

مومنین زمانہ رسالت سے خطاب آیاتِ بالا میں قوم بنی اسرائیل کے بزرگوں کی گوناگوں نافرمانیوں، اور انجام کار پتھروں سے بھی، اسطرح سخت ہو جانے کی خبر دینے کے بعد کہ اُن سے تو، پھٹ جانے، نرم ہو جانے اور مقام بدل دینے کی امید ہو سکتی ہے لیکن بنی اسرائیل سے کوئی امید باقی نہیں۔ اگلی آئت میں مومنینِ دورِ رسالت سے کہا جا رہا ہے کہ ان کی اس کیفیت کے باوجود کیا تم اس چیز کا طمع کرتے ہو کہ یہ ایمان لے آئیں:۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ

کیا پس طمع رکھتے ہو تم یہ کہ ایمان لاویں واسطے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ

تمہارے اور تحقیق تھا ایک فرقہ اُن میں سے سنتا کلام اللہ کا پھر

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

بدل ڈالتے تھے اُسکو پیچھے اُس سے کہ سمجھ لیا تھا اسکو اور وہ جانتے تھے

پھر کیا تم طمع کرتے ہو کہ یہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری خاطر سے ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لے آئیں۔ حالانکہ اُن میں (علماء کا) ایک گروہ موجود ہے، جو اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، پھر اُسے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اُس میں تحریف کرتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ وہ تحریف کر رہے ہیں۔ اور قوم علماء کے پیچھے لگتی ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ

اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں سے کہ ایمان لائے کہتے

اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

ہیں ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوتے ہیں بعضے اُن کے

اور اُن کی حالت یہ ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب ایک دوسرے کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں، تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں، کیا تم مومنوں سے (اپنی کتاب کی راز کی) ایسی باتیں کہتے ہو،

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ
طرف بتھنے کے کہتے ہیں کیا کہہ دیتے ہو تم اُن سے جو کھولا اللہ تعالیٰ نے
رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ۷۶
اوپر تمہارے تو کہ جھگڑیں تم سے ساتھ اسکے نزدیک رب تمہارے
کے کیا پس نہیں سمجھتے۔

جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولے ہیں، تاکہ وہ اُسکے ساتھ تمہارے پروردگار کے حضور میں تم سے جھگڑا کریں۔ تم مومنوں کو (اُن کی تائید کرنیوالی) باتیں بتا کر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔

اہل کتاب کا مومن گروہ یہ تو ہوئے بنی اسرائیل کے علماءِ سُوء۔ اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے علماءِ حسن کے ایک گروہ کی خبر ۳/۱۱۳، ۵/۸۴ اور ۲۸/۵۲ میں دیگئی ہے۔ جو قرآن سنتے ہی مومن ہو گئے تھے۔ ۱۔ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ ۳/۱۱۳ = وہ سب برابر نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں ایک گروہ دین پر قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور آسکے حضور سجدے (صلوٰۃ) بجالاتے ہیں۔ یہ علماءِ حسن کا گروہ نجاشی کے متعلق خبر دیگئی ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۵/۸۴ = اور جب وہ اُس کتاب قرآن کو سنتے ہیں، جو رسول کیطرف نازل ہوئی ہے۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس پر ایمان لائے۔ پس تو ہمیں اسکے گواہوں میں لکھ لے۔ انہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۶/۲ = جن لوگوں کو کتاب دیگئی ہے (اُن میں سے وہ ہیں جو) قرآن کو اسطرح پہچانتے ہیں، جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔۔۔ انہی کے متعلق مزید ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ ۲۸/۵۲-۵۳ = جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب دیگئی ہے۔ وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جس وقت اُن پر یہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔۔۔ اِن کے سوا دورِ رسالت کے نافرمان بنی اسرائیل کے متعلق اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
کیا نہیں جانتے یہ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○ ۷۷
اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

کیا یہ نافرمان بنی اسرائیل نہیں جانتے (یعنی انہیں جان لینا چاہیئے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو بھی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور اُسے بھی جانتا ہے جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (لہٰذا انکے اعمال اور اُن کی مخفی نیتوں کیمطابق انکے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا)

● آئت ۷۵ میں بنی اسرائیل کے علماء کے متعلق وضاحت کیگئی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کی تحریف کرکے اسکے مفہوم کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اگلی آئت میں بنی اسرائیل کے غیر عالموں یعنی جاہلوں کی وضاحت کی گئی ہے جو کتاب کے علم سے تو بالکل کورے ہیں۔ لیکن وہ اپنے ذہنوں میں صرف وہ باطل آرزوئیں لئے ہوئے ہیں جو انہیں انکے علماء نے بندھائی ہوئی ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَٰبَ
اور بعضے ان میں سے ان پڑھے ہیں نہیں جانتے کتاب
إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ ٧٨
کو مگر آرزوئیں اور نہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں۔

اور ان (اہل کتاب) میں سے جو جاہل ہیں وہ کتاب (کے مفہوم) کو نہیں جانتے، سوائے (علماء کی طرف سے روایاتِ باطلہ کی دی ہوئی) غلط امیدوں کے حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف جھوٹے گمان کرتے ہیں۔

علماء بنی اسرائیل کیطرف سے عوام کو بندھائی ہوئی غلط آرزوئیں

علماء بنی اسرائیل نے عوام کو اُخروی نجات کی بڑی بڑی اُمیدیں بندھا رکھی ہیں، سورہ مائدہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔
نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا اللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُ ۥ ۵/۱۸ = ہم اللہ کے بیٹے اور اُسکے محبوب ہیں۔
۲/۸۰ میں بنی اسرائیل کے متعلق مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہماری نجات یقیناً ہو جائیگی۔ اگر ہمیں ہمارے گناہوں کے بدلے جہنم داخل کیا بھی گیا تو ہمیں آگ صرف چند دن کیلئے ہی مس کریگی۔
وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۲/۸۰ = بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہمیں صرف چند دن کیلئے آگ مس کریگی اسکے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُۥٓ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۲/۸۰ = اے رسول! آپ ان سے پوچھئیگا کہ کیا تم نے اِسکے متعلق اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے۔ پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کریگا۔ یا اُسکے ذمہ وہ لگاتے ہو، جسے تم جانتے ہی نہیں۔ علماء کی طرف سے ایسے ایسے افترٰی علی اللہ ہر دور میں صرف عوام کو سبز باغ دکھا کر اُن سے مال حاصل کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں۔ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ النَّاسِ بِالْبَٰطِلِ ۹/۳۴۔

اُمّی کی لغوی تحقیق

اُمّی کا معنی جاہل بھی ہے، جیسے کہ اوپر علماء بنی اسرائیل کے مقابلے پر اُمّی بنی اسرائیل آیا ہے لیکن اِسکا معنی مکّہ کے رہنے والے بھی ہے ــــــــ اُمّی کا سہ حرفی مادہ ہے: ا۔ م۔ م۔ اُمّ ماں کو کہتے ہیں۔ بچّہ جب باتیں کرنے لگتا ہے تو پہلے اُمّ اُمّ کہتا ہے۔ اِس طرح عربی زبان میں ماں کے لئے اُمّ کا لفظ رائج ہوگیا۔ اور اِس کے بعد ماں کی مختلف کیفیتوں کی مناسبت کے لحاظ سے، عربوں کے ہاں لفظ اُمّ کے کئی معنے متعین ہو گئے ہیں۔

۱۔ **اصل و بنیاد**۔ ماں چونکہ بچے کی اصل و بنیاد ہے۔ اسلئے کسی چیز کے اصل کیلئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہونے لگا اور بنیاد کیلئے بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ۳/۷ = اِس قرآن میں سے کچھ آیتیں محکمات ہیں وہی اصل کتاب ہیں۔

۲۔ **مسکن اور ٹھکانہ**۔ ماں کی گود چونکہ بچے کا مسکن اور ٹھکانہ ہوتا ہے۔ اسلئے رہنے کی جگہ کو بھی اُمّ کہتے ہیں۔

۳۔ **جماعت یا گروہ**۔ لفظ اُمّ پر تائے تانیث بھی آتی ہے "اُمَّةٌ"۔ اِسطرح عربی قواعد کے مطابق، چونکہ، جمع مذکر کے لئے واحد مؤنث کا صیغہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے جماعت یا گروہ کو بھی اُمّت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرات انبیاء سلام علیہم کے لئے آیا ہے کہ وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی:۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۲/۱۴۱

۴۔ **سردار**۔ اُمّ یعنی ماں چونکہ اولاد کی سردار ہوتی ہے۔ اسلئے عربوں کے ہاں سرداری اور فضیلت کیلئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قوم کے سردار کو اُمّ القوم کہتے ہیں۔ اعضاء جسمانی میں سر اور سر میں دماغ افضل ہے۔ اسلئے دماغ کو اُمّ الرّاس کہا جاتا ہے۔ اسیطرح عربوں کے ہاں کہکشاں کو اُمّ النجوم، ستاروں کی سردار، اور قرآن کریم کو "اُمّ الکتاب" یعنی کتابوں کی سردار کہا جاتا ہے۔

۵۔ **اَن پڑھ**۔ اُمّ کا معنی عربوں کے ہاں ماں کی گود بھی لیا جاتا ہے۔ اور اسطرح بچہ چونکہ جب ماں کی گود میں ہوتا ہے تو لکھنا پڑھنا مطلقاً نہیں جانتا۔ لہذا اَن پڑھ کو، اسلئے اُمّی، یعنی ماں کی گود والا کہتے ہیں، کہ پڑھنے لکھنے کی رُو سے وہ بالکل اُسی طرح کورا ہوتا ہے۔ جسطرح ماں کی گود میں تھا۔

۶۔ **مرکزی مقام**۔ کوئی دایہ یا ملازمہ، بچے کو کھلونوں بہلاتی رہے۔ کھلاتی پلاتی رہے لیکن بچہ ہمیشہ ماں کیطرف ہی لپکتا ہے۔ اِسیطرح جب وہ ماں کی گود سے نکل کر، یعنی شیر خوارگی کے بعد، کھلونوں اور گھروندوں کیساتھ کھیلنا شروع کرتا ہے تو کھیل میں گھنٹوں مصروف رہنے کے باوجود اُسکا مرجع اور مرکز ماں ہی ہوتی ہے، کھیلتے کھیلتے جھٹ بھاگ آتا، اور ماں کی گود میں آ گھستا ہے۔ اِسیطرح ماں کے متعدد چھوٹے چھوٹے بچوں کا واحد مرجع و مرکز ماں ہوتی ہے۔ اِسلئے اِس نسبت سے کہ، ماں کو اپنے بچوں کی مرکزیت حاصل ہے۔ اُمّ کا معنی مرکز و مرجع بھی لیا جاتا ہے۔ اور اسطرح مکہ معظمہ کو اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۳/۹۶ = جو پوری انسانیت کی رہنمائی کیلئے وضع کیا گیا تھا۔ وہ اوّلین مبارک گھر مکہ معظمہ میں ہے کے مطابق چونکہ خدا تعالیٰ نے، روزِ آفرینش ہی سے اسے مرکزیتِ عالم کا شرفِ عظیم عطا فرمایا ہے، اسلئے مکہ کو اُمّ القُریٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۴۲/۷ = اور اسیطرح ہم نے آپکی طرف قرآن کریم کو شستہ عربی زبان میں وحی فرمایا ہے: تاکہ آپ مکہ والوں اور اسکے اردگرد والوں کو اُنکے فرائض منصبی سے آگاہ کریں۔ فلہذا قرآنی لغت کی رُو سے اُمّ القُریٰ مکہ معظمہ ہے ــــ اور اُمّ القریٰ کے مخفف اُ کیساتھ یائے نسبتی لگنے سے بنا اُمّی

جس کی جمع ہے اُمیّیُون اور اُمیّین۔ اب یائے نسبتی کی رُو سے اُمّی کا معنی اُمّ القریٰ، مکہ کے رہنے والا، اور اُمیّوں کا معنی مکہ کے رہنے والے یعنی مکہ معظمہ کے باشندے ہے۔ قرآن کریم میں آنحضور سلامٌ علیہ کیلئے بھی "اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ۷/۱۵۷" کا لفظ آیا ہے یعنی مکے والا نبی، آنحضور سلامٌ علیہ کیلئے جہاں جہاں بھی اُمّی کا لفظ آیا ہے۔ اُس سے اَن پڑھ یا جاہل مُراد لینا مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ سُورہ جمعہ میں آپ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا ۶۲/۲ = وہ اللہ ہی ہے جس نے مکّہ والوں میں ایک رسُول مبعوث فرمایا ہے دیکھیے! اِس آیت میں اُمیّین کا معنی اَن پڑھ لیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جس قوم میں آنحضور مبعوث ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب اَن پڑھ نہیں تھے۔

جھوٹی اُمیدیں بندھانے والے اپنے ہاتھوں کیساتھ کتاب لکھ کر اللہ کے ذمّے لگا دیتے ہیں

اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے علماءِ سوء، یعنی خدا تعالیٰ کے ذمّہ لگا کر جھوٹی اُمیدیں دلانیوالوں کے متعلق خصوصًا اور ہر دَور کے بہتان تراشوں کے متعلق عمومًا ارشاد ہُوا ہے:۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ
پس ڈائے ہے واسطے اُن لوگوں کے کہ لکھتے ہیں کتاب ساتھ

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ
ہاتھوں اپنے کے پھر کہتے ہیں یہ نزدیک اللہ تعالیٰ کے سے ہے تو کہ

ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ
مول لیویں بدلے اسکے مول تھوڑا پس ڈائے ہے واسطے اُنکے اُس

وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ ○ ۷۹
چیز سے کہ لکھتے ہیں ہاتھ اپنے سے اور ڈائے ہے اُن کو اُس چیز سے کہ کماتے ہیں۔

تباہی ہے اُن لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں کیساتھ کتاب لکھ لیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے (نازل شدہ) ہے تاکہ وہ اسکے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدیں۔ پھر دوبارہ تباہی ہے اُنکے لئے اُس چیز کے ذریعہ جسے وہ خدا کے ذمہ لگا کر اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ اور تباہی ہے اُن کیلئے بدلے اس کے جو وہ کرتوت کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ
اور کہتے ہیں ہرگز نہ لگے گی ہم کو آگ مگر دن گنتی ہوئے کہہ کیا لیا ہے

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ
تم نے نزدیک اللہ کے قول پس ہرگز نہ خلاف کریگا اللہ عہد اپنے

عَھْدَہٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ۸۰
کو یا کہتے ہو اوپر اللہ تعالیٰ کے جو نہیں جانتے ہو تم۔

اور وہ (ان منسوب اِلی اللہ کتابوں میں خود لکھ کر یہ) کہتے ہیں کہ ہمیں آگ چند دن سے زیادہ مس نہیں کریگی (یعنی اُتنا ہی وقفہ، جتنے عرصے میں کہ ہمارے سفارشی نہیں پہنچتے) اے رسُول! آپ کہہ دیجئیگا! کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے ایسا وعدہ لے رکھا ہے پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کریگا یا تم اللہ کے ذمّہ کچھ لگاتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں۔

● اس سے اگلی آیت میں تصدیق کی گئی ہے کہ تم ایسا ہی کرتے ہو۔

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ
ہاں جو کوئی کمائے برائی اور گھیر لے اسکو خطا اس کی
خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ
پس یہ لوگ رہنے والے آگ کے ہیں وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے
فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲/۸۱
والے ہیں۔
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے یہ لوگ
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ع
ہیں رہنے والے بہشت کے وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ۸۲

ہاں، (تم اللہ کے ذمہ وہی کچھ لگاتے ہو، جسے تم نہیں جانتے جان لو کہ جرموں کی سزا گنے ہوئے دن نہیں بلکہ) جو لوگ بھی برے عمل کرینگے۔ اور (اصلاح کیطرف نہ لوٹینگے، حتیٰ کہ) انکے اعمال اُن کو گھیر لیں۔ (یعنی پورا معاشرہ غلیظ ہو جائے) ایسے لوگ اصحابِ نار ہیں۔ (وہ جہنمی معاشرہ ہے، وہ یہاں بھی جہنم میں ہیں اور اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جہنم میں رہینگے۔

اور جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائینگے، اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کرینگے، وہ اہلِ جنت ہونگے۔ (دنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب) اور اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہونگے۔

ع ۹/۱۱

خود لکھکر اللہ کے ذمہ لگانا موجبِ نار ہے

آیاتِ بالا میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ سب ارشاداتِ خداوندی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ مرض صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس نے مسلمانوں کو بھی گھیر رکھا ہے۔ اعلانِ خداوندی ہے کہ ہم نے نبی پر قرآن کے سوا اور کوئی چیز نازل نہیں کی۔ ہم نے اپنے رسول کو قرآن کے سوا کسی اور چیز کی تعلیم دی ہی نہیں۔ وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۳۶/۶۹ = اور ہم نے رسول کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ وہ اُسکے شایانِ شان ہے۔ ہماری تعلیم صرف اور صرف ہمارا نصیحت نامہ یعنی بیان کرنیوالا قرآن ہے۔ اب غور فرمائیگا، کہ اس آیت میں مَا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے۔ پس نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ ہم نے آنحضور کو قرآن کے سوا، اور کسی چیز کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی اسکے سوا کچھ نازل نہیں کیا۔

نیز فرمایا۔ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۱۲/۳ = ہم نے آپکی طرف یہ قرآن نازل کیا ہے۔

اور آنحضور سلام علیہ سے اعلانِ عام کروا دیا ہے۔ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹ = اور اے رسول! اعلان کر دیجئیگا کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تاکہ میں اسی کیساتھ تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں اور جس تک یہ پہنچے، وہ بھی اسی کیساتھ انذار کرے۔ اب مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ وحی کرنیوالے نے قرآن وحی فرمایا ہے۔ اور وحی پانیوالے نے قرآن ہی وحی پایا ہے لیکن اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتب روایات کو ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللہِ قرار دیتے ہیں تو آیت مجیدہ ۳۶/۶۹ کی پرواہ کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کر رکھا ہے کہ اُس نے آنحضور کو

قرآن کے سوا کسی چیز کی تعلیم دی ہی نہیں۔ قرآن کے سوا کچھ نازل کیا ہی نہیں۔ اور نہ ۱۲/۱۲ اور ۶/۱۹ کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وحی بھیجنے والا اور پانیوالا، دونوں قرآن ہی کو وحی قرار دیتے ہیں۔ پس قرآن کریم کے مندرجہ بالا غیر مبہم دلائلِ قاطعہ کی رُو سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے سوا کوئی اور ذخیرہ من عند اللہ ہرگز نہیں نیز غیر منزّل من اللہ کی پہچان بتا دیگئی ہے کہ، ہر وہ ذخیرہ جس میں یہ تاثر دیا گیا ہو کہ مجرم چند دنوں کیلئے جہنم میں رہینگے۔ پھر اُنکی سفارش ہو جائیگی۔ اور وہ نکال لئے جائینگے، وہ منزّل من اللہ نہیں ہو سکتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اللہ کے ذمہ لگایا ہوا ہوتا ہے۔

میثاق بنی اسرائیل

اگلی آیت سے بھی ظاہر ہے کہ ایسے غیر منزّل من اللہ اور منسوب اِلی اللہ ذخائر ہی کی بدولت سفارش و شفاعت، جیسے عمل سے بیگانہ کر دینے والے نظریات چل نکلتے ہیں۔ چنانچہ اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بلا عمل محض کھوکھلی آرزوئیں نہیں دلائی تھیں۔ بلکہ اُن سے ایمانِ کامل، اور معاشرہ کے ہر گوشے سے متعلقہ، ربوبیت پاروش اعمالِ صالح کا وعدہ لے رکھا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا

اور جب لیا ہم نے قول بنی اسرائیل کا نہیں عبادت

تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

کروگے تم مگر اللہ تعالیٰ کی اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا

اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور کہو

لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ

واسطے لوگوں کے نیک بات اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۸۳

پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور تم منہ پھیرنے والے ہو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ

اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا نہ ڈالو گے لہو اپنے آپس

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

کے اندر اور نہ نکال دو گے کسی آپس اپنے کو گھروں اپنے سے

اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۴

پھر اقرار کیا تم نے۔ اور تم شاہد ہو۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے بنی اسرائیل سے (اپنے انبیاء موسیٰ اور ہارون سلام علیہما کے ذریعہ وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی فرمانبرداری نہیں کروگے۔ اور والدین کیساتھ حسن سلوک کروگے۔ اور اپنے قریبیوں اور بے سہارا لوگوں، اور اُن لوگوں کیساتھ بھی جن کا چلتا کاروبار ساکن ہو جائے حسن سلوک کیساتھ پیش آیا کروگے۔ اور تمام لوگوں کیساتھ ہمیشہ حسنِ اخلاق کیساتھ گفتگو کیا کروگے اور نظامِ ربوبیت قائم کروگے اور معاشرہ کے کمزوروں کو طاقتور کرنے کیلئے مال دوگے۔ پھر اے بنی اسرائیل، تم چند ایک کے سوا سب اس میثاق سے پھر گئے اور یہ کوئی عارضی طور پر نہیں ہوا، بلکہ مسلسل نافرمانیوں کی بدولت) تم ہو ہی اعراض کرنیوالے۔

اور (پھر سُن لو) وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے تم سے (اپنے نبیوں کی معرفت) یہ عہد لیا کہ تم باہمی خونریزی نہ کروگے۔ اور اپنے (کمزور) افراد کو اپنے شہروں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے (ان امور کا) اقرار کیا اور تم سب حاضر تھے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

پھر تم وہ لوگ ہو کہ مار ڈالتے ہو آپس اپنے کو اور نکال

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز

دیتے ہو ایک فرقے کو آپ میں سے گھروں انکے سے مددگاری

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

کرتے ہو تم اوپر انکے ساتھ گناہ اور تعدی کے اور اگر آئیں

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ

تمہارے پاس بندیوان ہو کر بدلا دے چھڑاتے ہو انکو اور وہ

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

بات حرام ہے اوپر تمہارے نکالدینا انکا کیا پس ایمان لاتے

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

ہو ساتھ بعضی کتاب کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعضی کے پس کیا

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ

ہے سزا اسکی کہ کرے یہ کام تم میں سے مگر رسوائی بیچ زندگانی دنیا

الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

کے اور دن قیامت کے پھیرے جاوینگے طرف سخت عذاب

الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۵

کے اور نہیں اللہ تعالیٰ بیخبر اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

پھر تم ہی ہو کہ (اپنی قوم کے (کمزور) افراد کو قتل کرتے ہو اور تم اپنے ایک گروہ کو، (پہلے تو) انکے شہروں سے نکالتے ہو یعنی اُن پر گناہ و تعدّی کے ساتھ چڑھ دوڑتے ہو۔ اور جب وہ تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر آئیں تو اُنکا فدیہ ادا کرتے ہو۔ (تاکہ عمر بھر تمہارے زیردست رہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ قیدی کا فدیہ ادا کرکے آزاد کرانا، ہماری کتاب کا حکم ہے لیکن اُنہیں گھروں سے نکالنا بھی تو (حکم کتاب ہی کی رُو سے) حرام ہے۔ کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ایک حصّے کا انکار کرتے ہو۔ جو لوگ تم میں سے ایسے دوڑُخے عمل کرینگے۔ اُن کی سزا، اس دُنیا میں بھی رُسوائی ہے (اُن میں قومی یکجہتی کبھی پیدا نہیں ہوگی جو ترقی اور کامیابی کا واحد ذریعہ ہے) اور وہ قیامت کے دن شدید عذاب کیطرف لوٹائے جائینگے۔ اور (اے مجرمو! تمہیں جان لینا چاہیئے کہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سزا سے نہ بچ سکوگے، وہاں کسی گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں) کیونکہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

یہ لوگ وہ ہیں کہ مول لیا زندگانی دنیا کو بدلے آخرت کے

بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

پس نہ ہلکا کیا جاوے گا اُن سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۸۶ ع

جاوینگے۔

ع

یہ لوگ وہ ہیں جو آخرت کی کامیابیوں کے بدلے (چند روزہ) دُنیوی زندگی کا (نام نہاد) فائدہ خریدتے ہیں پس ایسے لوگوں سے دُنیوی اور اُخروی زندگی کا عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ اُن کی کوئی مدد ہی کی جائیگی۔

اللہ اُنکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں

خدا تعالیٰ نے اعلان عام کر رکھا ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ ۲۲/۴ = اور اللہ تم ضرور ضرور اُسکی مدد کریگا، جو اپنی مدد آپ کرتا ہے ۔ نیز فرمایا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ = اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں، اُسوقت تک، اچھا یا بُرا کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا، جتبک کہ وُہ خود اچھا یا بُرا تغیر پیدا نہیں کرتی۔ یہ آیات کریمات وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۲/۸۶ کی تفسیر کرتی ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہو تو اُسکے بتائے ہُوئے اصولوں کے مطابق اپنی مدد آپ پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اِسیطرح ارشادِ خداوندی ہے کہ، اگر تم چاہتے ہو کہ میدانِ جہاد میں تمہاری مدد ہو، اور فتح و کامرانی تمہارے قدم چُومے تو ۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۸/۶۰ = اور اُن کے لئے (یعنی دُشمنوں کے مقابلہ کیلئے) جتنی بھی تم میں استطاعت ہے زیادہ سے زیادہ (فوجی) قوت تیار کرو، خصوصًا ذرائع رسل و رسائل قطار در قطار گھوڑے مہیا کرو، تاکہ تم اس موجود مادی طاقت کیساتھ اللہ کے دشمنوں، اور اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ اور اُن دُشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ اُنہیں جانتا ہے۔ اِس خداوندی فیصلے کے بعد، اب اگر کوئی قوم خدا تعالیٰ کے اس حکم کو نظر انداز کر کے اپنی استطاعت کو عیش کوشیوں اور سہل انگاریوں کی نذر کر دے، اور وقت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد کی اُمید رکھے تو اِسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وُہ چونکہ قرآن کریم کے بتائے ہُوئے اصول سے غافل ہے۔ اِسلئے اُسکی مدد نہیں کی جائیگی۔ ہرگز نہیں کیجائیگی، کیونکہ وُہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ میں داخل ہے۔

حضرت موسٰی و ہارونؑ کے بعد تم نے بہت سے نبیوں کو جھٹلایا، اور پھر حضرت مسیح کو بھی جھٹلایا

بنی اسرائیل کی دَورِ مُوسوی کی نافرمانیوں کے مختصر تذکرہ کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں بتایا جا رہا ہے کہ تم بعد والے انبیاء کو بھی مسلسل جھٹلاتے اور اُن کی مخالفت کرتے رہے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسٰی کو کتاب اور پچھاڑی

مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

لائے ہم پیچھے اسکے پیغمبر اور دیئے ہم نے عیسٰی بیٹے مریم کو معجزے

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ظاہر اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاک کے یعنی جبریل کے

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰى

کیا پس جب آیا تمہارے پاس پیغمبر ساتھ اس چیز کے کہ نہیں چاہتے

اور بالتحقیق ہم نے مُوسٰی کو اپنی کتاب دی۔ اور ہم نے اُسکے بعد پے در پے بہت سے رسُول بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسٰی کو بھی اپنی واضح (آئتیں انجیل) عطا فرمائی، یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کیساتھ اُسکی مدد کی۔ کیا پھر جب بھی ہمارا کوئی رسُول، تمہارے پاس، ہمارے اُن ضابطے کیساتھ آیا، جسے تمہارے نفسِ امارہ پسند نہیں کرتے، تم نے تکبر کیا، اُنکے ایک گروہ کے نبیوں کو، جنہیں صحابہ کی طاقتور جماعت میسر نہ آئی، حقارت کے ساتھ جھٹلاتے رہے، اور ایک گروہ کے نبیوں سے، (جن کے ساتھ

اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ
جی تمہارے تکبر کیا تم نے پس ایک فرقے کو جھٹلایا تم نے اور

وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ۝۸۷
ایک فرقے کو مار ڈالتے ہو

طاقت ور جماعت شامل ہو جاتی) لڑائی کرتے رہے۔ (یہ تمہارا دائمی دستور رہا ہے)

فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ متن کے اِن الفاظ پر غور کرنے سے مخاطب سوال کر سکتا ہے کہ، خداوند تعالیٰ نے انبیاء سلامٌ علیہم کے دو گروہ بیان فرمائے ہیں۔ ایک وہ جسے بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ایک وہ، جس کے افراد کو قتل کر دیتے تھے۔ تو کیا بنی اسرائیل نے باری ٹھہرا رکھی تھی کہ ایک نبی کو جھٹلایا جائے، اور ایک کو قتل کیا جائے۔ واضح رہے کہ (یہاں قتل بمعنی مخالفت کرنا، اور لڑائی کرنا ہے۔ اِسکی وضاحت آئت نمبر ۶۱ کی تفسیر میں مختصراً گزر چکی ہے۔ اور آئت نمبر ۱۹ میں آگے آرہی ہے) = مخاطب کے سوال کا جواب قرآن کریم کے اوراق سے یہ ملتا ہے، کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی دو حالتیں بیان ہوئی ہیں، پہلی قسم میں مثال کے طور پر حضرت لوطؑ جیسے بعض انبیاء ہو سکتے ہیں۔ جنہیں صحابہؓ کی طاقتور جماعت میسر نہ آئی۔ ایسے نبیوں کو بنی اسرائیل حقارت کیساتھ جھٹلا دیا کرتے تھے۔ اور دوسری قسم کے حضرت مسیحؑ جیسے انبیاء ہیں، جنہیں حواریوں جیسی طاقت ور جماعت میسر آجاتی، بنی اسرائیل ان کی مخالفت کرتے تھے، اور انہیں ختم کرنے کیلئے لڑائیاں بھی کرتے رہے۔ جیسے کہ ۶۱/۱۴ میں خبر دیگئی ہے، کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح کیساتھ جنگ کی اور شکست کھائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ‌ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَكَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ‌ ۚ فَاَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ ۝ ۶۱/۱۴ = ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بنجاؤ۔ جیسے کہ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے حواریوں (اپنے صحابہ) سے کہا کہ اللہ (کے دین) کیلئے میرا کون مددگار ہے۔ حواریوں نے کہا، ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں پھر دالیسا ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ مسیح پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد کی اور وہ غالب آئے۔ یہ ہیں انبیاء سلامٌ علیہم کے دو گروہ، ایک وہ جنہیں بنی اسرائیل، حقارت کیساتھ جھٹلاتے رہے اور ایک کیساتھ لڑائیاں کرتے رہے۔

نوٹ آگے بڑھنے سے پہلے، اِس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق روایات نے جو یہ تاثر دیا ہے کہ بنی اسرائیل نے آپ کو صلیب دینے کے لئے گرفتار کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی جگہ اُنہی ہی کی شکل کا ایک اور آدمی کمرے میں پہنچا کر آپ کو آسمان کی طرف اُٹھایا۔ چنانچہ آپ آجتک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ یہ تاثر بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ۴/۱۵۸ سے لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آئت بالا ۶۱/۱۴ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ

حضرت مسیح سلامٌ علیہ اور آپ کے حواریوں کا بنی اسرائیل کیساتھ میدانِ جہاد میں باقاعدہ مقابلہ ہُوا جس میں بنی اسرائیل کو شکست فاش ہوئی، مسیحؑ و مریمؑ دونوں نے ایک پُرفضا مقام ربوہ (ٹیلا) پر جہاں چشمہ بھی جاری تھا۔ اپنا صدر مقام بنایا ۲۳/۵۰۔ بنی اسرائیل کا مخالف گروہ سو فیصدی ناکام و نامُراد ہُوا۔ تو اسطرح حضرت مسیح کی اس پُرشکوہ کامیابی کے بعد آپکے قائم کردہ نظامِ ربوبیت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آموجود ہوتا ہے نہ یہ کہ اُلٹے بنی اسرائیل آپ پر غالب آگئیں، اور گرفتار کرکے صلیب دینے کیلئے کمرے میں بند بھی کردیں، اور خدا تعالیٰ اُنہیں آسمان پر اُٹھا کر صلیب سے بچائے اور اُنکے پسماندگان کو، غالب گروہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ معاذاللہ استغفراللہ!۔

آیت مجیدہ بل رفعہ اللہ الیہ ۴/۱۵۸ کی تفسیر اپنے مقام پر سورہ نساء میں آرہی ہے۔ یہاں پر یہ بتایا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل پشت ہا پشت سے انبیاء سلامٌ علیہم کی مخالفت کرتے چلے آرہے تھے۔

انبیاءؑ کی مسلسل مخالفت کا اثر

اسطرح انبیاءؑ کی مخالفت، اور خدا تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کا جو اثر بنی اسرائیل کے قلوب اذہان پر ہوچکا تھا، اُسکی خبر خود اُنہی کے الفاظ میں اگلی آیت میں دیگئی ہے:۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور کہا انہوں نے دل ہمارے غلاف میں ہیں بلکہ لعنت

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ ۸۸

کی ان کو اللہ نے بسبب کفر انکے کے پس تھوڑے سے ایمان لاتے ہیں۔

اور (اُن بنی اسرائیل پر جب بھی ضابطۂ ربوبیت پیش کیا جاتا، تو) وہ کہتے، کہ ہمارے ذہن (اس تبلیغ کو قبول نہیں کرسکتے، یہ باپ دادا کے متوارث نظریات ہیں) لپٹے ہُوئے ہیں۔ (حقیقت یہی ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ اُنکے مسلسل انکار کی بدولت اُن سے بیزار ہوچکا ہے۔ کیونکہ بہت تھوڑا ہے، جو وہ ایمان لاتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ و انجیل کے بعد آنحضورؐ اور قرآن کا انکار

بنی اسرائیل کا انکارِ ربوبیت، اپنے تسلسل کی منزلیں طے کرتا ہُوا دورِ مسیحی سے گزر کر، زمانۂ رسالتِ محمدی سلامٌ علیہ میں داخل ہُوا۔ حضرت مسیحؑ اور آنحضورؐ کے درمیانی وقفہ میں، وہ اس امر کے متمنّی تھے کہ انکے پاس ہدایت، خداوندی آئے، اور وہ اس پر عمل پیرا ہوکر، اپنی شکستوں اور ناکامیوں کو فتوحات اور سرفرازیوں میں بدل لیں لیکن اپنے وقت پر جب کہ سرکار ضیاءِ ربوبیت سے سرفراز ہوکر اُفقِ نبوت پر نمودار ہوئے تو سب سے پہلے یہی بنی اسرائیل تھے، جنہوں نے محمدؐ اور آپ کی کتاب مقدس کا انکار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور جب آئی اُن کے پاس کتاب نزدیک اللہ تعالیٰ

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

کے سے سچا کرنیوالی واسطے اس چیز کے کہ ساتھ اُن کے

اور جب اُنکے پاس اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکی آخری کتاب آگئی، جو اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے، جو اُنکے پاس تھی، تو انہوں نے اسکا بھی انکار کردیا، حالانکہ وہ اسکے نزول سے پہلے ان لوگوں پر جنہیں وہ اپنے خیال میں کافر سمجھتے تھے فتح کے طلبگار تھے لیکن جب اُنکے پاس وہ (نسخۂ کامیابی

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
ہے اور تھے پہلے اس سے فتح مانگتے اوپر ان لوگوں کے کہ کافر
مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○
ہوئے پس جب آیا ان کے پاس جو کچھ پہچانا تھا کافر ہوئے ساتھ
اسکے پس لعنت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے ۔ ۸۹

(کامرانی) آیا، جسے وہ پہچانتے تھے (کیونکہ ان کی کتاب میں اس رسول اور کتاب کی خبر موجود تھی ۱۵۷/۷ + ۲۹/۴۸) انہوں نے اسکا انکار کر دیا۔ پس انکار کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا
برا ہے جو کچھ مول لیا ہے ساتھ اسکے جانوں اُن کی
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ
نے یہ کہ کفر کریں ساتھ اس چیز کے کہ اتارا اللہ نے سرکشی سے
فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
اس پر کہ اتارے خدا فضل اپنے سے اوپر جسکے چاہے بندوں
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
اپنے سے پس پھر آئے ساتھ غصہ کے اوپر غصہ کے اور واسطے
مُّهِيْنٌ ○ ۹۰
کافروں کے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

بہت بری چیز ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ یہ کہ بغاوت کی بنا پر اس چیز سے انکار کریں جو اللہ نے نازل کی ہے، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے اپنے قانونِ مشیّت کیمطابق جس پر چاہا ہے، اپنی کتاب اس پر کیوں نازل کی ہے۔ (اولادِ اسحاق میں سے کسی پر کیوں نازل نہیں کی۔ اس نسلی تعصّب کی بدولت، اس حالت میں کہ وہ پہلے ہی اللہ کے مغضوب تھے) اللہ کے غضب پر مزید غضب کے سزاوار ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ، انکارِ ربوبیّت کرنیوالوں کیلئے (ناہموار معاشرے کا) ذلیل کرنیوالا عذاب ہے۔ (دنیا میں بھی ذلیل و خوار اور عاقبت میں بھی ناکام و نامراد)۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم بنی اسحاق کی کتاب کے سوا کسی اور کی کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے

زمانۂ رسالتِ محمدی میں آنحضور کی تبلیغ اور بنی اسرائیل کا جواب باندازِ ذیل درج ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے انکے ایمان لاؤ ساتھ اس
قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
چیز کے کہ اتارا ہے اللہ نے کہتے ہیں ایمان لاتے ہیں ہم ساتھ
وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ
اس چیز کے کہ اتاری گئی اوپر ہمارے اور کفر کرتے ہیں ساتھ اس چیز کے

اور جب انہیں کہا گیا کہ اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے۔ (یعنی جو بنی اسرائیل و بنی اسحاق پر نازل ہوئی ہے) اور جو اسکے بعد آئی ہے اسکا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ (قرآن) حق ہے۔ سچا کرنیوالا ہے اس نبی کی آمد کی بشارتوں ۱۵۷/۷ + ۶/۶۱ کو، جو ان کے پاس (تورات و انجیل میں) موجود ہیں۔ اے رسولؐ آپ ان سے پوچھئے گا کہ اگر تم اپنے ایمان کے

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۹۱

کہ سوائے اسکے ہے اور وہ سچ ہے سچا کرنیوالا اسکو جو ساتھ اُن کے ہے، کہہ پھر کیوں مار ڈالتے تھے پیغمبروں اللہ کے کو پہلے اس سے اگر ہو تم ایمان والے۔

دعوے میں سچے ہو کہ تم (انبیاء بنی اسحاق اور اُنکی کتاب پر ایمان رکھتے ہو) تو بتاؤ کہ اس سے پہلے انبیاءؑ کی مخالفت اور اُن سے لڑائی کیوں کیا کرتے تھے۔

اللہ کے نبی قتل نہیں ہو سکتے تھے

بنی اسرائیل کے ذکر میں جا بجا آیا ہے۔ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ = وہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ روائتی تفاسیر نے بنی اسرائیل کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں اور ہزاروں نبیوں کا قتل (جان سے مار ڈالنا) تسلیم کیا ہے۔ سورہ لبقر کی تفسیر نعیمی کے صفحہ ۷۸ ۲ پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے "ایک دفعہ ایک دن میں ستر نبیوں کو شہید کیا"۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا تھا، اور بنی اسرائیل اُسے قتل کر دیتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ کیا ہؤا، جو انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق لام تاکید اور نون مشددہ کے حصر کے ذریعہ بڑے طمطراق کیساتھ کیا گیا ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ $\frac{58}{21}$ = اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب آئینگے۔ بلاشبہ اللہ قوت والا اور غالب ہے ۔ غور فرمائیں، کہ اَنَا وَرُسُلِيْ میں اللہ اور آپکے رسول معطوف علیہ اور معطوف کی ایک ہی سلک میں منسلک ہیں۔ اَنَا معطوف علیہ اور رُسُلِيْ معطوف ہے پس اگر خدا تعالیٰ مغلوب ہو سکتا ہے تو اُس کے رسول بھی مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اور اسیطرح اگر اللہ تعالیٰ مقتول ہو سکتا ہے تو اُسکے رسول بھی مقتول ہو سکتے ہیں پس چونکہ اللہ تعالیٰ مغلوب و مقتول نہیں ہو سکتا، اسلئے آپکے رسول بھی ہرگز ہرگز مغلوب و مقتول نہیں ہو سکتے، ہو سکتا ہے کہ معترض مقتول کو مغلوب ماننے کیلئے تیار نہ ہو۔ اور دلیل یہ لائے کہ اگر کسی جنگ میں فتح مسلمانوں کی ہو۔ لیکن اُنکا سالار یا امیر اُس جنگ میں کام آجائے تو کیا یہ فتح نہ ہوگی؟ ۔ اعتراض بڑا معقول معلوم ہوتا ہے لیکن انبیاء کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ نے، قرآن کریم میں جو اُن کے غلبہ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ وہ اِس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ یہ کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی پوری تاریخ، غلبہ انبیاء کی اِن دو صورتوں پر مشتمل ہے۔ کہ یا تو انبیاء سلامٌ علیہم نے رسول مقبول اور حضرت مسیحؑ کیطرح دشمنوں کو میدانِ جہاد میں شکست فاش دیدی اور یا اگر مادی لحاظ سے مخالفین طاقتور ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مخصوص مدد فرماکر اسطرح دشمنوں پر غالب کیا کہ طوفان آب و باد بھیجکر انبیاء سلامٌ علیہم کی زندگی ہی میں آپکے مخالفوں کو ختم کر دیا۔ اور اُن کے متروکہ مال و املاک کا انبیاء اور ان کی قوم کو وارث بنا دیا۔

حضرت نوحؑ غالب آئے

قوم نوح کا کوئی کھاتا پیتا آدمی آپکے ساتھ شامل نہ ہؤا۔ معاشرے کے ستائے ہوئے مفلوک الحال افراد ہی نے قانونِ ربوبیت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ لیکن قوم کے سرداروں نے کہا

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○ ۱۱/۲۷ اے نوحؑ! نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا ایک بشر۔ اور نہیں دیکھتے ہم سوائے اسکے کہ تیری اتباع صرف اُن لوگوں نے کی ہے جو ہمارے رذیلے لوگ ہیں، جن کی کوئی رائے نہیں۔ اور اپنے مقابلے پر ہم، تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ تُو اور تیرے ساتھی، تم سب جھوٹے ہو۔ چنانچہ ان حالات میں خدا تعالیٰ نے مخالفوں کے لئے طوفان کا فیصلہ کر کے حضرت نوحؑ کو کشتی تیار کرنیکا حکم دیدیا۔ اس پر خبر دیگئی ہے:۔

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۱۱/۳۸ = اور وہ جب بھی اُس (کشتی) کے قریب سے گزرتے تو اُسکا مذاق اُڑاتے۔ اب بتایئے! کہ ان حالات میں، جبکہ حضرتِ نوح کیساتھ نہ کوئی بڑا آدمی ہی شامل ہُوا، اور نہ مادی طاقت ہی میسّر آئی۔ تو اس کمزوری کے باوجود کیا وہ نوحؑ کو قتل کر سکے؟ ہرگز نہیں بلکہ خود وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہُوئے عذاب میں حضرتِ نوحؑ کے سامنے غرق ہو کر ختم ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اپنا وعدہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ سچّا کر دکھایا۔

حضرتِ لوطؑ غالب آئے

انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے کمزور مادی حالت حضرت لوطؑ کی تھی۔ یہاں تک، کہ قوم نے آپ سے کہدیا تھا کہ آپ کے پاس بالکل کوئی نہ آیا کرے۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ کے رسول انکے لئے عذاب لیکر آئے تو انہوں نے کہا:۔ اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۵/۷۰ = کیا ہم نے تجھے لوگوں (کے آنے) سے منع نہیں کر دیا تھا۔ آپ کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ قرآنِ کریم نے آپکے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○ ۱۱/۸۰ = آپنے فرمایا، کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کیلئے قوت ہوتی۔ اور یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔ اب دیکھئے! اسقدر مادی اور جماعتی کمزوری کے باوجود، کیا اللہ کا نبی قتل ہُوا یا غالب؟ آنحضرت کو انکے ساتھیوں سمیت باہر نکلوا کر پوری لبتی پر پتھراؤ کروا دیا گیا۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۱۱/۸۲ = مخالفین ختم ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کے وعدہ کے مطابق حضرتِ لوطؑ کو غالب کر دیا۔

فرعون مغلوب اور موسیٰ غالب آئے

فرعون جیسا ظالم و جابر حکمران، جو حضرتِ موسیٰؑ کی دعوت ربوبیّت پر اس حد تک غضب آلود ہو گیا کہ سرِ دربار کہدیا۔ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۴۰/۲۶ = چھوڑو مجھے میں موسیٰ کو خود قتل کرتا ہوں، پس چاہیئے کہ اب وہ (مجھ سے بچنے کیلئے) اپنے رب کو بلائے۔ لیکن فرعون، اتنا مغلوب الغضب ہو کر بھی اللہ کے نبی کو قتل کرنا تو درکنار، اُنکا بال تک بیکا نہ کر سکا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے "ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى" کے دعویدار کو حضرتِ موسیٰ کی آنکھوں کے سامنے، اُسکے لاؤ لشکر سمیت غرق کر کے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کے وعدہ کے مطابق اپنے نبی رسُول کو غالب کر دیا۔

آنحضور سلام علیہ غالب آئے

آنحضور کے متعلق، قوم کی مخالفانہ تجویز یہ تھی:۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۸/۳۰ = اور اے رسُول! وہ وقت قابلِ ذکر

ہے۔ جب مخالفین نے آپ کے متعلق یہ تجویز کی، کہ یا تو آپ کو عمر بھر قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا ملک بدر کر دیں لیکن ہوا یہ کہ اُن میں سے بعض خود قیدی بنکر حضور رسالت میں حاضر ہوئے بعض خود قتل ہو گئے اور بعض خود ملک بدر ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے مطابق آنحضور کو غالب کر دیا۔ المختصر کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں جس کے مخالفوں کو اُس کی زندگی میں تباہ کر کے اُسے غالب نہ کر دیا گیا ہو۔ پس قرآن کریم کے آئینے میں ثابت ہوا کہ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ والی آیتیں سب متشابہات ہیں، اور کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ محکم آیت مجیدہ ہے۔ لہذا متشابہات محکم کی مانند ہونیوالی ہیں، انکا ترجمہ اور مفہوم محکم آیت مجیدہ کے مطابق لینا چاہیئے کہ بنی اسرائیل انبیاء کیساتھ ناحق لڑائیاں کیا کرتے تھے۔

قَتَلَ یَقْتُلُ کی لغوی تحقیق

لفظ قتل کا سہ حرفی مادہ ق۔ت۔ل ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے کسی ہتھیار، پتھر، لاٹھی یا زہر کیساتھ مار ڈالنا۔ یہ فعل چونکہ مخالفت کی وجہ سے بروئے کار آتا ہے اسلئے اسکا معنی مخالفت کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ مخالفت کی ایک صورت جو مخالفین کو جان سے مار ڈالنے کیلئے اختیار کیجاتی ہے، وہ ہے لڑائی کرنا لہذا مادہ ق۔ت۔ل کے بنیادی معنوں کی مناسبت سے یہ سب معنے درست ہیں۔ اسکے بعد یہ لفظ قتل مجازی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً غلط اعتقاد کی دلدلوں میں گرفتار لوگ، جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اولاد کے منہ سے چھین کر پیروں کی نذر کر کے اولاد کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۶/۱۴۰ =

بلاشبہ ان لوگوں نے بیوقوفی اور لاعلمی کے ساتھ اولاد کو قتل کر دیا، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اُس رزق کو، جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھکر اولاد کیلئے حرام کر دیتے ہیں (اور پیروں کیلئے حلال ٹھہراتے ہیں) (۶/۱۳۶ تا ۱۳۹)

قتل کا ایک معنی ذلیل وخوار، اور تباہ و برباد کرنا بھی ہے، جیسے کہ ۸۰ میں آیا ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ۔ ذلیل خوار اور تباہ و برباد ہو گیا انسان، اُس نے قرآن کا انکار کیوں کر دیا ہے۔ اب مادہ قتل کے متعدد معنے، قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جان سے مار ڈالنا۔ مخالفت کرنا۔ لڑائی کرنا۔ کسی کا حق چھین کر دوسروں کو دیدینا۔ ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کرنا وغیرہ۔ اب لازم ہے کہ ان معنوں میں سے جو معنی انبیاء سلام علیہم کیساتھ بنی اسرائیل کیطرف سے قرآنی مشاہدات کی روشنی میں فٹ آتا ہے۔ نیز لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کی محکم آیت کی مخالفت بھی نہیں کرتا، آیت زیر بحث ۲/۹۱ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ میں وہی معنی مراد لینا منشاء الٰہی کے مطابق ہوسکتا ہے۔ اور وہ ہے مخالفت کرنا، لڑائی کرنا۔ جیسے کہ بنی اسرائیل انبیاء سلام علیہم کی مخالفت بھی کرتے رہے اور اُن سے بلا وجہ لڑائیاں بھی کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے تذکرے کا اعادہ

آیت بالا ۲/۹۱ میں فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ کے بعد اگلی آیات کریمات میں تکرار تاکیدی کے طور پر سابقہ خبروں کا اعادہ کرتے ہوئے پھر بنی اسرائیل کو اُن کی نافرمانیاں یاد دلائی جا رہی ہیں:۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ
اور البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ دلیلوں
اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۹۲
کے پھر پکڑا تم نے بچھڑے کو معبود پیچھے اسکے اور ہو تم ظلم کرنے والے

اور البتہ تحقیق (تمہارے پاس موسیٰ (نبی) ہماری روشن دلیلیں لیکر آئے۔ پھر (اُن دلائل کو پس پشت پھینک کر) تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا۔ سو (جان لوکہ) تم ظالم ہو۔ (جو انسان ہوکر ایک حیوان کے سامنے جھکنے لگے تھے)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے
الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ
طور، پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو زور سے اور سنو،
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ
کہا انہوں نے سنا ہم نے اور نہ مانا ہم نے اور پلائی گئی بیچ دلوں انکے کے
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ
(محبت) بچھڑے کی بسبب کفر اُن کے کے کہہ بُرا ہے جو حکم
اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۹۳
کرتا ہے تمکو ساتھ اُسکے ایمان تمہارا اگر ہو تم ایمان والے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم لے تم سے (طور کے دامن میں، اسطرح کہ گویا، ہم نے طور کو تمہارے اوپر بلند کردیا ہے)، وعدہ لیا کہ جو (ضابطہ) ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو (اُسے دن رات کا معمول بناو) اور سنو۔ (لیکن تمہارے بزرگوں نے) کہا کہ ہم نے سنا اور انکار کردیا۔ اور بچھڑا اُن کے اِس انکار ہی کی بدولت اُنکے ذہنوں میں پلا دیا گیا تھا۔ اے رسولؐ کہدیجیئے کہ اگر تم مومن ہو تو، (تو سمجھ لوکہ) وہ بہت بُرا ہے جس کا تمہیں تمہارے ایمان حکم کرتے ہیں۔

● اگلی آیت مجیدہ میں اعادہ کے طور پر بنی اسرائیل کے اُس عقیدہ کا پھر ذکر کیا جارہا ہے، جو آیت نمبر ۸۰ میں گزر چکا ہے کہ ہمیں آگ صرف چند دن کیلئے مس کریگی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
کہہ اگر ہے واسطے تمہارے گھر آخرت کا نزدیک اللہ
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
کے خالص سوائے لوگوں کے پس آرزو کرو تم موت کی
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۹۴
اگر ہو تم سچے۔

اے رسولؐ، کہدیجیئے کہ اگر (تمہارے ۸ کے دعوے کے مطابق) آخرت کے گھر کی کامیابی، تمام نوع انسانی سے الگ خالصتًا تمہارے لئے مخصوص ہوچکی ہے۔ تو پھر اگر تم سچے ہو تو، (جہاد کی) موت کی تمنا کرو۔

؎ جہاد کی موت کے سوا کسی بھی موت کی آرزو کرنا خودکشی ہے جو حرام ہے۔

● یعنی بتایا گیا ہے کہ غرض زندگی دُوسرے گھر کی کامیابی ہے۔ اور جب تم اپنے زعم کے مطابق اُس گھر کو سنوار چکے ہو۔

تو اُس میں پہنچنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ لیکن بنی اسرائیل کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مطابق ارشاد ہوتا ہے:-

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اور ہرگز نہ آرزو کرینگے اسکی کبھی بسبب اسکے کہ جو

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ ۹۵
آگے بھیجا ہاتھوں اُن کے نے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ (بنی اسرائیل اُس سرمایہ دارانہ نظریہ کی بدولت، جو اُنہوں نے اپنے سامنے رکھا ہُوا ہے۔ (تاوقت تک) کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرینگے۔ (جبتک اِس نظریہ سے علیٰحدہ نہ ہو جائیں) اور اللہ تعالیٰ بے ٹھکانا کام کرنیوالوں کو خوب جانتا ہے۔

● اِس سے آگے فرمایا:-

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ
اور البتہ پاویگا تو ان کو بہت حرص والا لوگوں سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ
اوپر زندگی کے اور ان لوگوں سے کہ شریک لاتے ہیں آرزو

اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
کرتا ہے ہر ایک اُن کا کاش کہ عمر دیا جاوے ہزار برس

اَنْ يُّعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ ۹۶
کی اور نہیں وہ چھڑانیوالا اسکو عذاب سے یہ کہ عمر دیا جاوے اور اللہ تو دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

ع

اور (اے رسولؐ!) آپ انہیں، تمام لوگوں سے بڑھکر جیتے رہنے کے حریص پائینگے۔ اور اُن لوگوں کو بھی جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اُن میں سے ہر شخص چاہتا ہے، کاش کہ وہ ہزار برس کی عمر پائے۔ کیونکہ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ (اُن کے عمل دُنیوی زندگی کے لئے ہیں)

جبریل سے عداوت

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کی بغاوت اور نسلی تعصّب پر بھی اُس قول سے متعلقہ ایک مخصوص شق کا اعادہ کیا گیا ہے جس کا تذکرہ آیت نمبر ۹۰ میں گزر چکا ہے کہ جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ اِس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ، تو وہ اِس نسلی تعصّب کی بنا پر کہتے ہیں کہ ہم تو اُس پر ایمان لاتے ہیں جو (بنی اسحاق کے ذریعہ) ہم پر نازل ہُوا ہے۔ چنانچہ اِس سلسلے میں وہ وحی لانیوالے ملک مخصوص جبریل سے عداوت رکھتے ہیں کہ اُس نے معاذ اللہ، معاذ اللہ اپنی مرضی سے بنی اسحاق کی بجائے، بنی اسماعیل کے خاندان میں وحی کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ
کہہ جو کوئی ہے دشمن واسطے جبریل کے پس تحقیق اُسنے

اے رسولؐ، کہدیجیئگا، کہ جو جبریل کا دشمن ہے (اللہ اُس کا دشمن ہے $\frac{۲}{۹۸}$۔ کیونکہ جبریل امین ہے $\frac{۲۶}{۱۹۳}$، اور

نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
اتارا ہے اسکو اوپر دل تیرے کے ساتھ حکم اللہ کے سچا کرنیوالا
بَیْنَ یَدَیْهِ وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝
واسطے اس چیز کے کہ آگے اسکے ہے اور ہدایت اور خوشخبری
واسطے ایمان والوں کے ۹۷

بلاشبہ اس نے (قرآن کو) اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ) اللہ کے حکم کے ساتھ آپکے قلب اطہر پر نازل کیا ہے۔ جو ان پیشینگوئیوں کو سچا کرنیوالا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں۔ اور یہ (قرآن) ایمان لانیوالوں کیلئے (ہر مسئلہ میں) رہنمائی کرنیوالا، اور اس پر عمل کرنیوالوں کیلئے دنیوی اور آخروی کامیابیوں اور کامرانیوں کی خوشخبری دینے والا ہے۔

جبریل سے عداوت اللہ سے اُسکے ملائکہ سے، اور اس کے رسولوں سے عداوت ہے

اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جبریل ملک پر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا بہتان باندھنا گویا، اللہ، اسکے جملہ ملائکہ اور اسکے جملہ رسولوں سے عداوت رکھنا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ملائکہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ تاثر دینا کہ وہ اپنی مرضی کرسکتا ہے۔ پورے کارخانہ ہدایت کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ یعنی احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں ملک اپنی مرضی سے مورد وحی کو تبدیل کرسکتا ہے تو پیغام میں بھی ردّو بدل کر دینا ممکن ہے۔ اور اس سے آگے، پھر انبیاء علیہم السلام جو ملائکہ نہیں، بلکہ بشر ہیں، ابلاغ پیغام میں ان سے بھی کمی بیشی کے امکان کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن خداوند عالم نے اپنی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو عوام تک پہنچانے کا جو انتظام فرمایا ہے، وہ ان قباحتوں سے یکسر منزہ ہے۔ اسکے جملہ عمال امین ہیں۔ پیغام خداوندی کو اسکے رسولوں تک پہنچانے والے مخصوص ملک جبریل کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ $\frac{26}{193}$ ۔ قرآن کو امانتدار پیغام رساں (جبریل) اللہ تعالیٰ سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور جملہ انبیاء کے متعلق جن کی بشریت کا، قرآن کریم میں جگہ بجگہ اعلان کیا گیا ہے لیکن انکی امانت پر مُہر تصدیق ثبت کرکے خود انہی سے الگ الگ اعلان کروا دیا گیا ہے۔ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ $\frac{26}{107}$ $\frac{26}{125}$ $\frac{26}{143}$ $\frac{26}{162}$ $\frac{26}{178}$ ۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول امین بنکر آیا ہوں۔ لہٰذا پیغام خداوندی کے ابلاغ میں کسی بھی تغیر و تبدل کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں جبریل امین کیساتھ دشمنی رکھنے کو اللہ، ملائکہ، اور انبیاء کی دشمنی قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ
جو کوئی ہے دشمن واسطے اللہ تعالیٰ کے اور فرشتوں کے
وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ
اور پیغمبروں کے اور جبریل اور میکائیل کے پس تحقیق اللہ
لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝ ۹۸
دشمن ہے واسطے کافروں کے

جو کوئی اللہ کا، اسکے ملائکہ کا، اسکے رسولوں کا، اور خصوصاً جبریل و میکائیل کا دشمن ہے۔ پس (اسے جان لینا چاہیئے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایسے) انکار کرنیوالوں کا دشمن ہے (قیامت کی عدالت عالیہ میں انہیں ضرور سزا دی جائیگی)

قرآن کریم کی صداقت کی دلیل اسکے اپنے مندرجات ہیں

قرآن کریم کی صداقت، خود اسکے داخلی دلائل ہیں جن کی تصدیق فی الخارج، کائنات میں موجود ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی آئت مجیدہ میں قرآن کریم کی صداقت کا معیار جبریل کا لانا نہیں، بلکہ اسکے مندرجات کا عقل و بصیرت کے عین مطابق اور نوع انسانی کی مشکلات کا صحیح اور دائمی حل ہونا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا

اور تحقیق اتاریں ہم نے طرف تیری نشانیاں ظاہر

يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۹۹

اور نہیں کفر کرتے ساتھ اسکے مگر بدکار۔

اور اے رسول! بلاشبہ آپ کی طرف روشن دلیلیں (جن کا انکار ممکن نہیں) خود ہم نے نازل فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا انکار صرف فاسق (یعنی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے) ہی کرتے ہیں۔

● اگلی آئت مجیدہ میں اِن فاسقین کی تعریف کی گئی ہے :۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ

آیا جب باندھا انہوں نے عہد پھینک دیتا ہے

مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۰۰

اسکو ایک فرقہ ان میں سے بلکہ اکثر انکے نہیں ایمان لاتے۔

کیا پھر (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی عہد باندھا۔ تو انکے ایک گروہ نے اُسے (پس پشت) پھینک دیا حقیقت یہ ہے کہ اُن کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے طویل تذکرہ کے بعد یہود و نصاریٰ کے مشترکہ حالات

بنی اسرائیل کی گوناگون نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اگلی آیات کریمات میں اہل کتاب کے عنوان سے یہود و نصاریٰ کے مشترکہ حالات بیان کئے جارہے ہیں کہ جب ان دونوں کیطرف اللہ کا پیغام آیا تو اپنی کتابوں کو بھی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، جن میں اس آخری پیغام اور آخری نبی کی خوشخبری دیدی گئی تھی۔

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور جب آیا اُن کے پاس پیغمبر نزدیک اللہ کے سے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

سچا کرنیوالا واسطے اُس کے جو ساتھ اُنکے ہے پھینک دیا

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ

ایک جماعت نے ان میں سے جو دیئے گئے ہیں کتاب،

كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۰۱

کتاب اللہ کی کو پیچھے پیٹھوں اپنی کے گویا کہ وہ نہیں جانتے۔

اور جب اُن کے پاس اللہ کیطرف سے اُس کا (آخری) رسول آیا۔ جو اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ جو اُن کے پاس تھی۔ تو اُن لوگوں نے، جنہیں (اس سے پہلے) کتاب دیگئی ہے، اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ گویا کہ وہ اُسے جانتے ہی نہیں۔

نوری علم اور کالا علم ۔ ہاروت ماروت کے متعلق روایات کی ایک عجیب و غریب حاشیہ آرائی

اس سے اگلی آیت نمبر ۱۰۲ میں اہل کتاب کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ آیت بالا کی اس خبر کے مطابق کہ جس ہدایت کے وہ منتظر تھے جب وہ بصورت قرآن کریم انکے پاس آئی ۔ تو اُسکا انکار کر کے ، اُس باطل تعلیم پر عمل پیرا رہے ۔ جو روایات کے ذریعہ حضرت سلیمان کے ذمہ لگائی گئی ہے ، جیسے کہ نقش سلیمانی وغیرہ کے مقدس لقاب کیساتھ تعویذ نویسی ، چلہ کشی اور ، ورد و ظائف کو سنت سلیمانی بنا کر رکھدیا گیا ہے ۔ چنانچہ سورہ صٓ کی آیات کریمات ۳۱ تا ۳۳ ، جن میں حضرت سلیمان کے جنگی گھوڑوں کا معائنہ کرنے کا ذکر ہے ۔ یہ غلط معنی لیا گیا ہے کہ آپ عصر کے وقت ورد وظائف کیا کرتے تھے چنانچہ تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۸۰۷ پر درج ہے : " اور سلیمان دیکھنے میں اُن (دریائی گھوڑوں) کے مشغول ہوئے ، تا ورد اُن کا فوت ہوا " لیعنی اُنکا وظیفہ قضا ہوگیا ۔ اسلئے تلوار کیساتھ اُن کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹنا شروع کیا ۔ اسطرح ایک طرف تو ورد وظائف اور نقش سلیمانی وغیرہ تعویذ نویسی کو انبیاء کیطرف منسوب کر کے نوری علم کا تصور دیا جاتا ہے ، اور دوسری طرف شیطانوں کیطرف منسوب کیا جاتا ہے نام نہاد کالا علم ۔ اور دونوں کا مساوی اثر بتایا جاتا ہے کہ ، خلاف معمول چیزیں نوری علم کے عامل (چلہ کش) بھی دکھا سکتے ہیں اور کالے علم ، سحر ، جادو کے عامل بھی ۔ چنانچہ بقول اُن کے نوری علم تو ہوا انبیاء کا اور کالا علم کس کا ہے ؟ اس سوال کے جواب میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۱۰۲ میں آمدہ الفاظ ہاروت ماروت کے متعلق ایک عجیب و غریب جیبتانی قصہ صاحب تفسیر نعیمی نے ، تفسیر سورہ بقر کے صفحہ ۲۹۲ پر ابن عباسؓ ، حضرت علیؓ ، عبداللہ بن عمرؓ اور مجاہدؒ کی روائت سے یوں درج کیا ہے کہ ہاروت ماروت نامی دو فرشتے بابل شہر کے کنوئیں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں کو سحر ، جادو (کالا علم) سکھاتے ہیں ۔ تفسیر کے الفاظ نقل مطابق اصل یہ ہیں :۔

تفسیر عزیزی وغیرہ نے بحوالہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم ، و دیگر تفاسیر نے حضرت ابن عباس و علی مرتضیٰ و عبداللہ بن عمر و مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیان کیا ہے ۔ کہ حضرت ادریس کے زمانے میں فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ انسان بہت بدکار ہے ۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اُسکو غصہ اور شہوت دیا گیا ہے ۔ اگر یہ چیزیں تم کو ملیں ، تو تم بھی گناہ کرنے لگو ۔ فرشتے بولے کہ مولا کریم ، ہم تو گناہ کے پاس بھی نہ جائینگے ۔ خواہ کتنا ہی غصہ اور شہوت ہو ۔ حکم ربی ہوا کہ اچھا تم اپنی جماعت میں سے اعلیٰ درجہ کے پرہیزگار ، دو فرشتے چھانٹ لو ، اُن کو ہم غصہ اور شہوت دیدیتے ہیں پھر امتحان ہو جائیگا چنانچہ ہاروت ماروت جو کہ بڑے ہی عبادت گزار فرشتے تھے ، انتخاب میں آ گئے ۔ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ چیزیں یعنی غصہ اور شہوت دیکر شہر بابل میں اُتار دیا ۔ اور فرمایا کہ تم قاضی بنکر لوگوں کا فیصلہ کیا کرو ۔ اور روزانہ اسم اعظم کے ذریعہ شام کو آسمان پر آ جایا کرو ۔ یہ دونوں ایک مہینہ تک ایسے ہی آتے جاتے رہے ...... ایک روز ایک نہایت حسین و جمیل عورت نے جس کا نام زہرہ تھا ۔ حضرت علی کی روائت میں ہے کہ اسکا نام بدعت تھا ۔ زہرہ لقب تھا اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ دائر کیا ۔ یہ دونوں اُسے دیکھتے ہی عاشق زار ہو گئے ۔ اور اُس سے بری خواہش کی ...... اُس نے کہا ، پہلے تو آپ میرے بُت کو سجدہ کرو ۔ اور پھر میرے

شوہر کو قتل. پھر میں تمہاری اور تم میرے۔ انہوں نے انکار کیا۔ وہ چلی گئی۔ مگر اُن کے دل میں اسکے عشق کی آگ بھڑک گئی آخر اُسے پیغام بھیجا...... بولی، کہ یا تو آپ لوگ مجھے اسم اعظم سکھا دیں۔ یا بُت کو سجدہ کریں یا میرے شوہر کو قتل کریں اور یا شراب پی لیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ اسم اعظم اسرارِ الٰہی ہے۔ اسکو ظاہر کرنا سخت ظلم ہے۔ بُت پرستی کرنا شرک ہے اور قتل حق العباد ہے۔ لاؤ شراب پی لیں۔ چنانچہ...... جب شراب پی کر بدمست ہو گئے۔ تو اُس نے ان سے بُت کو سجدہ بھی کرا لیا۔ اپنے شوہر کو قتل بھی۔ اور اسم اعظم بھی پوچھ لیا۔ وہ تو اسم اعظم پڑھکر صورت بدلکر آسمان پر پہنچ گئی...... اور اُسکی شکل زہرہ ستارے کی طرح ہو گئی۔ جب اِن کا نشہ اُترا تو اسم اعظم بھول چکے تھے۔ اور اپنے کئے پر نادم و شرمندہ تھے...... پھر یہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہوئے، آپنے اُن کے حق میں دُعاءِ مغفرت کی حکم الٰہی آیا کہ...... یا تو دنیوی عذاب قبول کریں یا آخرت کا...... اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم کو دُنیوی عذاب منظور ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا، کہ اِن دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر بابل کے کنوئیں میں اوندھا لٹکا دیں۔ اِس کنوئیں میں آگ بھڑک رہی ہے۔ یہ لٹکے ہوئے ہیں۔ اور فرشتے باری باری سے ہر وقت اُن کو کوڑے مارتے ہیں سخت پیاس سے اُنکی زبانیں باہر لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ قصہ سُنن بیہقی مسند امام احمد، و دیگر کتب احادیث میں بہ اسناد صحیح مروی ہے؟ (اس سے آگے لکھا ہے)

"اور بعض لوگوں نے ہاروت ماروت کو اس حالت میں دیکھا بھی ہے۔ چنانچہ (یہ) حکایت حاکم نے اپنی مسند میں، اور بیہقی نے اپنی سُنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد میرے پاس دومۃ الجندل کی ایک عورت آئی، جو کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کرتی تھی۔ میں نے کہا کہ سرکار کی وفات ہو چکی۔ تو مجھ سے کہہ، کیا کہنا چاہتی ہے۔ وہ بولی کہ میں شوہر کی سختیوں سے تنگ آ گئی۔ میں نے ایک عورت سے اپنی مصیبت بیان کی۔ اُس نے مجھے ایک کتے پر سوار کر کے، آن کی آن میں بابل پہنچا دیا۔ میں نے وہاں ایک کنوئیں میں ہاروت ماروت کو لٹکا ہوا دیکھا۔ اُنہوں نے مجھ سے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے اپنا سارا دُکھ سُنا کر، اُن سے جادو سیکھنے کی خواہش کی۔ تاکہ میرا شوہر میرے قبضہ میں ہو جائے۔ اولاً اُنہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ کفر ہے، نہ سیکھ، مگر میں نہ مانی، آخر اُنہوں نے مجھے فرمایا کہ اُس تنور میں پیشاب کر کے آ۔ میں نے اُس میں پیشاب کیا تو دیکھا کہ ایک نورانی سوار میرے بدن سے نکلا، اور آسمان کی طرف اُڑ کر غائب ہو گیا میں نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ یہ تیرا ایمان تھا، جو تجھ سے چھن چکا۔ اب جا، تو جادو میں خوب ماہر ہو گئی ہے۔ جب سے میں فنِ جادو میں بہت آشنا ہوں۔ گیہوں کا دانہ زمین میں داب کر حکم کرتی ہوں تو وہ اُگ آتا ہے۔ اور فوراً اُس میں خوشہ لگ جاتا ہے پھر فوراً خشک ہو جاتا ہے۔ اور میرے کہنے سے فوراً آٹا بن کر روٹی ہو جاتا ہے"...... الخ (تفسیر نعیمی صفحہ ۳۹۲-۳۹۳)

اس روائتی تفسیر پر تو آپ علیحدگی میں غور فرمائیں۔ جس کی روائت میں حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، مجاہدؒ اور عائشہ رضؓ

رضی اللہ عنہا کے اسماءِ گرامی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہم آپ کو سلسلۂ درس کیطرف متوجّہ کرکے، قرآن وکائنات کے دلائلِ قاطعہ کیساتھ واضح کرتے ہیں کہ ہاروت ماروت کون تھے، جنہیں فرشتے بنا کر انہیں تو بازارِ عشق میں رسوا کیا۔ اور زہرہ عورت کو ستارہ بنا کر رکھدیا ہے یعنی انسان کو کرّۂ سماوی بنا دیا ہے ۔ لیجئے! سیاقِ کلام کا تسلسل پیشِ خدمت ہے۔

اہلِ کتاب نے قرآن کو قابلِ اعتناء نہ جانا! اور حضرت سلیمانؑ کیطرف منسوب کردہ باطل روایات کی اتباع کرتے رہے

آئت بالا نمبر ۱۰۱ میں اہلِ کتاب کے متعلق یہ بتانے کے بعد کہ جب انکے پاس قرآن کریم آیا، تو وہ اپنی کتاب کو بھی پس پُشت ڈالکر اس پر ایمان نہ لائے۔ اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اُن کتابوں کی اتباع کرتے رہے جنہیں شیطانوں نے حضرت سلیمان کیطرف منسوب کر رکھا ہے یعنی جن میں وِرد وظائف اور نقشِ سلیمانی وغیرہ تعویذ گنڈوں کی تعلیم درج ہے۔ آج بھی تعویذوں کے متعلق، یعنی کچھ خانہ دار لکیریں کھینچکر اور اُن کے خانوں میں بے ترتیب سے ہندسے اور یا بدّوح، یا ححح ححح کی قسم کے بے ہنگم نقوش درج کرکے کہا جاتا ہے کہ ان میں بڑی تاثیر ہے! ان سے بگڑے ہوئے کام بنجاتے، اور بنے ہوئے بگڑ جاتے ہیں۔ میاں بیوی میں جدائی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہماری نازل کردہ کتاب کو پسِ پشت پھینک دیا اور:-

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ
اور پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ پڑھتے تھے شیطان

سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
اوپر وقت سلیمان کے اور نہیں کفر کیا تھا سلیمان نے اور لیکن

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ
شیطانوں نے کفر کیا سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور پیروی

عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ
کرتے تھے اس چیز کی کہ اتاری گئی اوپر دو فرشتوں کے بیچ

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ
شہر بابل کے ہاروت اور ماروت اور نہیں سکھاتے وہ دونوں کسی

فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
کو یہاں تک کہ کہتے تھے سوائے اسکے نہیں کہ ہم آزمائش ہیں

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ
پس مت کافر ہو پس سیکھتے ہیں اُن دونوں سے وہ چیز کہ جدائی

اور (اہلِ کتاب نے، اللہ کی کتاب کو پس پُشت ڈالکر) اتباع کی اُس چیز کی، جسے شیطان (خلوت گزین ۲/۱۴) عہدِ سلیمانی کیطرف منسوب کرکے تلاوت کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمان نے یہ کفر نہیں کیا تھا۔ ولیکن (ہاروت ماروت) شیطانوں نے (نقش سلیمانی وغیرہ کے نام سے تعویذ گنڈوں کو سلیمانؑ کے ذمہ لگا کر) خود کفر کیا ہے وہ لوگوں کو سحر (باطل تعلیم) سکھاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ (سلیمان کے ذمہ لگائی گئی، تعویذ گنڈوں وغیرہ کی) تعلیم مذکورہ بالا دو ملائکہ (جبریل و میکال) کے ذریعہ (کسی بھی نبی پر) نازل نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاروت ماروت بابل میں، کسی کو تعلیم نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اُسے کہتے تھے کہ، بلاشبہ ہم ایک فتنہ ہیں (یعنی جو کوئی ہماری اطاعت کے بعد ہمارا انکار کرتا ہے ہم اُسے تباہ کردیتے ہیں) پس تو انکار نہ کرنا۔ پھر لوگ اُن سے (تعویذ گنڈوں کی) وہ تعلیم سیکھتے تھے، جسکے ساتھ وہ میاں بیوی میں (فتنہ پیدا کرکے) جدائی کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس باطل تعلیم کیساتھ وہ کسی کو بھی تکلیف پہنچانیوالے نہیں۔ (یعنی تعویذ گنڈوں کیساتھ کسی کو کوئی

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

ڈالتے ہیں ساتھ اسکے درمیان مرد کے اور جورو اسکی کے اور نہیں

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ

وہ ضرر پہنچانیوالے ساتھ اسکے کسی کو مگر ساتھ حکم اللہ کے اور سیکھتے

عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

ہیں وہ چیز کہ ضرر دیتی ہے اُن کو اور نہ نفع دیتی ہے ان کو اور

خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ

البتہ تحقیق جانتے ہیں جو کوئی مول لیوے اسکو نہیں واسطے اسکے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۰۲

بیچ آخرت کے کچھ حصہ اور البتہ بُرا ہے جو بیچا ہے بدلے اسکے جانوں اپنی کو اگر ہوتے جانتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ

اور اگر تحقیق وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے البتہ

عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۰۳ ع ۱۲

ایک ثواب تھا نزدیک اللہ کے بہتر اگر ہوتے جانتے ۔

نقصان نہیں پہنچا) سوائے قانونِ خداوندی کے۔ (یعنی اگر کبھی اتفاق ہی ایسا ہو جائے کہ اِدھر کسی کو تکلیف پہنچانے کیلئے تعویذ لیا، اور اُدھر اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا یعنی اُسے حادثۃً کوئی تکلیف آ گئی) حقیقت یہ ہے کہ لوگ اُن سے وہ تعلیم سیکھتے تھے جو انہیں نہ نقصان دیتی ہے نہ فائدہ۔ اور بلاشبہ اُنہوں نے ظاہر کر دیا ہے (یعنی اُنکے حالات سے واضح ہو چکا ہے۔ کہ جو بھی اس باطل تعلیم کو اختیار کرینگے) آخرت میں اُنکا کوئی حصہ نہیں۔ (اُس قوم کا مستقبل تاریک ہو جائیگا) البتہ تحقیق بہت ہی بُرا ہے جسکے عوض وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں۔ اے کاش کہ فاسق لوگ اِس حقیقت کو سمجھیں۔

یہ مرید کہتے ہیں کہ مُریدی کے بدلے ہم نے مال جان سب کچھ دیدیا ہوا ہے۔

اور اگر وہ ایمان لائیں اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچیں تو اُن کیلئے اللہ کے ہاں بہتر بدلہ ہے۔ اے کاش کہ وہ اسے سمجھیں۔

لَقَدْ عَلِمُوْا معنی بیشک اُنہوں نے ظاہر کر دیا سورۃ آل عمران اور توبہ کی آیات کریمات ۳/۱۴۲ اور ۹/۱۶ کی روشنی میں بالتصریح ثابت ہے کہ عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے۔

میاں بیوی میں جدائی تعویذوں پر عقیدہ رکھنے والے میاں بیوی کیلئے اتنی سی بات ہی جدائی کیلئے کافی ہوتی ہے کہ فریقین میں سے کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ فریقِ ثانی نے اُسے تعویذ ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ صرف توہماتی اثر ہے۔ ورنہ "مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ" کے الفاظ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ سحر وغیرہ تعویذ گنڈے، بالفعل نہ فائدہ دیتے ہیں نہ نقصان، میاں بیوی کی جُدائی اور نفع نقصان وغیرہ کو تعویذوں کا اثر بتانا محض توہماتی چیزیں ہیں۔ جن کا اصل سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ اور اصل سبب کو نہ جانتے ہوئے، سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ تعویذ کا اثر ہے۔

تعویذ گنڈے عمل سے روک دیتے ہیں تعویذوں کا توہماتی نقصان سب کے سامنے ہے۔ کہ اگر کسی اچھے بھلے آدمی کو، جس کا تعویذوں پر یقین ہو کہدیا جائے کہ تجھے تعویذ کھلا دیئے گئے ہیں تو وہ اپنے آپکو بیمار سمجھنے لگتا اور وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اب اس پر کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اگر کوئی شخص بیمار ہو تو

اُسکا علاج کرنے کی بجائے اگر دم کرکے اور تعویذ گھول گھول کر پلائے جاتے رہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار تندرست ہونے کی بجائے، مرض سے کمزور ہوتا ہوا موت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ٹھیک علاج ہو رہا ہے۔ تو گویا تعویذ گنڈوں کا عقیدہ صحیح عمل یعنی علاج کی راہ میں دیوار بنکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہی حال زندگی کے باقی گوشوں کا ہے۔ جبتک ترقی کیلئے تعویذ گنڈے استعمال کئے جاتے رہے ناکامی دامنگیر رہی۔ مثلاً جبتک کھیت میں تعویذ دبائے جاتے تھے فی ایکڑ پیداوار دس بارہ من سے بڑھتی نہیں تھی، اور جب تعویذوں کی دنیا سے نکل کر میدانِ عمل میں قدم رکھا، تو فی ایکڑ پیداوار ایک سو ستاسی من تک پہنچ گئی۔

تین اہم نکات

آیت بالا نمبر ۱۰۲ میں تین اہم امور وضاحت طلب ہیں جن میں روائتی تفاسیر نے بلاوجہ ابہام پیدا کر لیا ہے:۔

۱۔ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ کے الفاظ میں الملکین سے بابل شہر کے ہاروت ماروت شیطان مراد ہیں، یا اوپر کے مذکور ملائکہ جبریل ومیکال؟

۲۔ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ میں مَا نافیہ ہے یا موصولہ۔ یعنی الۡمَلَكَيۡنِ پر کچھ نازل ہوا تھا یا نہیں؟

۳۔ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ میں کیا عَلٰی مبنی پر صحیح ہے، جو سو فیصدی تراجم میں لکھا ہے۔ یا بذرکیہ صحیح ہے جو اس ترجمہ میں لکھا گیا ہے؟

اَلۡمَلَكَيۡنِ سے مراد جبریل ومیکال ہیں

ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان؟ عام تراجم میں وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا يُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ ...... الخ کے الفاظ میں ہاروت ماروت کو الۡمَلَكَيۡنِ کا بدل مانکر یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور جب اس نظریئے پر یہ سوال پیدا ہوا، کہ فرشتوں کا کیا کام ہے جادو سکھانے کا؟ تو دو فرشتوں کے زہرہ کے عشق میں گرفتار ہو کر شراب پینے، ناحق قتل کرنے اور بُت کے سامنے سجدہ تک کرنے کا تصور پیدا کر لیا گیا ہے۔ اور پھر اس پر جب یہ سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں میں حُسن وعشق کی نسبت کہاں سے آگئی؟ تو یہ کہا گیا کہ فرشتوں نے خدا تعالیٰ کو طعنہ دیا تھا کہ انسان بہت گناہ کرتا ہے۔ اِسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا، کہ دو بڑے سے بڑے پرہیزگار فرشتے انتخاب کر لو۔ ہم اُنہیں غصّہ اور شہوت دیدیتے ہیں، پھر دیکھنا کہ وُہ کس طرح گناہ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرعہ فال ہاروت ماروت پر پڑا۔ اور وُہ خمر قتل اور شرک جیسے عظیم گناہوں میں ملوّث ہو گئے۔ العیاذ باللہ!

حالانکہ حقیقتِ حال دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ ہاروت ماروت بابل شہر کے دو شیطان، خلوت نشین ۲/۱۴ انسان تھے جنہوں نے حضرت سلیمان کے بعد آپ کے ذمّہ لگا کر تعویذ گنڈوں، نقشِ سلیمانی وغیرہ کی تعلیم جاری کی تھی۔ آیت مجیدہ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا میں اَلشَّيٰطِيۡنَ پر الف لام عہدی ذکری ہے، اور شیاطین کا ذکر وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۲/۱۴ میں گزر چکا ہے، کہ یہ خلوت نشین گروہ کے دو مشہور افراد تھے۔ بالفاظِ دیگر ہاروت ماروت کی دو الگ خلوتگاہیں تھیں، جہاں وُہ حضرت سلیمان کے ذمّہ لگا کر

نقش سلیمانی (تعویذ گنڈے) فروخت کیا کرتے اور لوگوں کو عمل سے بیگانہ کرنیوالی ورد وظائف کی باطل تعلیم دیا کرتے تھے لیکن اس ابہام کو دور کرنا ضروری ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان۔ اسکے لئے ذیل کی، قواعد کی بحث کو بغور ملاحظہ فرمائیں:-

آیت مجیدہ میں اَلشَّیٰطِیْنَ پر زبر اسلئے آئی ہے کہ یہ لٰکِنَّ کا اسم ہے۔ اور اسکے بعد چونکہ ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ پر بھی زبر آئی ہے۔ اسلئے قواعد عرب کے مطابق، کہ بدل اور مبدل منہ، اعراب میں باہم متماثل ہوتے ہیں۔ ہاروت ماروت اَلشَّیٰطِیْنَ کا بدل بنکر شیطان ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اَلْمَلَکَیْنِ مجرور ہے اور ہاروت ماروت چونکہ عجمہ ہیں، اُن پر زیر آنہیں سکتی۔ اسلئے قواعد کی رُو سے ان پر عجمہ ہونے کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ لہٰذا انہیں محلاً مجرور مانکر، اَلْمَلَکَیْنِ کا بدل بھی مانا جا سکتا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ لیکن اب چونکہ قواعد کی رُو سے [illegible] کے دونوں معنے درست ہیں۔ لہٰذا یہ آیت متشابہ بنے۔ پس اس امر کا فیصلہ کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہیں کرتے، محکم آیات نمبر ۱۶/ ۴۹-۵۰ میں موجود ہے یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ - ملائکہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہی نہیں۔ لیکن ہاروت ماروت چونکہ خدا تعالیٰ کے نافرمان تھے اسلئے وہ ملائکہ نہیں بلکہ شیطان ہیں۔ پس ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، اَلْمَلَکَیْنِ کا بدل ہرگز نہیں۔ اس پر قواعد کی یہ محکم دلیل موجود ہے کہ ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، اعراب میں متماثل ہیں اَلشَّیٰطِیْنَ کے۔ اسلئے یہ اَلشَّیٰطِیْنَ ہی کا بدل ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اَلْمَلَکَیْنِ بصیغہ تثنیہ سے کونسے دو ملک مراد ہیں؟ اسکا جواب سامنے پڑا ہوا ہے کہ اَلْمَلَکَیْنِ کا الف لام عہدی ذکری ہے۔ اور اوپر دو ملائکہ جبریل و میکال کا ذکر بالکل قریب موجود ہے۔ پس الملکین سے جبریل و میکال مراد ہیں ہاروت ماروت شیطانوں کو خواہ مخواہ فرشتے بنا لیا گیا ہے۔

تفسیر ثنائی مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم نے قرطبیؒ، ابن کثیر اور فتح البیان کے حوالے سے ہاروت ماروت کو بالفاظ ذیل شیاطین کا بدل لکھا ہے، الملکین کا نہیں۔ "امام رازی جیسے محققوں نے (ہاروت ماروت سے متعلقہ) ان سب قصوں کو خرافات اور اباطیل سے شمار کیا ہے۔ جو مترجمین نے اختیار کیا ہے۔ وہ قرطبیؒ نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر، اور فتح البیان وغیرہ میں مذکور ہے، کہ نواب محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی نقل کیا، بلکہ ترجیح دی ہے کہ ہاروت ماروت شیاطین سے بدل ہے۔" (بحوالہ ترجمہ و تفسیر ثنائی مطبوعہ ادارہ اشاعت دین ۱۴۲۱ اجمیری دروازہ دہلی صفحہ ۱۹)

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں مَا نافیہ ہے موصولہ نہیں ہے آیت زیر بحث کے الفاظ "مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ" میں مترجمین کے ہاں لفظ مَا کے نافیہ یا موصولہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ ترجمہ زیر نظر میں تحفظ ناموس باری کیلئے، اسے نافیہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مترجمین کی اکثریت نے اسے موصولہ قرار دیکر، یہ تاثر دیا ہے کہ ہاروت ماروت فرشتوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سحر یعنی جادو نازل ہوا تھا۔ اور سحر یا جادو کی تعریف وہ پیش کی جاتی ہے جسے آپ تفسیر نعیمی کے حوالے میں پڑھ چکے ہیں کہ گندم کا دانہ زمین میں دبانے کے بعد اسکا فوراً اُگ آنا، اس میں خوشے لگ جانا، پک جانا، خود بخود پس جانا اور فوراً روٹی تیار ہو جانا سحر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک طرف تو ایک عظیم الشان نعمت ہیں کہ آن واحد میں بلا محنت کھانا

پیک کرتیار رہ جائے۔ اور دوسری طرف اس بے پایاں انعام کا نزول انبیاؑ کی بجائے شیطانوں پر بتایا جاتا ہے یعنی انبیاؑ اور آپ کے صحابہؓ تو روٹی کیلئے ہل چلانے، بیج بولنے، پانی دیتے رہنے اور حفاظت کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ فصل کے پکنے کا چھ ماہ تک انتظار کرتے رہیں۔ پھر کاٹیں گاہیں، چکی میں پیسیں اور آگ پر خود پکاکر روٹی حاصل کریں، مگر شیاطین اور انکے ساتھی، کچھ نہ کریں اور سب کچھ پالیں۔ چونکہ یہ عجیب و غریب ناانصافی خدا تعالیٰ کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیجا سکتی۔ پس مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ کا مَا موصولہ نہیں نافیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سحر یا جادو نامی کوئی چیز ہرگز ہرگز نازل نہیں فرمائی جس کی مشاہداتی دلیل یہ ہے کہ دانوں کو زمین میں دبا کر پسا پسایا آٹا، یا پکی پکائی روٹی پورے کرۂ ارض پر کہیں بھی میسّر نہیں آتی۔ اسلئے ثابت ہوا کہ سحر یا جادو نامی کسی چیز کا وجود تک دُنیا میں موجود نہیں۔

مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ میں عَلٰی بمعنی پر غلط، اور بذریعہ صحیح ہے

اس آیت مجیدہ میں مترجمین کی اکثریت نے دو ملائکہ پر کچھ نازل ہونا۔ اور اقلیت نے کچھ نازل نہ ہونا تسلیم کیا ہے لیکن قرآن کریم کی رُو سے موردِ وحی ملائکہ نہیں، بلکہ انبیاؑ سلامٌ علیہم ہیں۔ ملائکہ محض ذریعہ ہیں اللہ کے پیغام کو اُسکے انبیا تک پہنچانے کا۔ اسلئے آیت زیر نظر میں عَلٰی بمعنی بذریعہ ہے پر نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سحر یعنی باطل کو جبریل و میکال کے ذریعہ کسی بھی نبی پر نازل نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ موردِ ہبوطِ وحی کے بدل دینے ہی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ سحر کا نزول خدا تعالیٰ کی طرف سے مان لیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآنی لغت ۲۶۲ کی رُو سے سحر کا معنی ہے باطل؛ اور ظاہر ہے کہ باطل کا نزول شیطانوں کی طرف سے تو مانا جاسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں مانا جاسکتا۔

حضورِ رسالت میں یہود کی گستاخی

اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۰۴ میں دورِ رسالت کے یہودیوں کی ایک مخصوص گستاخی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کہ جب وہ حضورِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آنحضورؐ کو اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے راعِنا کہا کرتے۔ یعنی ہماری رعایت فرمائیے لیکن ۴۶/۴ میں بالفاظ ذیل خبر دیگئی ہے کہ وہ راعنا زبان کو لپکا کر کہا کرتے تھے، جو بنجاتا ہے رَاعِیۡنَا اور بجائے اسکے کہ اسکا مفہوم یہ ہو کہ ہماری رعایت فرمائیے معنی بنجاتا ہے "ہمارا گڈریا"۔

مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـيًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ۴۶/۴ ۔ یہودیوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اُسکے مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اور وہ رسولِ عربی کو کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا اور نافرمانی کی۔ تو ہماری سُن سُنایا جا (یعنی دوسروں کی نہ سُن)، اور دین میں طعن دیتے ہوئے، اپنی زبان کو لپکا کر راعِنا کو راعِینا کہتے ہیں (ہمارا گڈریا)، خدا تعالیٰ کو اپنے رسولؐ کی شان میں ایسی گستاخیاں گوارا نہیں۔ یہود کے متعلق فرمایا۔ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۴۶/۴ اور اگر وہ بیشک یہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ اسلئے آپ سُنیئے اور ہماری طرف نظرِ کرم فرمائیے تو اُن کیلئے بہتر ہے ـــ اس طرح خدا تعالیٰ نے گستاخ یہودیوں کو تو کچھ نہ کہا مگر مومنوں کو حکم دیا کہ تم ہمارے رسولؐ کیلئے وہ لفظ استعمال ہی نہ کرنا، جو توہینِ رسالت کیلئے تراشا گیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس

کی اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو ہماری طرف
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۱۰۴
غور کریں اور سنو اور واسطے کافروں کے ہے عذاب دینے والا۔

ایمان والو تم راعنا مت کہا کرو۔ بلکہ انظرنا کہا کرو۔ اور ہمارے رسول سے ہمارا کلام سنا کرو۔ کیونکہ انکار کرنے والوں کے لئے ہمارے ہاں دردناک عذاب ہے۔

اہل کتاب کے منکرینِ نبوت اور مشرکین کو آنحضور پر وحی کا نازل ہونا برداشت نہ ہوا

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وجہ بتائی گئی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین حضور پر رسالت میں اس طرح گستاخیاں کیوں کرتے ہیں۔ اسلئے کہ انہیں بنی اسماعیل میں نزولِ کتاب گوارا ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
نہیں دوست رکھتے وہ لوگ جو کافر ہوئے صاحب کتاب
وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ
سے اور نہ مشرکوں سے یہ کہ اتاری جاوے اوپر تمہارے کچھ بھلائی
مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ
پروردگار تمہارے سے اور اللہ خاص کرتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ ۱۰۵
جسکو چاہتا ہے اور اللہ تو صاحب فضل بڑے کا ہے۔

ایمان والو! نہ اہل کتاب کے منکرین ربوبیت اس چیز کو پسند کرتے ہیں، اور نہ اللہ کیساتھ شریک ٹھہرانیوالے، کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر (اللہ کی کتاب قرآن کریم) نازل ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ (نبوت کیلئے) مختص کر لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحب فضلِ عظیم ہے۔

آخری ہدایت نامہ قرآن کریم ہے

آیت مجیدہ کے ان الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق نبوت ہبہ فرماتا تھا۔ اکتساب کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاتی تھی تحقیق برخبتہ نعل مضارع ہے یہ تصور لینا غلط ہے کہ جناب خاتم النبیین صلعم کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق نبوت کیلئے مختص کرتا رہتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جبتک انسانیت دورِ طفولیت میں تھی، اللہ تعالیٰ پے درپے نبی بھیجتا رہا۔ اور جب انسانیت بالغ ہو گئی، تو اپنی آخری کتاب نازل فرما کر، اور اسکی حفاظت کا ذمہ لیکر [15/9]، آئندہ کیلئے آنحضور کے متعلق خاتم النبیین ہونے کا اعلان کر دیا۔ کہ نبوت کو قیامت تک کیلئے قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا ہے، اور اب نبیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے [33/40]، اب نوعِ انسانی قیامت تک کیلئے قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرتی رہے۔

اللہ تعالیٰ شیطانوں کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے۔

سلسلۂ درس کی اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۰۶، آیۂ نسخ کہلاتی ہے جس سے روائتی تفاسیر نے یہ تصور اخذ کیا ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی

آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے سورۂ حج میں فیصلہ دیدیا ہے کہ وہ اپنی نہیں، بلکہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ $\frac{22}{52}$ ۔ اور اے رسول! نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی، مگر اسکے ساتھ ضرور ایسا ہوا کہ جب وہ ہمارے کلام کی تلاوت کرتا، تو شیطان (بزبان انسان) اسکی تلاوت کردہ کلام میں کچھ اپنی طرف سے شامل کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس چیز کو، جو شیطان پیش کرتا منسوخ کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔

غور فرمائیگا! کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ مذکورہ بالا $\frac{22}{52}$ میں، اپنی مستقل سُنت بیان فرمائی ہے کہ جب بھی کسی نبی رسول کی مجلس میں کوئی شیطان اپنی طرف سے کچھ پیش کرتا تو اُسے منسوخ کر دیا جاتا۔ اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیا جاتا تھا۔ اب آپ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۰۴ میں دیکھ چکے ہیں کہ مجلسِ رسول سلامٌ علیہ میں، جہاں کلام الٰہی کی تلاوت ہوتی تھی تو حاضرین استفسارِ مسائل کیلئے آنحضور کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ تو یہودیوں نے آپکو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے زبان میں لچک پیدا کرکے جب راعنا کو راعینا کہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے $\frac{22}{52}$ کی مستقل سُنتِ مطہرہ کے مطابق شیطان کی اِس نشانی راعنا کو منسوخ کر دیا۔ اور اپنی آیت اُنظرنا کو محکم فرما دیا۔ دیکھئے! $\frac{6}{22}$، $\frac{6}{44}$، $\frac{6}{65}$ کی قسم کی آیات کریمات، جن میں آنحضور کو خدا تعالیٰ نے بار بار اُنظُر اُنظُر اُنظُر فرمایا ہے۔ اور مومنین کو اسی کی تاکید فرما کر کہ حضورِ رسالت میں اُنظرنا کہا کرو، اپنی اِن آیتوں کو محکم کر دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِس راعنا کی تنسیخ اور اُنظرنا کی تحکیم کی خبر دیگئی ہے :۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ
جو موقوف کرتے ہیں ہم آیتوں سے یا بھلا دیتے ہیں

مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
ہم ان کو لاتے ہیں ہم بہتر اس سے یا مانند اسکے۔ کیا نہ جانا تو نے

قَدِيْرٌ ۝ ۱۰۶
یہ کہ اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ۔

اور نہیں ہم منسوخ کرتے کسی (شیطانی) نشانی کو $\frac{22}{52}$، یا اُسے بھول جانے کا حکم دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر اور اس کی مثل لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیمانے قانون مقرر کرنے والا ہے۔

(نوٹ) اِس آیت کا مقابلہ مندرجہ بالا آیت $\frac{22}{52}$ کے ساتھ کریں۔ اِس آیت میں آیا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ، اور $\frac{22}{52}$ میں آیا ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ پس ثابت و بیّن ہے کہ نَنْسَخْ کا بدل ہے يَنْسَخُ اللّٰهُ اور اٰيَةٍ کا بدل آیا ہے مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ۔ پس اٰيَةٍ سے مُراد یہاں اللہ کی آیت نہیں۔ بلکہ شیطان کی نشانی ہے، جیسے کہ یہودی شیطانوں نے خود راعنا تراش لیا تھا۔ راعنا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیت ہرگز نہیں۔

اَوْ بمعنی واؤ اور ترجمہ میں اَوْ کا معنی واؤ کیا گیا ہے۔ اسکے لئے دیکھیے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً میں اَوْ بمعنی اور ہے، یعنی کوئی حرج نہیں کہ اگر تم مس سے پہلے بیویوں کو طلاق دو اور تم نے مہر مقرر نہیں کیا۔ اس سے آگے دوسری صورت بیان ہوئی ہے۔ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ اور اگر تم انہیں مس سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کیا ہے ۲۳۶-۲۳۷/۲
یہاں مولوی احمد علی لاہوری، اشرف علی، مولوی ثناء اللہ صاحبان سب نے اَوْ کا معنی اور ہی لکھا ہے۔

بہتر بھی اور مثل بھی اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطانی نشانی منسوخ کرکے اسی جیسی ہی آیت لائی جائے، تو منسوخ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب خود آیت مجیدہ نمبر ۱۰۴ میں موجود ہے کہ شیطانی نشانی رَاعِنَا کو منسوخ کرکے اُنْظُرْنَا لایا گیا ہے، جو مفہوم کے لحاظ سے اسکی مثل ہے، یعنی ہماری رعایت فرمایئے، اور ہماری طرف نگاہ فرمایئے دونوں مترادف المفہوم ہیں۔ لیکن اُنْظُرْنَا رَاعِنَا سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں توہینِ رسالت کیلئے لچک پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آیت مجیدہ کا آخری جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اس جملے کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ کائنات یعنی سنّتِ جاریہ، اور اپنی آیات کریمات یعنی اپنے نازل کردہ ضابطے میں ردّ و بدل اور ترمیم و تنسیخ پر قادر ہے۔ جہاں تک اسکی قدرت کا تعلق ہے، بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن قرانی لغت اور تصریف آیات کی روشنی میں اس جملے کا مذکورہ معنی غلط ہے۔ لفظِ قدیر صفت مشبّہ ہے مادہ قدر سے۔ اور قدر کا معنی ہے اندازہ مقرر کرنا، قانون بنانا۔ اور اس مادہ سے اسم فاعل، قادر کا معنی ہے اندازہ مقرر کرنے والا، قانون بنانے والا، اور قدیر صفت مشبّہ کا معنی ہے صحیح صحیح اندازے مقرر کرنے والا صحیح صحیح قانون بنانے والا پس اس جملے کا صحیح معنی یہ ہے:۔
بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا صحیح صحیح اندازہ مقرر کرنے والا، صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔ اب بتایئے! کہ کیا جو ذاتِ مقدس صحیح صحیح قانون بنانے والی ہے۔ اور اسکے بنائے ہوئے قوانین جاریہ میں کبھی بھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ کیا اس کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ایسا ہو سکتا ہے کہ اس میں اسے وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ کرنی پڑ جایا کرے؟ ہرگز نہیں۔
آیۂ نسخ ۱۰۶ کا صحیح مفہوم آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس پر خدا تعالیٰ نے، اگلی آیت کریمہ کو بطورِ دلیل قاطعہ پیش کیا ہے۔ کہ جب اسکے ارض و سماوات کے کائناتی قوانین میں کبھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑی، تو ضابطۂ انسانی کے طور پہ نازل کردہ قوانین (آیاتِ قرانیہ) میں تنسیخ کی ضرورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ دیکھئے ارشادِ ربّانی:۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	کیا تو نہیں جانتا (یعنی تجھے جاننا چاہیئے) کہ بلاشبہ اللہ
کیا نہیں جانتا تو یہ کہ اللہ تو واسطے اسکے ہے بادشاہی آسمانوں کی	ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی۔ اور جان لو کہ

وَالْاَرْضِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۰۷ تمہارے لئے اُس کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

اور زمین کی اور نہیں واسطے تمہارے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار

● دیکھئے! اس آئت مجیدہ میں دعوت دی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں خدا تعالیٰ کی حکومت جاریہ پر غور کرکے دیکھ لو کہ کیا اُسکے قوانین جاریہ میں کہیں ترمیم و تنسیخ موجود ہے؟ اور جب اِس میں اُسے کہیں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑتی تو جان لو کہ اپنے نازل کردہ ضابطے میں بھی اُسے تنسیخ کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ نیز خدا تعالیٰ نے ۲۲/۵۲ میں اعلان عام کر دیا ہے کہ وہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آئتوں کو محکم کر دیتا ہے لیکن:-

روائتی تفاسیر کی رُو سے اسلام میں نسخ کی چار صورتیں ہیں

لیکن روائتی تفاسیر نے نسخ کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ دین میں اِسکی چار صُورتیں بتائی ہیں:-

۱- قرآن کی تنسیخ قرآن کیساتھ ۲- حدیث کی تنسیخ حدیث کیساتھ۔

۳- حدیث کی تنسیخ قرآن کیساتھ- اور ۴- قرآن کی تنسیخ حدیث کے ساتھ۔

دیکھئے تفسیر نعیمی سورہ بقر صفحہ ۴۰۸ پر اسی آیۂ نسخ کی تفسیر میں لکھا ہے:- نسخ کی چار صُورتیں ہیں۔ نسخ آئت کا آئت سے ...... دوسرے، نسخ حدیث کا حدیث سے ...... تیسرے، نسخ آئت کا حدیث سے (معاذ اللہ استغفر اللہ) ...... چوتھے، نسخ حدیث کا قرآن سے — قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی پیش کردہ نشانیوں کو منسوخ اور اپنی آئتوں کو محکم کرتا ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ بھی اپنی آئتوں کو منسوخ نہیں کرتا۔ لیکن روائتی تفاسیر ہیں، کہ قرآن کریم کو حدیث کیساتھ منسوخ کر رہی ہیں۔

اِس طرح روائتی تفاسیر نے کہیں تو قرآنِ کریم کی پانچ سو آئتوں کو منسوخ کیا ہے، بعض کو خود قرآن کریم کیساتھ۔ اور بعض کو احادیث کیساتھ۔ پھر خود ہی علماء روایات، اختلاف کرکے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے دور تک اِن کی تعداد کو خود گھٹاتے چلے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ پانچ سو کی پانچ رہ گئیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آئتیں منسوخ بتائی ہیں۔ ناسخ منسوخ کی دلّی بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۴ میں ملاحظہ فرمائیں — افسوس ہے کہ روایات کے نظریۂ نسخ آیات قرآنیہ میں اللہ اور رسُول کے الگ الگ مدارج کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے آئت نازل کرے اور اُسکا رسُول اُسے منسوخ کر دے؟۔ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا قرآن بھر میں کہیں آنحضور کو تنسیخ آیاتِ قرآنیہ کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے؟ اور جب آپ کا یہ منصب ہی نہیں، بلکہ آپکا منصب تبلیغ قرآن ہے، تنسیخ قرآن نہیں ۵/۶۷، اور اتباع قرآن ہے، اختلاف قران نہیں ۹/۵ + ۱۰/۱۵، تو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حدیث ناسخ قرآن ہے۔ اور پھر صاحب تفسیر نعیمی نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے نسخ القرآن بالحدیث کی جو مثال پیش کی ہے۔ وہ کسی معمولی عقل کی میزان پر بھی پوری نہیں اترتی۔ اسی صفحہ ۴۰۸ پر حدیث کے ساتھ آئت قرانی کے نسخ کی یہ مثال پیش کی گئی ہے کہ:-

جیسے ماں باپ اور اہل قرابت کو وصیّت کرنا قرآن سے ثابت ہے اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ - مگر یہ

آئت حکم حدیث لَا وَصِیَّۃَ لِلْوَارِثِ سے منسوخ ہے ۔ دیکھئے کتنی ضروری آئت کو معاذاللہ معاذاللہ، حدیث کے ذریعہ منسوخ ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کی مختلف حالتوں کے پیش نظر، ان کیلئے وصیّت کا انتہائی ضروری حکم دیا ہے مثلاً اگر متوفی کے دو بیٹے ہیں، ایک تعلیم پاکر برسر روزگار ہو چکا ہے۔ اور دوسرا ابھی دودھ پیتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس بچے کی تعلیم و تربیت کا وہ خرچ، جو بڑا لڑکا حاصل کر چکا ہے، وصیّت کے ذریعہ الگ کر دیا جائے۔ اور باقی مال دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اسکے بغیر مذکورہ صورت میں دونوں بھائیوں کے درمیان، مال کی مساوی تقسیم چھوٹے بچے پر انتہائی ظلم ہے۔ اسکا حصّہ تو اُسکے فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیگا۔ اسی طرح غیر شادی شدہ بچے کو بھی، شادی کا خرچ الگ دیئے بغیر مساوی حصّہ دینا صحیح نہیں۔ انہی ناہمواریوں کا حل خدا تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے، کہ مرنے والا اپنی اولاد، اور ماں باپ کے وقتی حالات کے مطابق اُن کیلئے وصیّت کر جائے۔ اور باقی مال مقرّرہ حصّوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، جسے معاذاللہ، معاذاللہ آنحضور سلام علیہ کے ذمّہ لگا دیا گیا ہے کہ آپنے اس آئت کو منسوخ کر دیا تھا۔

بروائتی تفاسیر کی رُو سے نسخ آیات کی تین قسمیں ہیں

تفسیر نعیمی کے صفحہ ۲۰۴ پر درج ہے کہ :- نسخ کی چار صورتوں کے علاوہ، اسکی تین قسمیں بھی ہیں، نسخ تلاوت، نسخ حکم اور نسخ تلاوت و حکم۔ نسخ تلاوت یہ ہے کہ آئت کے الفاظ قرآن میں نہ رہیں۔ اور نماز وغیرہ میں اسکی تلاوت بھی جائز نہ ہو۔ مگر اُسکے احکام باقی ہوں، جیسے کہ یہ آئت اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۝ یعنی جب بڈھا اور بڈھی بے حیائی کے مُرتکب ہوں تو اُنہیں سنگسار کرو، اللہ سے ڈرانے کیلئے۔ یہ آئت تلاوتاً منسوخ ہے، مگر اسکا حکم باقی ہے۔

منسوخ فی الحکم یہ کہ آئت قرآن میں موجود رہے، اسکی تلاوت بھی ہوتی رہے۔ مگر اسکا حکم باقی نہ ہو۔

منسوخ التلاوت والحکم یہ کہ نہ تو آئت کا حکم باقی رہے نہ تلاوت، جیسے ایک آئت تھی عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا دودھ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی۔ مگر اب نہ اسکی تلاوت رہی ہے اور نہ اسکا حکم۔ بلکہ ایک گھونٹ سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ۔۔۔ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدّس کیساتھ روایات نے عقل و نقل دونوں کی رُو سے انتہائی مخالفانہ سلوک روا کر رکھا ہے:- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۹/۱۵ کی رُو سے قرآن کریم میں سے حکم یا تلاوت، کسی بھی چیز کے غائب ہونے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے نقل ۔۔۔ اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بفرض محال نسخ آیات کا عقیدہ لازم ہی مانا جائے، تو جس آئت کا حکم منسوخ ہو اُسکی تلاوت بھی منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور جس کی تلاوت منسوخ ہو، اُسکا حکم بھی منسوخ ہونا چاہیئے۔ لیکن یہاں کسی قاعدہ قانون کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ کہیں آئت موجود ہے اور حکم غائب، اور کہیں حکم موجود ہے اور آئت غائب۔ العیاذ باللہ

بنی اسرائیل کیطرح سوال نہ کیا کرو

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی فہرست میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ انکا معمول تعمیل حکم کی بجائے حضرت موسیٰ پر سوال در سوال کرتے رہنا بتایا گیا ہے۔ اسلئے آگے

بڑھنے سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضورؐ پر بنی اسرائیل جیسے طنزیہ الفاظ کیساتھ سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ سوال کرو پیغمبر اپنے سے جیسا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ سوال کیا گیا تھا موسیٰ پہلے اس سے اور جو کوئی بدل ڈالے کفر کو بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۱۰۸ بدلے ایمان کے پس تحقیق گمراہ ہوا راہ سیدھی سے۔	کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسول پر سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ پر (بنی اسرائیل کی طرف سے) سوال کئے گئے تھے (تم ایسا نہ کرنا ۵/۱۰۱) حقیقت یہ ہے کہ (کٹ حجتی کا ایمان کیساتھ کوئی تعلق نہیں) جس شخص نے ایمان کو کفر کیساتھ بدل دیا۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

● اس آیت میں طنزیہ سوالوں سے منع کرنے کے بعد، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں سے سوال کرانے میں بھی اہل کتاب کا ہاتھ ہے، وہ بعض صحابہ کو اس غرض سے سوالوں پر اکساتے تھے، کہ وہ باطل مذاہب کی طرف لوٹ آئیں۔

وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ دوست رکھتے ہیں بہت اہل کتاب میں سے کاشکے پھیر مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ دیں تم کو پیچھے ایمان تمہارے کے کافر حسد سے پاس ہی اپنے اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَـقُّ‌ۚ فَاعۡفُوۡا کے سے پیچھے اسکے کہ ظاہر ہوا واسطے انکے حق پس معاف وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ کرو اور درگزر دو یہانتک کہ لاوے اللہ تعالیٰ حکم اپنا (یعنی عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۱۰۹ جہاد کا) تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔	اہل کتاب کی اکثریت، پیچھے اسکے کہ ان پر حقیقت عیاں ہو چکی ہے، اپنے حسد کی بدولت یہ چاہتی ہے کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دے۔ پس ایمان والو! ان سے درگزر کرو اور انکے توہین آمیز رویّہ کو کوئی وقعت نہ دو ۵/۱۵، ۳/۱۸۶، یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لے آئے (یعنی اُسکے مقررہ قوانین کے مطابق انکے جرائم کی سزا کا وقت آجائے۔ کیونکہ وہ اپنے مقررہ قانونِ مہلت کے خلاف جلدی نہیں کرتا۔ لہٰذا تم بھی جلدی نہ کرو) بلاشبہ وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین بنانے والا ہے۔

نظامِ ربوبیت قائم کرو | بنی اسرائیل کی کٹ حجتیوں سے صرفِ نظر کی تاکید کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرو (یعنی معاشرہ کے کمزوروں کا حق ربوبیت مہیا کرو)۔

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ‌ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور جو کچھ کہ آگے بھیجو گے	(اہل کتاب تمہیں بھٹکا کر باطل دین کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ اُن سے صرفِ نظر کرو) اور الصّلوٰۃ (نظامِ ربوبیت)،

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
واسطے جانوں اپنی کے بھلائی سے پاؤگے اسکو نزدیک اللہ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۱۰
تعالیٰ کے تحقیق اللہ ساتھ اس چیز کے کرتے ہو دیکھنے والا ہے

قائم کرو۔ یعنی اجتماعی طور پر معاشرہ کے کمزوروں کو فربہی دو۔ اور (اس کیلئے تم جو کچھ خرچ کروگے وہ تمہاری ہی جانوں کیلئے ہوگا) جو کچھ تم اپنی جانوں کیلئے آگے بھیجوگے۔ اُسے اللہ کے ہاں موجود پاؤگے۔ بلاشبہ تم جو بھی کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُسے دیکھنے والا ہے۔

اقامت صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ کی اصطلاح، قرآنِ کریم کی رُو سے ایک ایسا اجتماعی نظام ہے، جو صلوٰۃ موقّت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے مسجدی نظام بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۴ میں مسجد کا نام لیکر اسے مسجد ہی سے متعلق بتایا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ ربوبیّت کی ابتداء صلوٰۃ موقّت سے ہوتی ہے، یعنی خدا تعالیٰ کی حاضری اور نوعِ انسانی کی خدمت کے مقدس جذبہ کے ماتحت مومنین روزانہ صبح کی صلوٰۃ مسجد میں اکٹھے ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اور حلقۂ مسجد کے جملہ افراد کی رُکی ہوئی ضرورتوں میں ایک دوسرے کے ممدّ ومعاون بنتے ہیں تفصیل آیت نمبر ۱۱۴ کے ضمن میں آگے آرہی ہے۔

اہلِ اسلام کے مقابلے پر یہود و نصارٰی کی الگ الگ کوشش

سابقہ آیاتِ کریمات میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی طویل فہرست کے بعد اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصارٰی کے متعلق کہ وہ اہلِ اسلام کو، اسلام سے بہکانے، اور انہیں اپنے اپنے مذہب کی طرف لوٹانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اہلِ اسلام کو جنت نہیں ملیگی۔ جنّت یا تو یہود کا حق ہے یا نصارٰی کا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اِس چیز کو اُن کی محض خوش فہمی قرار دیکر حقیقتِ حال کا اعلان فرما دیا ہے کہ، دُنیا اور آخرت کی جنّت، نفسانی خواہشات سے الگ رہکر، اپنی رضا کو احکامِ خداوندی کے تابع کر دینے کا بدلا ہے۔ محض عقیدت مندی کے خیالی محل تعمیر کرنے کا صلہ جنّت نہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
اور کہا انہوں نے ہرگز نہ داخل ہوگا بہشت میں مگر جو
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا
کوئی ہو دیگا یہود یا عیسائی یہ ہیں آرزوئیں اُنکی کہہ لاؤ دلیل
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۱۱
اپنی اگر ہو تم سچے۔

اور اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ نہیں داخل ہوگا جنّت میں، مگر وہ، کہ یا وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو ($\frac{۲}{۱۳۵}$) یہ اُن کی (محض کھوکھلی اور باطل) امیدیں ہیں۔ اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ۔ ملہ

ملہ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ تِلْكَ اسم اشارہ مؤنث بعید، بمعنی مذکورہ بالا۔ اَمَانِی اُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے۔ اِسکا سہ حرفی مادہ م-ن-ی ہے۔ اور بنیادی معنٰی ہے کسی چیز کا اندازہ کرنا۔ ظن و تخمینہ۔ خواہش محض۔ باطل آرزو۔ (نیز اس کا معنٰی تلاوت کرنا بھی ہے $\frac{۲۲}{۵۲}$)

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هَاتُوْا، مصدر مُهَاتَاةٌ بمعنی دینا ہے، امر جمع مذکر ہے (المنجد) یعنی تم اپنی دلیل دو۔

بُرہان کا مادہ ہے۔ ب۔ ر۔ ہ بَرِہَ جس کا معنی ہے روشن ہونا اور بَرہَنَہُ کا معنی ہے مضبوط ہونا۔ قرآن کریم کے لئے آیا ہے، قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ ۴/۱۷۴ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطعہ قرآن عظیم آگیا ہے، یعنی ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل کیا ہے۔ اس طرح اہلِ کتاب سے اُنکی کتاب کی دلیل مانگی گئی ہے۔ اب هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ، کے جواب میں نہ وہ محرّف کتابیں پیش کر سکتے تھے نہ منسوب روائتیں کیونکہ جیسے کہ آئت نمبر ۱۱۳ میں آگے آرہا ہے وہ خود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی اپنی کتابوں کی سند سے ہی ایسا کرتے ہیں۔ نیز ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہرانے والے دونوں گروہ عقل کی رُو سے بھی ایک سچّے ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس آئت میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو بہکانے کے لئے الگ الگ کہتے تھے کہ جنّت صرف یہود و نصاریٰ کا حق ہے۔ لیکن :-

اِس سے اگلی آئت میں فیصلہ دیدیا گیا ہے، کہ جنّت، بدلہ ہے اطاعت خداوندی کا۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
بلکہ جو شخص کہ سونپ دے مُنہ اپنا واسطے اللہ کے اور وُہ
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
ہو نیکی کرنے والا۔ پس واسطے اُسکے ثواب اُسکا ہے نزدیک پروردگار
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ۱۱۲ ع ۱۳
اُسکے کے اور نہیں ڈر اوپر اُنکے اور نہ وُہ غمگین ہونگے۔

ہاں دُنیوی اور اُخروی جنّت اُس گروہ کا حصّہ ہے، جس نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا، یعنی وُہ (معاشرہ میں) حُسن و توازن پیدا کرنے والا ہو۔ پس اُس کیلئے (قیامِ توازن کا) اجر اُسکے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے۔ اور انہیں جزا سے محروم ہونے کا خوف بھی نہیں ہوگا۔ اور نہ اعمال کے ضائع ہوجانے کے غم میں وُہ غمگین ہونگے۔

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ اَسْلَمَ کا سہ حرفی مادہ س۔ ل۔ م سَلِمَ ہے۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے سلامتی میں آجانا۔ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوجانا۔ اِسی مادہ سے سِلْم، سُلَّم، اسلام اور تسلیم کے الفاظ مشتق ہیں۔ سِلْم کا معنٰی ہے صلح و صفائی، ظاہر ہے کہ صلح صفائی امن و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ سُلَّمٌ کا معنٰی ہے سیڑھی یعنی کسی بلندی پر پہنچنے کا قابلِ اعتماد اور امن بدوش ذریعہ۔ اِسلام اور تسلیم کا معنٰی ہے مطیع و فرمانبردار ہونا۔ مُسْلِم کا معنٰی ہے فرمانبردار، مطیع و منقاد۔

وَجْهَهٗ کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ ج۔ ہ۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے سامنے والی چیز۔ چنانچہ اس لفظ کا معنٰی سامنے، روبرو، طرف وغیرہ اِسی بنیاد پر لیا جاتا ہے۔ وجہ النّہار کا معنٰی ہے دن کا سامنے کا حصّہ یعنی پہلا حصّہ۔ ہر چیز کے افضل و اشرف حصّہ کو بھی وجہ کہتے ہیں اِسطرح قوم کا سردار وجہ القوم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سامنے والی چیز کی رعائت سے، چہرہ چونکہ ہر وقت سامنے رہتا ہے، اِسلئے اِسے بھی وجہ کہتے ہیں۔ اور اِس سے آگے چونکہ پُورا جسم بھی سامنے رہتا ہے۔ اِسلئے جُزء کے بعد کُل پر اِس کا اطلاق ہونے لگا۔ اور وجہ کا معنٰی ذات ہُوا، یعنی اپنا آپ۔ چنانچہ اِس آئت مجیدہ میں مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا معنٰی لکھا گیا ہے، جس نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار

کر دیا۔

یہود و نصاریٰ خود ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہراتے ہیں

اگلی آیت مجیدہ میں ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ کے جواب میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ دلیل کیا لائینگے۔ جو خود ایک دوسرے کو غلط نظریات اور باطل تصورات کے حامل قرار دیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى
اور کہا یہود نے نہیں نصاریٰ اوپر کسی چیز کے
عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ
اور کہا نصاریٰ نے نہیں یہود اوپر کسی چیز کے اور
عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ
وہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے
قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ
جو نہیں جانتے مانند بات اُن کی کے پس اللہ حکم
فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا
کرے گا درمیان اُن کے دن قیامت کے بیچ اُس چیز
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ۱۱۳
کے کرتے بیچ اُسکے اختلاف کرتے۔

(یہ کیا دلیل لائینگے) جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں حالانکہ وہ (دونوں اپنے اپنے زعم میں) اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب پڑھتے ہیں اسیطرح وہ لوگ جو کتاب کے مسائل کو چھپاتے ہیں (یعنی اُن کے علماء، جو عوام میں سند مانے جاتے ہیں، مگر) وہ بھی انہی کے قول کی مثل کہتے ہیں (ایک دوسرے کو لاشئے قرار دینا، دلیل کا بدل نہیں ہوسکتا) پھر اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان قیامت کے دن اُن مسائل کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ آپس میں جھگڑا کرتے چلے آرہے ہیں۔

عَلِمَ لِنَعْلَمَ کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے

آیات کریمات $\frac{۳}{۱۴۲}$ اور $\frac{۹}{۱۶}$ میں عَلِمَ لِنَعْلَمَ کا معنی ثابت ہے ظاہر کرنا۔ اسطرح یَعْلَمُونَ کا معنی ہے وہ ظاہر کرتے ہیں، اور لَا یَعْلَمُونَ کا معنی ہے وہ ظاہر نہیں کرتے، چھپاتے ہیں۔ $\frac{۹}{۱۶}$ میں آیا ہے:۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ۔ دیکھئے یہاں یَعْلَمِ اللّٰهُ کا معنی ہے اللہ نے ابھی ظاہر نہیں کیا۔ اسکے برعکس اگر یہ معنی لیا جائے کہ ابھی اللہ نے جانا نہیں تو علم الٰہی پر زد پڑتی ہے۔

ربوبیت کا مسجدی نظام۔ مسجد مومنوں کا دیوانِ عام ہے

اوپر آیت نمبر ۱۱۰ میں حکم دیا گیا ہے، اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ، جس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ لیکن تصریفِ آیات کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اسطرح ہمارا مقصد صلوٰۃِ موقّت، یعنی نماز کی اہمیت کو ضائع یا کم کرنا نہیں۔ اگلی آیت نمبر ۱۱۴ کی رُو سے ثابت ہے کہ ہموار و متوازن معاشرہ کا مرکزی مقام مسجد ہے۔ اور نظامِ ربوبیت، صلوٰۃِ موقّت (نماز) ہی

سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے یہ تصوّر ہرگز صحیح نہیں ہے کہ نماز پڑھی اور گھر چلے آئے۔ اور سمجھ لیا کہ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کا حکم پورا ہو چکا۔

• یاد رہے کہ صلوٰۃ موقّت (نماز) قرآنی معاشرہ کی وُہ ماڈل صُورت ہے جسے خداوند تعالیٰ مسجد سے باہر معاشرہ میں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یعنی جس طرح نماز کی صف میں اعلیٰ و ادنیٰ اور بندہ و صاحب کی کوئی تمیز موجود نہیں ہوتی۔ اسیطرح وُہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں حقیقی طور پر کوئی اُونچ نیچ باقی نہ رہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسجد میں آکر تو ایاز و محمود ایک صف میں کھڑے ہو جائیں مگر مسجد سے باہر جا کر پھر محمود محمود ہو اور ایاز ایاز، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جسطرح مسجد میں محمود محمود نہیں تھا اور ایاز ایاز نہیں تھا اُسی طرح معاشرہ میں بھی یہ امتیاز ختم ہو کر اسلامی مساوات کی صرف زبانی رٹ نہ لگائی جائے۔ بلکہ پُورا معاشرہ حقیقتاً توازن و مساوات کا پیکرِ محسوس بنا ہُوا ہو۔

• یہ تو ہم ابتدا ہی میں واضح کر چکے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اُس مقام پر لیجانا چاہتا ہے جہاں ہر چیز بصورتِ محسوس اللہ تعالیٰ کی قرار پائے۔ ایسا نہ ہو کہ مکان کے دروازہ پر تو لکھا ہے "۔ درحقیقت مالکِ ہر شے خدا است، ایں امانت چند روزہ نزدِ ما است ۔ یعنی فی الحقیقت ہر چیز کا مالک خُدا تعالیٰ ہے۔ یہ مکان یا کوٹھی، صرف چند روزہ امانت ہے جو میرے پاس ہے ۔ اور اُس خُداوندی امانت کا کرایہ خود اُسی کی مجبُور مخلوق سے سَو دو سو، چار سو روپیہ ماہوار وصُول کیا جا رہا ہو۔ العیاذُ باللہ!

• المختصر! مسجدی نظام میں پُوری آبادی، مسجدی حلقوں میں تقسیم ہو کر اپنی اپنی مسجد سے متعلق ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کو صُبح کی نماز مسجد میں ادا کرنی ہوتی ہے۔ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۱۷/۷۸۔ بلاشبہ فجر کی نماز کا پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کے باقی وقتوں میں ہر شخص اپنے کاروباری مقام پر ہوتا ہے لیکن فجر کے وقت سب گھر پر ہوتے ہیں۔ اس روزانہ حاضری کی غرض بتائی گئی ہے:۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَ صَابِرُوۡا وَ رَابِطُوۡا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○ ۳/۲۰۰ ایمان والو! خود ثابت قدم رہو، دُوسروں کو ثابت قدم رکھو، اور آپس میں رابطہ قائم کرو، اور قائم رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

• اِسیطرح باہمی رابطے کیلئے فجر کی صلوٰۃ کو حلقۂ مسجد کے نمازیوں کیلئے مخصوص کیا گیا ہے ۱۷/۷۸ تاکہ حلقہ کے جُملہ مومنین ایک دُوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوں۔ اِس شرکت میں ایک دُوسرے کی مالی بدنی ہر قسم کی مدد ضروری ہے۔ یہی ہے اقامتِ صلوٰۃ کیساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کا مفہوم۔ اور جس مسجد میں ایسا نظام قائم ہو، قرآن کی اصطلاح میں وُہ مسجد آباد ہے۔ اور جو کوئی اس نظام کو ختم کر کے انفرادی تصوّرات "نماز پڑھی اور چلے گئے" کا نظام قائم کرے وہ مسجد کو برباد کرتا ہے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنۡ یُّذۡکَرَ

اور کون ہے بہت ظالم اُس شخص سے کہ منع کرتا ہے مسجدوں

اور اُس سے بڑھکر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے منع کرتا ہے کہ اُن میں اللہ کے اسم کا ذکر نہ ہو۔ اور اسطرح اُنکی

فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ
اللہ کی مسجد کہ ذکر کیا جاوے بیچ اُن کے نام اُسکا اور سعی کرتا ہے
لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي
بیچ خرابی اُسکی کے یہ لوگ نہیں لائق تھا واسطے اُن کے یہ کہ داخل
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
ہوں اس میں مگر ڈرتے ہوئے واسطے اُنکے بیچ دُنیا کے رسوائی ہے
عَظِيمٌ ۞ ۱۱۴
اور واسطے اُنکے بیچ آخرت کے عذاب ہے بڑا۔

خرابی کی کوشش کرتا ہے۔ (چاہیئے یہ کہ اہلِ مسجد میں اتنی قوت موجود ہو کہ) ایسے لوگ مسجدوں میں داخل نہ ہوں، مگر خوفزدہ ہو کر آئیں۔ ایسے لوگوں کے لئے (ہمارے قانون میں) دُنیا میں رسوائی، اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ مسجدوں میں اللہ کے اسم کے ذکر کرنے کی خبر دیگئی ہے۔ یہ ہے صلوٰۃ موقت ۴/۱۰۳ جو مقررہ اوقات پر فرض ہو جاتی ہے۔ اِسکا ایک حصّہ کچھ پڑھنے سے متعلق ہے۔ ۱۷/۱۱۰ میں آنحضور کو حکم ہُوا ہے کہ نہ صلوٰۃ کو اونچی آواز کیساتھ ادا کیا کریں نہ مخفی کیساتھ، بلکہ درمیانی آواز رکھا کریں اور ۲۰-۱۹/۷ میں سُنّتِ رسُول کے طور پر بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ میں اللہ کے حضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے الفاظ میں دعائیں کیجایا کریں۔ نیز اِن آیات ۲۰-۱۹/۷ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے خطاب کیساتھ قرآنی دُعائیں پڑھا کرتے تھے ـــــ یہاں تک ہے مسجد میں ادا کیجانیوالی صلوٰۃ کا ایک گوشہ۔ اور اِسی کا دوسرا حصّہ ہے اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے بعد عین متصل اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا حکم۔ اِتصالِ حکم کے مطابق قولی صلوٰۃ کے ساتھ عین متصل زکوٰۃ ادا کیجائیگی زکوٰۃ کا مُطلق معنٰی ہے نشو و نما پانا۔ بڑھنا۔ پھولنا۔ اِسطرح اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا معنی ہے نشو و نما دو۔ پس صلوٰۃِ موقت کیساتھ عین متصل مسجد ہی میں معاشرہ کے اُن افراد کے نشو و نما کا سامان کرنا لازم ہے جو نشو و نما سے محرُوم ہوں۔ جن کی ضروریاتِ ربوبیت رُکی ہُوئی ہوں۔ اور جیسے کہ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے، یہی ہے اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے اِتصالی حکم کی شکل محسُوس اور بس۔ ابتاءِ زکوٰۃ کا روائتی مفہوم بالکل غلط ہے کہ سال بھر خود عیش کرتے رہو۔ سال کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو چالیسواں حصّہ دیدو۔ نہ بچے تو فریضۂ زکوٰۃ ختم۔

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ آئت مجیدہ کے اِن الفاظ میں لازم کیا گیا ہے کہ مسجدی نظام میں اِتنی طاقت ہونی چاہیئے کہ اوّل تو تخریب پسند عناصر مسجد میں داخل ہی نہ ہونے پائیں۔ اور اگر کوئی آئے بھی تو اُسکی مرکزی قوّت کے خوف سے لرزہ براندام اور خائف رہے۔ تاکہ وہ کوئی تخریبی اقدام کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکے اور اگر جرأت کر بیٹھے تو اِس نظام میں اِتنی طاقت موجود ہو کہ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ کے الٰہی فیصلے کے مطابق اُسے رُسوا کُن سزا دے سکے۔

روائتی شانِ نزول اِس آئت کے شانِ نزول میں مفسّرینِ کرام عجیب و غریب اضطراب میں گرفتار ہوئے ہیں۔

جیسے کہ صاحب تفسیر نعیمی نے صفحہ ۲۹۴ پر "تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آئت عیسائی بادشاہ خطیوس کے حق میں اتری تھی جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے یہ آئت بخت نصر کے حق میں نازل ہوئی تھی جس نے بیت المقدّس کو برباد کیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آئت مشرکین مکّہ کے بارے میں آئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو بیت الحرام میں نماز سے روکا تھا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آئت مدینہ منورہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ شریف کے دشمن ہو گئے تھے۔ (ملخّص)" — دیکھا آپنے! کہ شان نزولوں کی کثرت تعبیر نے حقیقت کے خواب کو کسطرح پریشان سے پریشان تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی سادھی ہے۔ کہ آئت نمبر ۱۱ میں اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم عام دیا گیا ہے۔ اور اس آئت میں صلوٰۃ کو مسجد سے متعلق بنایا گیا ہے۔ جسطرح اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کا حکم عام ہے۔ اسیطرح یہ خبر بھی عام بصیغہ جمع دیگئی ہے کہ مسجدوں کو ہمیشہ آباد رکھا جانا چاہئیے۔ جو فرد یا گروہ مسجدوں میں اللہ کے اسم کا ذکر کرنے سے روکے، اس سے بڑھکر کوئی ظالم نہیں۔ خدا جانے عام خبر کو شان نزول کے دائرہ میں محدود و مقیّد کرنے کی کوشش کیوں کیجاتی ہے؟ حالانکہ سیاق کلام سے ثابت ہے کہ دور آئت نمبر ۴۰ سے آئت نمبر ۱۰۱ تک مسلسل ساٹھ آئتوں میں یہود کا ذکر ہے۔ اور ۱۰۱ سے ۱۱۳ تک اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا مشترک تذکرہ ہے۔ اور سباق کلام میں پھر آئت نمبر ۱۴۶ تک یہود و نصاریٰ ہی کا ذکر چل رہا ہے۔ تو اس سلسلہ کو توڑ کر خطیوس اور بخت نصر کی طرف سمندر پار کو خواہ مخواہ ہمیز لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ المختصر! یہود و نصاریٰ کی نافرمانیوں کی فہرست میں جن کیساتھ آئت نمبر ۱۰۵ میں مشرکین مکّہ کو بھی شامل بنایا گیا ہے، بیتُ الحرام سے روکنا بھی شامل فہرست ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ ان تینوں گروہوں کی مخالفت اور آخری بیچ مسجد بیتُ الحرام سے روکنا ہی آنحضورؐ کی ہجرت کا باعث ہوا جیسے کہ اگلی آئت میں ہجرت ہی کی خبر دیگئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
اور واسطے اللہ کے ہے مشرق اور مغرب پس جدھر
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ ۱۱۵
کو منہ کرو تم پس وہیں ہے منہ اللہ کا تحقیق اللہ وسعت دینے والا جاننے والا ہے۔

عنہ حبشہ کی ہجرت کی بھی اسی آئت مجیدہ سے تائید ہوتی ہے۔

اور ایمان والو! (اگر مسجد حرام میں مخالفین ربوبیت اللہ کے نام کا ذکر اور نظام ربوبیت کے قیام میں حارج ہوں۔ اور تمہارا عرصہ حیات تنگ کر دیں تو کوئی بات نہیں) مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے (تم ہجرت کر کے) جدھر کو بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔عنہ وہ بڑا وسعت دینے والا، جاننے والا ہے:

یہود و نصاریٰ کا فقدانِ بصیرت

اس سے اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کے مطابق کہ وہ حضرت عزیرؑ کو، اور یہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔ ان کے فقدانِ بصیرت پر تعجب کے ساتھ کہا جا رہا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ ۱۶۵

اور کہا انہوں نے کہ پکڑی ہے اللہ نے اولاد پاکی ہے اسکو بلکہ واسطے اسکے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور زمین کے ہے سب واسطے اسکے فرمانبردار ہیں۔

اور (انہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ) وہ کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے (عزیر اور مسیح کو ۹/۳۰) بیٹا پکڑا ہے۔ (حالانکہ بیٹے کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جسے بڑھاپے اور موت کا خطرہ ہو۔ بڑھاپے میں لاٹھی پکڑنے والے کی ضرورت پیش آئے، اور مرجائے تو وہ اسکا جانشین بنے) وہ اِن عوارض سے سو فیصدی پاک و منزّہ ہے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے۔ اور یہ سب کے سب اسکی اطاعت کرنیوالے ہیں۔

● اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اُسے اتنی عظیم الشان کائنات بنانے میں کسی مددگار کی ضرورت نہیں پڑی۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ۱۱۷

پیدا کرنیوالا آسمانوں کا اور زمین کا اور جب مقرر کرتا ہے کچھ کام پس سوائے اسکے نہیں کہ کہتا ہے واسطے اسکے ہو پس ہو جاتا ہے۔

وہ اکیلا ہی آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانیوالا ہے۔ بلکہ وہ اِس کائنات کو از سرِ نو تیار کرنے میں مادہ کی موجودگی کی بھی حاجت نہیں تھی، مادہ اُسکے ارادہ سے پیدا ہو گیا) حقیقت یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو از سرِ نو شروع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو زبانِ بے زبانی سے کہتا ہے ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔

کُن فیکون تخلیق بالارادہ اور تخلیق بالمادہ

قرآن کریم میں کُن فیکون کا جملہ تخلیق کائنات کی مختلف حالتوں پر استعمال ہوا ہے۔ جس وقت کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ تو مادہ کو ارادہ سے پیدا کیا۔ اور پھر ہر چیز کی تخلیق مادہ سے شروع کی جس مقام پر ابتدائے کائنات، یعنی تخلیق بالارادہ کا ذکر ہے وہاں کُن بزبان بے زبانی مقصود ہے۔ اور جہاں تخلیق بالمادہ کا ذکر ہے، وہاں کُن بزبانِ قانونِ مشیّت مذکور ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی کوئی مادی زبان نہیں کہ ہماری طرح کُن کہتا ہو۔

ہر چیز کُن ہی کیساتھ عالم وجود میں آرہی ہے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

۱۶/۴۰ = سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اُسے بزبان بے زبانی کہتے ہیں ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔

ہر چیز کی موت و حیات بھی کُن کے ساتھ ہو رہی ہے

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

۴۰/۶۸ = وہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (کسی کی موت یا حیات کا) فیصلہ کرتا ہے۔ تو سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ قانونِ مشیّت کی زبان میں کہتا ہے ہو جا۔ وہ اُس کے قانونِ مشیّت کی منزلیں طے کرتا ہوا موجود ہوتا ہے۔

قیامت بھی کُن کیساتھ برپا کر دی جائیگی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ ۶/۷۳ اور وُہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور وُہ قیامت کے دِن کیگا ہو جا تو قیامت برپا ہو جائیگی۔

نظریۂ ہمہ اوست

یہ ہے ابتداء و انتہاءِ کائنات کے متعلق فیصلۂ خداوندی۔ مگر دوسری طرف کائنات کی ابتداء پر غور کرنے والوں میں سے ایک وُہ ہیں جو کہتے ہیں، کہ جسوقت اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا، تو اُسوقت چونکہ اسکی اپنی ذات کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اِسلئے ہر چیز کو خُود اپنے آپ میں سے پیدا کیا۔ حتّٰی کہ انسان کو خود اپنی ہی صُورت پر پیدا فرمایا۔ اِسے نظریۂ ویدانت یا ہمہ اوست کہا جاتا ہے۔

آتما پرماتما اور مادہ انادی ہیں

دُوسری قسم کے منکر وُہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ تین چیزیں آتما، پرماتما اور مادہ ازلی ابدی ہیں۔ اِن لوگوں نے خدا تعالیٰ کو مادہ پیدا کرنے سے قاصر خیال کیا۔ اور رُوح کا الگ وجود تسلیم کر کے تین چیزوں کو ایک سطح پر لے آئے۔ فرق صرف یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مادہ اور آتما پر، پرماتما غالب آیا، اور دُنیا بنا ڈالی۔ ورنہ ہیں تینوں ہی ازلی ابدی۔ استغفر اللہ!

کائنات کا خالق کوئی نہیں

تیسری قسم کے منکر کہتے ہیں کہ کائنات خود ازلی ابدی ہے۔ اِسکا خالق کوئی نہیں۔ اُن کے ہاں مکافاتِ عمل کی صُورت یہ ہے کہ مجرم وُہ ہے جو پکڑا جائے۔ اگر پکڑا نہ جائے، یا جھوٹی شہادتوں، یا رشوت، سفارش کیساتھ سزا سے بچ جائے، تو قصّہ ختم۔ اب اُسے کوئی سزا دینے والا نہیں۔

المختصر، یہ ہیں ابتداء و انتہاءِ کائنات کے متعلق تین مشہور نظریئے۔ لیکن تخلیق بالارادہ اور تخلیق بالمادہ کے فیصلہ کُن نیکون کی وضاحت اُوپر گزر چکی ہے کہ اِس کائنات کی خالق ایک ورا الورا ہستی موجود ہے۔ جس نے مادہ کو ارادہ سے، اور کائنات کو مادہ سے پیدا فرمایا ہے۔

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتا

سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے:-

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس نشانی اسیطرح کہا تھا اُن لوگوں نے جو پہلے اُنسے تھے مانند بات اُنکی کے

اور (یہود و نصاریٰ کے) وُہ لوگ جو مسائل کو ظاہر نہیں کرتے (یعنی اُنکے علماء) وُہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (رسول سے کلام کرتا ہے) ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ اور یا ہماری طرف کوئی نشانی آجائے۔ اِن سے پہلوں نے بھی اِن کے قول کے مانند کہا تھا۔ اُن کے قلوب باہم ایک جیسے ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ ہم نے یقین کرنیوالوں کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (ہماری

قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ ۱۱۸

یکساں ہوگئے دل اُنکے تحقیق بیان کردیں ہم نے نشانیاں واسطے اُس قوم کے کہ یقین لاتے ہیں۔

آیتیں کیا واضح نشانیاں نہیں؟)

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور پر واضح کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّ لَا

تحقیق بھیجا ہم نے تجھ کو ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا

تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○ ۱۱۹

اور ڈرانیوالا، اور تو نہیں پوچھا جاویگا رہنے والوں دوزخ کے سے۔

اے رسول! بلاشبہ ہم نے آپ کو حق، قرآن دیکر، اُس کے عالمین کیلئے بہتر جزا کی خوشخبری دینے والا، اور اسکے مخالفین کے لئے بُری سزا سے آگاہ کرنیوالا بناکر بھیجا ہے۔ (لوگ اسکا انکار کرکے جہنم کا ایندھن کیوں بنتے ہیں)۔ اہلِ جہیم کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائیگا۔

وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ اس آیت کے متعلق تفسیر نسفی صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ اسکی ایک قرأت تا کی زبر کیساتھ ہے، وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ یعنی اے رسول آپ اہلِ جہیم کے متعلق سوال ذکر یں — کیوں؟ — اس کیوں کا جواب اسی صفحہ پر اس آیت کے شانِ نزول کے ماتحت تفاسیر رُوح البیان، عزیزی اور مدارک کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ "ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کرلوں، تب یہ آیت اُتری اُسکے بعد حضور نے کبھی اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا" — افسوس ہے کہ سیاقِ کلام میں سلسل یہود و نصاریٰ کی نافرمانیوں کا ذکر ہے جن کی بدولت اُنہیں جہنمی ٹھہرا کر آنحضور کو تسلی دیگئی ہے کہ، قیامت کے دن اِن کے جہنم داخل ہونے کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائیگا لیکن پہلے تو، لَا تُسْئَلُ فعل نفی مجہول کو لَا تَسْئَلْ فعل نہی معروف میں بدل دیا گیا ہے۔ اور پھر نفسِ مضمون کے خلاف حضور کے والدین کو، اہلِ جہیم ٹھہرا دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس پر اگرچہ صاحب تفسیر نے اختلاف کیا ہے۔ مگر مُلّا علی قاری سے نقل بھی کردیا ہے کہ، آنحضور کے والدین نہ زندگی میں مومن تھے نہ موت کے وقت (صفحہ ۴۴) — اور امام اعظم رحمت اللہ علیہ کا فیصلہ، فقہ اکبر کے حوالے سے لکھا ہے، کہ حضور کے والدین نے کفر پر وفات پائی (صفحہ ۴۶) مگر جلال الدین سیوطی کا قول درج ہے۔ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

یہود و نصاریٰ چاہتے تھے کہ آنحضور اُنکے دین کی اتباع فرمائیں اس پر تو آپ علیحدگی میں غور فرماتے رہیں کہ آیت بالا میں تصرف، اور آنحضور کے والدین کے ایمان میں بلاوجہ اختلاف کیوں کیا گیا ہے؟ ہم آپ پر واضح کرتے ہیں کہ سلسلۂ کلام میں ابھی یہود و نصاریٰ کا تذکرہ بدستور چل رہا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور ہرگز نہ راضی ہونگے تجھ سے یہود اور نصاریٰ

اور اے رسول! یہود و نصاریٰ اُسوقت تک آپ پر راضی نہیں ہونگے جبتک کہ آپ اُنکے دین کی اتباع نہ فرمائیں آپ

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ
یہانتک کہ پیروی کرے تو دین اُن کے کی کہہ تحقیق ہدایت

الْهُدٰى ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ
اللہ کی وہی ہے ہدایت اور اگر پیروی کریگا تو خواہشوں اُنکی کی

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
پیچھے اُس چیز کے کہ آئی تیرے پاس علم سے نہیں ہے واسطے

وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ ۱۲۰
تیرے اللہ سے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔

کہدیجئیگا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور دشمن لیجئیگا کہ ہمارے قانون میں لچک ہرگز موجود نہیں) بیشک اگر آپ بھی، اسکے بعد، کہ آپکے پاس علم آچکا ہے، اُنکی خواہشوں کی اتباع کریں، تو آپکے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار ہے ۱۳/۱۴۔

اہلِ کتاب میں مومن بھی موجود ہیں | متبعین کتاب

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں ایک گروہ متبعین کتاب کا بھی ہے :-

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ
جو لوگ کہ دی ہے ہم نے اُن کو کتاب پڑھتے ہیں

تِلَاوَتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ
اسکو حق پڑھنے اُسکے کا یہ لوگ ایمان لاتے ہیں ساتھ اُسکے

بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ۱۲۱ ع
اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اُسکے پس یہ لوگ ہیں ٹوٹا پانیوالے۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (اُن میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ) وہ اسطرح کتاب کی اتباع کرتے ہیں جو اتباع کرنیکا حق ہے، وہ اِس کتاب قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں ۳/۱۱۳، ۵/۸۳-۸۴، ۶/۲۰، ۲۸/۵۲-۵۳، اور اُن کا جو گروہ اِس کا انکار کرتا ہے پس وہی ہیں گھاٹا پانے والے۔

تلاوت کا معنیٰ اتباع کرنا بھی ہے

قرآنی لغت کی روشنی میں تلاوت کا ایک معنیٰ اتباع کرنا، پیچھے پیچھے آنا بھی ہے۔ سورہ الشمس میں آیا ہے :- وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ○ ۹۱/۱-۲ = شہادت ہے سُورج کی جب وہ روشن ہوتا ہے۔ اور شہادت ہے چاند کی جب وہ (تَلٰىهَا) اُسکے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اُس کی اتباع کرتا ہے۔

بنی اسرائیل سے خطاب کا اعادہ

اِس سے اگلی دو آیتوں میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے پھر آیت مجیدہ ۲/۴۸ کا اعادہ کیا گیا ہے کہ سفارش و شفاعت کا سہارا چھوڑ کر عملی زندگی اختیار کرو۔ اور یاد رکھو کہ روزِ مکافات کوئی کسی کی سفارش وغیرہ کام نہیں آئیگی :-

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ
اے بیٹو یعقوب کے یاد کرو نعمت میری جو

اے بنی اسرائیل میری اُس (قانونی) نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر فرمائی۔ یہ کہ تمیں (حضرت موسیٰ اور اپنے

أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۲۲
انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور یہ کہ بزرگی دی میں نے
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
تم کو اوپر عالموں کے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کریگا
شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا
کوئی جی کسی جی سے کچھ اور نہ قبول کیا جاویگا اس سے بدلا
شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۱۲۳
اور نہ فائدہ دیگی اسکو شفاعت اور نہ وہ مدد دیئے جاویںگے۔

ضابطہ کی اتباع کی بدولت ہم عصر اقوام پر فضیلت بخشی، (تمہیں زمین کی حکومت عطا فرمائی ۲۶/۱۲۷ ؛ ۵/۲۰ لیکن جسطرح تماری بد عنوانیوں کی بدولت تم سے حکومت چھن گئی۔ نہ تمہارا یہ زعم باطل کام آیا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں ۵/۱۸، اور نہ کوئی ذہنی سفارش و شفاعت ہی تمہاری حکومت باقی رکھ سکی، اسیطرح روزِ مکافات بھی کوئی سفارش اور شفاعت کام نہیں آئیگی۔ اب پھر وہی ابراہیم و موسٰی والا ۸۷/۱۹ ضابطۂ حیات نازل ہو چکا ہے۔) اسلئے اسوقت سے ڈر جاؤ جب کوئی شخص کسی مجرم ربوبیت کا معمولی سا بدلا بھی نہ بن سکیگا اور نہ اسکی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائیگا، اور نہ کوئی شفاعت ہی فائدہ دیگی اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائینگے۔ (یہ نظام اس دنیا میں بھی ہمارے رسول کے ہاتھوں قائم ہوگا، اور قیامت کو بھی انہی قوانین کے مطابق فیصلے کئے جائینگے۔

شفاعت ابراہیم سلام علیہ بنی اسرائیل کو سب سے بڑا فخر اولادِ اسرائیل ہونے کا ہے لیکن اگلی آیت مجیدہ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ، ذرا غور سے کام لو ہمارے ہاں تو اسرائیل کے دادا ابراہیم کی شفاعت بھی کسی کام نہیں آئی تھی۔ جب ہم نے انہیں اقوام عالم کی امامت کا منصب عطا فرمایا تو آپنے اپنی اولاد کیلئے امامت کیلئے سفارش فرمائی، مگر ہم نے صاف کہدیا، کہ عالی امامت کا منصب آپکی اولاد کے فرمانبرداروں کو پہنچیگا، ظالموں، نافرمانوں کو ہرگز نہیں پہنچیگا یعنی محض کسی نبی یا بزرگ کی اولاد ہونا، ہمارے ہاں کوئی وجہ شرف و مجد نہیں ہے۔

وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ
اور جبوقت آزمایا ابراہیم کو رب اسکے نے ساتھ کئی
فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ
باتوں کے پس پورا کیا انکو کہا تحقیق میں کرنیوالا ہوں تجھکو واسطے
وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۲۴
لوگوں کے امام کہا اور اولاد میری سے کہا نہیں پہنچیگا عہد میرا ظالموں کو۔

اور (غور کرو کہ) وہ وقت قابل ذکر ہے جب ابراہیم (جیسی عظیم شخصیت ۸۷/۱۹)، کو اسکے پروردگار نے اپنے قوانین پر عمل کے ذریعہ نمایاں ظاہر کیا۔ چونکہ اس نے انہیں پورا کر دیا یعنی بے لوث نظام قائم کر دکھایا۔ اسلئے اسکے رب نے فرمایا کہ میں تجھے نوعِ انسانی کا امام ٹھہراتا ہوں۔ (یعنی آپکو ڈکھیا انسانیت کے مرکزی مقام امن عالم کے ضامن بیت الحرام کا صدر مقرر کرتا ہوں جسطرح لوگوں کے جھگڑے طے کرنے کیلئے ہر ریاست کے اندر داخلی عدالتوں کا قیام ضروری ہے

اسیطرح ریاستوں ریاستوں کے باہمی تنازعے طے کرنے کے لئے بیت الحرام عالمی عدالت ہے۔ اُسکا امام، صدر اور قاضی آپ کو مقرر کیا جاتا ہے) آپنے عرض کیا کہ بارِ الٰہا! یہ امامتِ اقوام میری اولاد کو بھی ملتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں نافرمانوں کو ہرگز نہیں پہنچیگا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ [۱-۲] علہ اِبْتَلٰی مادہ ب۔ ل۔ و سے ہے۔ اِسکے دو بنیادی معنے ہیں معلوم کرنا اور ظاہر کرنا جب یہ مادہ خدا تعالیٰ کیلئے استعمال ہو تو دوسرے معنے ظاہر کرنا ہی مُراد ہوتے ہیں معلوم کرنا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، اُسے سب کچھ معلوم ہے۔ (بحوالہ مفردات امام راغب مترجم کتبہ قاسمیہ لاہور صفحہ ۱۲)

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ ۲/۱۲۳ تا...... ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ان کلمات خداوندی کو بیت الحرام کے عالمی امن مرکز میں پُورا کرنے پر حضرت ابراہیم کو امامتِ عالم عطا ہوئی۔ کہ کسی بھی مجرم کی حمایت نتیجۃً مجرم کے سزا سے بچ جانے کے یہی چار طریقے ہیں، جو آیت مجیدہ لَا تَجْزِیْ ...... الخ میں مذکور ہوئے ہیں:-

۱۔ زید کی جگہ بکر کا پکڑا جانا۔ ۲۔ کسی امیر وزیر کی شفاعت و سفارش کا پہنچ جانا۔ ۳۔ رشوت دیکر چھوٹ جانا ۴۔ عزیز و اقارب کی مدد کا پہنچ جانا ــــ پس لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کے امن پر در، یہی وہ کلمات تھے جو حضرت ابراہیم سلام علیہ نے پورے کردیئے۔ مسجد بیت الحرام میں آپنے جو نظام قائم کیا اُس میں مجرم کی غیر مجرم سے تبدیلی، مجرم کو سفارش یا رشوت لیکر چھوڑ دینا اور اُسکی مدد وغیرہ ہر چیز، کاغذوں میں نہیں بلکہ عملاً موقوف کردی گئی تھی۔ اسی چیز کا صلہ تھا اقوام عالم کی امامت۔ اور یہی کلمات، بیت الحرام کی بین الاقوامی عدالت کا منشور قرار پائے کہ، مجرم خواہ کوئی وہ ہو یا قوم اُسکی جگہ کسی اور فرد یا قوم کو پکڑا نہ جائے نہ مجرم کی سفارش یا رشوت قبول کیجائے۔ اور نہ مجرم کی کسی قسم کی مدد کیجائے اِس منشور کو تسلیم کرکے ہر قوم خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اِس عالمی ادارے کا ممبر بن سکتی ہے۔ اور جو لَا تَجْزِیْ ...... الخ کو تسلیم نہ کرے وہ اسکا ممبر نہیں بن سکتی۔

اِسلام میں اِنسان پرستی کی گنجائش نہیں حضرت ابراہیم سلام علیہ کو، جس امامتِ عالمی کا منصب سونپا گیا۔ اُسکی وضاحت ہوچکی۔ یہاں اِنسان پرستی مطلوب نہیں، جیسے کہ خدا تعالیٰ نے خود آنحضور کو ۱۶/۱۲۳ میں اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا کے الفاظ میں، اور اُمتِ مسلمہ کو فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۳/۹۵ کے الفاظ میں حکم دیا ہے۔ کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی اتباع کرو۔ لہٰذا یاد رہے کہ ملتِ ابراہیم سے مُراد، خدا تعالیٰ کا نازل کردہ وہ ضابطۂ حیات ہے جس کی اتباع خود حضرت ابراہیم سلام علیہ بھی زندگی بھر فرماتے رہے۔ جسطرح آپ کو لِلنَّاسِ اِمَامًا کہا گیا ہے اسیطرح

جملہ انبیاء سلام علیہم کو بھی امام بتایا ہے:- وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۲۱/۷۳ - اور ہم نے جملہ انبیاء کو امام بنایا۔ وہ ہمارے امر کتاب کیساتھ عوام کی رہنمائی کرتے تھے۔ پس اصل امام کتاب خداوندی ہے، جیسے کہ قرآن کریم کے متعلق فرمایا۔ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۱۱/۱۷ ۴۶/۱۲، اب قرآن امام ہے اور اس سے پہلے موسٰی کی کتاب امام تھی۔

سیاق وسباق کلام، اور مسئلہ امامت

اس آیت مجیدہ سے بعض لوگوں نے ایک ایسی امامت کا تصور پیدا کر رکھا ہے جسے نبوت سے افضل قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نبی تو پہلے ہی تھے۔ اب اگر امامت نبوت سے کمتر مانی جائے، تو فرمانبرداری کے صلے میں عطاء امامت لاشئے ہو کر رہجاتی ہے ــــ لیکن افسوس یہ ہے کہ امامت ابراہیم سے جس سلسلۂ امامت کی سند پکڑی جاتی ہے اس میں ہونیوالے امام کیلئے نبی ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ نیز وہ امامت اگرچہ مرکزیت حاصل نہ بھی کر پائے۔ اور اسیطرح پشتیں گذر جائیں، تو پھر بھی اُسے امامت ابراہیمی ہی سے متعلق مانا جاتا ہے۔ لیکن نہائت افسوس کیساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ سیاق وسباق آیات کیساتھ امامت کا وہ تصور ٹھیک نہیں بیٹھتا جس کا تعلق نہ بیت اللہ کی مرکزیت سے ہو نہ عالمی اجتماعیت سے۔ کیونکہ اگلی آیات کریمات کی رو سے، یہاں جس امامت کا ذکر ہے۔ یہ مسلم وغیر مسلم جملہ اقوام عالم کی امامت ہے۔ جس کا تعلق ۳/۹۶، ۵/۹۷ اور ۲۲/۲۶ کے مطابق صرف اور صرف بیت الحرام کے ساتھ ہے، جسے آیت ذیل کیمطابق پوری نوع انسانی کا مرکزی مقام ٹھہرایا گیا ہے:-

● اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ ۳/۹۶، بلاشبہ نوع انسانی کیلئے (امن عالم کا ضامن) جو اولین گھر مقرر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔ پوری نوع انسانی کیلئے بابرکت اور عالمین کیلئے ہدائت ہے یعنی چاہیئے کہ اقوام عالم کے نام یہیں سے ہدایات جاری ہوا کریں ـــ نیز اسی اولین گھر کو خداتعالیٰ کی طرف سے پوری نوع انسانی کو پیروں پر کھڑا کرنے کا ضامن قرار دیا گیا ہے:-

● جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷، اللہ تعالٰی نے کعبہ (عالمی مرکز) بیت الحرام کو نوع انسانی کے قیام (یعنی ہر قوم اور ہر فرد کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے مقرر کیا ہے) ــــ اسی عالمی مرکز کے متعلق بلاتمیز ارشاد ہوا ہے:-

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷، جو قوم اس (کے نظام) میں داخل ہو گئی وہ امن میں آگئی ـــ اسی امن کیلئے ارشاد ہوا ہے:-

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ۲۲/۲۷، تمام لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیگا۔ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ، تاکہ سب لوگ اپنے فائدوں کے لئے حاضر ہوا کریں۔

یہ ہے سیاق وسباق، نفس مضمون، اور تصریف آیات کی رو سے لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی امامت عالم کا قرآنی تصور، جسے کہیں تو دو رکعت کی امامت بنا کر رکھدیا گیا ہے۔ اور کہیں اسے صرف قرب قیامت کیساتھ ملحق کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ وہ امامت عالم ہے، جو حضرت ابراہیم سلام علیہ کو سونپی گئی تو اس کی شکل مشہود سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں یہ بتائی گئی ہے:-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا
اور جب کیا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب واسطے لوگوں کے
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ
اور امن کی جا اور پکڑو تم مقام ابراہیم کو جائے نماز اور عہد کیا ہم نے
اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
طرف ابراہیمؑ کے اور اسمٰعیلؑ کے یہ کہ پاک رکھو گھر میرے کو
لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ۱۲۵
واسطے طواف کرنیوالوں کے اور اعتکاف کرنیوالوں کے اور رکوع سجود کرنیوالوں کے ۔

اور خصوصاً وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (ابراہیمؑ کو امامتِ عالم سونپ کر اُسکے عمل کے مطابق، اپنے گھر بیت الحرام کو تمام لوگوں کے عالمی اجتماع[عہ] کا مقام، اور حصولِ امن کا ضامن پایا۔ اور (مومنوں کو حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو جائے صلوٰۃ قرار دو (نماز اسکی طرف رُخ کرکے ادا کیا کرو) اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب (ابراہیمؑ نے الصّلوٰۃ نظامِ ربوبیّت قائم کرنے کیلئے اپنے بیٹے کو بیت الحرام کے نزدیک مکہ معظمہ میں آباد کیا تھا تو) ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو آنے جانے والوں اور صلوٰۃ موقت کا قیام، رکوع اور سجدہ ادا کرنیوالوں کیلئے پاک رکھنا۔

عہ فعل ثلاثی مجرّد کے خاصہ وجدان کی بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۳۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا مثابۃ ظرفِ مکان کا سہ حرفی مادہ ث۔ و۔ ب، ثوب ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے جانا اور واپس آجانا۔ کپڑے کو ثوب اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکے بُننے میں نال بار بار جاتی اور واپس آجاتی ہے۔ اور مجتمع ہوکر کپڑا تیار ہوجاتا ہے۔ اسطرح ثوب کا معنی جمع ہونا بھی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عربوں کے ہاں لوگوں کو جمع کرنے کیلئے کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر کپڑا لہرایا جاتا ہے۔ اِن دلائل کی رُو سے مثابۃ للناس کا معنی لکھا گیا ہے عالمی اجتماع کا مقام۔ اور اسکے بعد آیا ہے اَمْنًا۔ للہٰذا یہ مفہوم صحیح ہے کہ ایسے اجتماع کا مقام جس کی غرض امنِ عالم کا قیام ودوام ہو۔ ۹۵ میں مکہ معظمہ کو وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ کہا گیا ہے امن دینے والا شہر۔ امنِ عالم کا علمبردار شہر۔

حضرتِ ابراہیمؑ کی دُعا، کہ مکہ معظمہ امنِ عالم کا ضامن ہو

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بیٹے کو مکہ معظمہ میں آباد کرنے اور اُسے امنِ عالم کا مرکز قرار دینے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی دُعا بھی مذکور ہے۔ اور حضورؐ کے ایک بشری تقاضے کا بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ
اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے رب میرے کر اس شہر کو امن
اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ
والا اور رزق دے رہنے والوں اسکے کو میووں سے جو کوئی ایمان
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
لاوے اُن میں سے ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے کہا اور جو کوئی

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب ابراہیمؑ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، اس شہر کو امنِ عالم کا ضامن بنادے اور اسکے اہل (یعنی اس مرکز کیساتھ وابستہ ہونیوالوں) میں سے، جو روزِ مکافات پر (اللہ اور) ایمان لائیں اُنہیں میووں کا رزق عطا کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اپنی اپنی کوشش کیمطابق انہیں بھی رزق ملیگا ۳۳ ملاحظہ) اور جو انکار کرنے والے ہیں انہیں بھی

فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ
کفر کرے پس فائدہ دونگا اسکو تھوڑا پھر بے بس کرونگا اسکو
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ ۱۲۶
طرف عذاب آگ کے اور بری ہے جگہ پھر جانے کی

(میں انہیں بھی قانونِ مشیت کے مطابق یعنی انکی کوشش کے ثمر کے طور پر، دنیا کے قلیل عرصہ کیلئے فائدہ دونگا۔ پھر روزِ مکافات انکی نافرمانیوں کی بدولت آگ کے عذاب میں بیقرار کر دونگا۔ حقیقت یہ ہے کہ نافرمانوں کے پھر کر جانے کی جگہ بہت بری ہے۔

● اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے بیت الحرام کے مرکزی نظام کے مذکورہ قواعد و ضوابط کو بلند کیا، تو دونوں نے عجز و نیاز کیساتھ حضورِ خداوندی میں دعا کی۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
اور جب اٹھاتے ابراہیمؑ بنیاد کعبے کی اور اسمٰعیلؑ نے
وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ
اے رب ہمارے قبول کر ہم سے تحقیق تو ہی ہے سننے والا
الْعَلِيمُ ○ ۱۲۷
جاننے والا۔
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا
اے رب ہمارے اور کر ہم کو مطیع واسطے اپنے اور اولاد
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا
ہماری سے ایک جماعت فرمانبردار واسطے اپنے اور دکھا ہم کو
إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ ۱۲۸
طرح عبادت ہماری کی اور پھر آ اوپر ہمارے تحقیق تو ہی ہے
پھر آنے والا مہربان۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے ہمارے گھر (کی عالمی مرکزیت) کے قواعد (وضوابط) کو بلند کیا۔ (چاروں طرف پھیلایا) تو ہمارے حضور دعا کی، اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے یہ ہماری حقیر محنت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (تو ہمارے لفظوں کو سننے کے ساتھ جانتا بھی ہے کہ ہماری غرض ذاتی مفاد نہیں بلکہ انسانی خدمت ہے)

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک امتِ مسلمہ پیدا کیجیو (جو خاص تیری ہی فرمانبرداری کرنیوالی ہو) اور اے ہمارے پروردگار ہمیں (اس مرکزی اہم ذمہ داری) کے طور طریقے سمجھا دے۔ اور اس سلسلے میں جہاں بتقاضائے بشریت ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ بیشک تو معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

رفع قواعد رفع بمعنی بلند کرنا، اور قواعد جمع ہے قاعدہ بمعنی بنیاد کی۔ اِس آیت سے یہ مراد لی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے بیت اللہ کی عمارت کو بنیادوں سے اٹھا کر تعمیر کیا۔ اور اسکے ضمن میں یہ افسانہ سنایا جاتا ہے۔ کہ جس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ وہ دیواروں کے بلند ہونے کیساتھ ساتھ بغیر کسی سہارے کے خود بخود اوپر کو بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنے کا ذکر نہیں اور نہ ہی یہ چیز وجۂ فضیلت ہے کیونکہ آپکے بعد کعبہ مکرمہ کئی مرتبہ تعمیر کیا جا چکا ہے۔ جو اسوقت تعمیرِ ابراہیم کی نسبت بہترین فنِ تعمیر کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اصل وجۂ فضیلت کعبہ معظمہ میں داخلی طور پر نظامِ ربوبیت کا قیام تھا۔ اور خارجی طور پر اسے عملاً عالمی مرکز بنا کر دکھانا تھا، کہ یہ عملاً

قِیَامًا لِّلنَّاسِ، مَثَابَةً لِّلنَّاسِ اور هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ حضرت ابراہیم نے یہ کام سرانجام دیا۔ اور اسکے لئے اقوام عالم میں اس کے قواعد وضوابط کا خوب چرچا کرکے انہیں بروئے کار لائے پس قواعد یعنی مرکزی ممبرشپ کے قواعد وضوابط ہے، اور رفع بھی چرچا کرنا ہے۔ جیسے خود آنحضور کے ذکر خیر کے چرچا کیلئے رفع ہی کا لفظ لایا گیا ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۹۴

بعثت محمدی کیلئے حضرات ابراہیم واسمٰعیل سلام علیہما کی دُعا

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بعثت محمدی کیلئے حضرات ابراہیم واسمٰعیل کی دُعا مذکور ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
اے رب ہمارے اور بھیج بیچ اُنکے پیغمبر اُن میں سے پڑھے
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
اوپر انکے آیتیں تیری اور سکھلاوے انکو کتاب اور حکمت اور پاک
وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ۱۲۹
کرے انکو تحقیق تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

اے ہمارے پروردگار! قرآن مکہ والوں میں (ہماری اولاد یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) اپنا ایک رسول مبعوث فرمائیو۔ جو اُن پر تیری آیتیں تلاوت کرے، اور اُنہیں حکمت الٰی کتاب ۲۶ کی تعلیم دے۔ اور اُنہیں معاشرہ کی بدحالیوں سے پاک کرے ۹۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔ (بلاشبہ وہ اتنی بڑی ذمہ داری کا حامل رسول بھی، زندگی کے ہر قدم پر حکمت کیساتھ ہی آگے بڑھتا ہوا غالب آئیگا)

رکوع ۱۵

ملت ابراہیمی سے اعراض محض بیوقوفی ہے

آیات بالا میں اجتماعی نظام ربوبیت اور امن عالم کیلئے بیت الحرام میں عالمی امن کونسل کا قیام، اور اسکے ساتھ وابستہ ہونا ملت ابراہیمی بتائی گئی ہے! اور اس کے بعد اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ ملت ابراہیم سے منہ موڑنیوالے یعنی اجتماعیت سے اعراض کرکے انفرادیت اختیار کرنیوالے بیوقوف ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
اور کون شخص پھر جاتا ہے دین ابراہیم کے سے مگر جس نے
سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ
بیوقوف کیا جان اپنی کو اور تحقیق پسند کیا ہم نے اسکو بیچ دنیا کے
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۱۳۰
اور تحقیق وہ بیچ آخرت کے البتہ صالحوں سے ہے۔

ابراہیم کے مذکورہ بالا (امن بدوش) مسلک سے اُس شخص کے سوا کون اعراض کرتا ہے کہ جس نے اپنے آپکو بیوقوف بنالیا ہو۔ بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ ٹھہرایا تھا۔ اور بلاشبہ آخرت میں بھی اُسکا شمار معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں میں سے ہوگا۔ (نیز سن لو کہ اُسکی برگزیدگی ہماری طرف سے کسی رعایت یا ناجائز جھکاؤ کی بدولت نہیں تھی، بلکہ ابراہیم کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ :-

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ
جب کہا اسکو پروردگار اُسکے نے کہ مطیع ہو کہا مطیع ہوا میں
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۳۱
واسطے پروردگار عالموں کے

جب اُسکے رب نے اُسے کہا کہ (خالص میرا) فرمانبردار ہوجا تو فرمانبردار ہوگیا اور، کہا میں عالمین کی ربوبیت کرنیوالے کیلئے فرمانبردار ہوگیا ہوں (یعنی ربوبیت عالمینی ہی کی بنیادوں پر مرکزی نظام قائم کرونگا)

حضرت ابراہیم ویعقوب سلام علیہما کی وصیّت اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے متعلق موت تک کے وقت کیلئے خدا تعالیٰ کا فرمانبردار بنے رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ کہ وہ صرف خود ہی آخری دم تک فرمانبردار نہیں رہے۔ بلکہ اپنی اولاد کو بھی فرمانبرداری کی وصیّت فرمائی:۔

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ
اور نصیحت کی ساتھ اسکے ابراہیم نے بیٹوں اپنے کو اور یعقوب
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
نے اے بیٹو میرے تحقیق اللہ نے پسند کیا ہے واسطے تمہارے دین
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۲
پس نہ مرو تم مگر اور تم مطیع ہو۔

اور ابراہیمؑ ذاپنی پوری زندگی میں بھی عموماً نصیحت کرتے رہے، اور خصوصاً آپنے موت سے پہلے بھی، اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی اور اسیطرح یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنا نازل کردہ دین (اسلام) ہی پسند فرمایا ہے پس تم مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم خالص اسی کے فرمانبردار ہو۔ (یعنی جب موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت کوئی حادثہ پیش آجائے۔ اسلئے تم زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی میں گزارنا۔)

● اِس سے اگلی آئت مقدسہ میں سیاق کلام کے مطابق بنی اسرائیل اور اہل کتاب کو، اور پھر قرآن کریم کے ہر قاری کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۤءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ
کیا تھے تم حاضر جسوقت کہ آئی یعقوب کو موت جسوقت
اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا
کہا اُسنے واسطے بیٹوں اپنے کے کس چیز کی عبادت کروگے تم پیچھے
نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۤئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
میرے کہا انہوں نے عبادت کرینگے ہم معبود تیرے کو اور معبود
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۳
باپوں تیرے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے کو معبود ایک کو اور ہم اسکے واسطے اُسکے مطیع ہیں۔

(اے بنی اسرائیل واہل کتاب!) جسوقت یعقوبؑ پر موت کا وقت آیا، تو کیا تم اُسوقت حاضر تھے؟ (تم ہرگز حاضر نہیں تھے، ہم ہی اُسوقت حاضر و ناظر تھے،) جب یعقوبؑ نے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کروگے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے الٰہ کی اور تیرے باپ اسحٰق، چچا اسماعیل اور دادا ابراہیم کے الٰہ، الٰہِ واحد کی فرمانبرداری کرینگے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

عہ وَصِيَّۃ۔ وَصّٰى کا سہ حرفی مادہ و۔ص۔ی = وصی ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے کوئی نیک بات پیش کرنا۔ کسی امر کے پیش آنے سے پہلے اُسکی روک تھام کیلئے ناصحانہ انداز میں ہدائت دینا۔ قرآنی لُغت کی رُو سے امر اور حکم بھی اِس مادہ میں شامل ہے۔ جب یہ مادہ خدا تعالیٰ کیطرف سے مستعمل ہوتا ہے تو اُسکا معنی ہوتا ہے حکم دینا۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے:۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ

فِیْ اَوْلَادِکُمْ ۴/۱۱ ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارا ترکہ ان میں اس اس طرح تقسیم کیا جائے
سورہ شوریٰ میں بھی مادہ وحی کے تبادل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ۴۲/۱۳ ۔ ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی دین کی شرح فرمائی ہے، جس کی نوح کو وصیّت فرمائی تھی۔ اور وہی دین جو اے رسولؐ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں وحی اور وصیّت مترادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں یعنی یہاں وصّٰی بمعنی اَوْحٰی آیا ہے۔

سلسلۂ درس کی آیت زیرِ نظر میں، حضرات ابراہیم اور یعقوب سلام علیہما کی جس وصیّت کا ذکر ہے۔ ہم نے اسکا مفہوم لکھا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو زندگی بھر بھی وحدتِ باری کی نصیحت کرتے رہے، اور موت سے پہلے بھی وحدتِ باری اور اللہ کی خالص فرمانبرداری کی نصیحت فرمائی۔ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ میں بھی اس مادہ کا استعمال موت سے پہلے کی نصیحت کیلئے ہوا ہے۔ اور ۲/۱۸۰ کے الفاظ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ، میں بھی وصیّۃ کا لفظ موت سے پہلے کی نصیحت کیلئے آیا ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت حاضر ہو تو اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو، تو اس پر، والدین اور اقربا کے حق میں وصیّت کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ یہ تو ہوا وصیّت کا معنی موت سے پہلے کی نصیحت۔ اور زندگی بھر کیلئے نصیحت کرتے رہنے کے معنوں میں یہ لفظ، سورہ عصر میں آیا ہے۔ جہاں بعض مومنین کی خصوصیّت بتائی گئی ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۱۰۳/۳ ۔ اور وہ ایک دوسرے کو زندگی بھر حق پر استقامت کرنے کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

المختصر! قرآنی لغت کے مطابق، وصیّت کے تین مشہور معنے یہ ہیں۔

۱۔ مرنے سے قبل والدین اور اقربا کے حق میں اپنے ترکہ کے متعلق وصیّت کرنا۔ کہ اسے وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے اس میں سے اسقدر مال ماں کو یا باپ کو فلاں بھائی کو یا فلاں بہن کو، فلاں بیٹے کو یا فلاں بیٹی کو دیدیا جائے۔ ۲/۱۸۰ (اس مسئلہ کی پوری تفصیل آیت متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں آگے آرہی ہے)

۲۔ زندگی بھر کے لئے، اپنوں اور بیگانوں سب کو اللہ کے دین کی نصیحت کرتے رہنا۔ ۱۰۳/۳

۳۔ جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے مستعمل ہو تو اسکا معنٰی ہوتا ہے حکم دینا۔ وحی کرنا۔ احکام نازل کرنا۔ ۴۲/۱۳

● اس سے اگلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ تم حضرت اسرائیل اور ان کے آباؤ اجداد کی سفارش و شفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہو۔ حالانکہ:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
یہ تھی ایک امت تحقیق گزر گئی واسطے انکے تھا جو کچھ

وہ ہمارے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے، جو اعمال انہوں نے کئے، وہ ان کے کام آئینگے اور

وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۖ وَلَا تُسۡـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا
کمایا انہوں نے اور واسطے تمہارے جو کچھ کمایا تم نے اور نہ
يَعۡمَلُونَ ۝ ۱۳۴
پوچھے جاؤ گے تم اس چیز سے کہ تھے وہ کرتے۔

جو عمل تم بجا لاؤ گے، وہ تمہارے لئے ہیں۔ (تم سے تمہارے عملوں کی باز پُرس ہو گی) تم سے یہ سوال نہیں کیا جائیگا کہ وہ کیا عمل بجا لاتے تھے۔

اہل کتاب کیا چاہتے ہیں؟ اگلی آیت مبارکہ میں مومنوں کو مخاطب کر کے تکرار تاکیدی کے انداز میں کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو تمہارا ایمان لانا گوارا نہیں۔ وہ تمہیں الگ الگ، اپنے اپنے دین میں واپس لے جانا چاہتے ہیں:۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوۡ نَصَٰرَىٰ تَهۡتَدُوا
اور کہا انہوں نے ہو جاؤ موسائی یا عیسائی راہ پاؤ گے تم
قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ إِبۡرَٰهِـۧمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ
کہہ بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم دین ابراہیم حنیف کی اور نہ تھا
الۡمُشۡرِكِينَ ۝ ۱۳۵
مشرکوں سے۔
قُولُوا ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيۡنَا وَمَا
کہو ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو کچھ اتاری گئی
أُنزِلَ إِلَىٰ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ
طرف ہماری اور جو کچھ اتاری گئی طرف ابراہیم کے اور اسماعیل کے
وَالۡأَسۡبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا
اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اولاد اسکی کے اور جو کچھ دیگئی موسیٰ
أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ
اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دیگئی پیغمبروں کو پروردگار اپنے سے نہیں جدائی ڈالتے
أَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ۝ ۱۳۶
ہم درمیان کسی کے اُن میں سے اور ہم واسطے اسکے مطیع ہیں۔

اور (ایمان والو! تمہیں) یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ تو پھر ہدایت پاؤ گے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو پھر ہدایت پاؤ گے۔ اے رسول! آپ اعلان کر دیجئیگا کہ ہدایت (نہ یہودیت میں ہے نہ نصرانیت میں ہے) بلکہ ہدایت ملت ابراہیم یعنی اُس ضابطے میں ہے، جسکی اتباع خود ابراہیم حنیف کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مشرک نہیں تھے (لیکن یہود و نصاریٰ عزیر و مسیح کو خدا کے بیٹے ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شرک سے ہدایت میسر نہیں آسکتی) — (ایمان والو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں) کہا کرو، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور اُس کتاب قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے۔ اور جو (کتابیں) ابراہیم اور اسماعیل، اور اسحاق، اور یعقوب اور اُن کی اولاد کی طرف نازل ہوئی تھیں۔ اور جو کتابیں اُنکے رب کی طرف سے موسیٰ اور عیسیٰ کو دیگئی تھیں۔ اور جو جملہ انبیاء کو دیگئی تھیں۔ (سب نبیوں کی کتابوں پر ایمان لائے) ہم نبیوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سب نبیوں کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی۔ جو اسوقت قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوئی ہے) ہم اُس (ایک ہی کتاب کے نازل کرنیوالے) ایک ہی خدا کے فرمانبردار ہیں۔

● آیت بالا میں صحابہ کے ایمان کی تصدیق کے بعد، اگلی آیت مجیدہ میں مؤمنین کو بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اسوقت ہی ہدایت پا سکتے ہیں، جب نبیوں اور کتابوں پر اسطرح ایمان لائیں جسطرح تم لائے ہو۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

پس اگر ایمان لاویں ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے ہو ساتھ اسکے پس تحقیق راہ پا لینگے اور اگر پھر جاویں پس سوائے اسکے نہیں کہ وہ بیچ خلاف کے ہیں پس شتاب کفایت کرے گا تجھ کو ان سے اللہ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۱۳۷

ایمان والو! اگر اہل کتاب اسطرح ایمان لائیں جسطرح تم لائے ہو، تو پھر یقیناً ہدایت پا سکتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو جان لو کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ (اے رسول آپ بوقت ضرورت ہجرت کر جائیں) پھر آپ کو ان سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تم اپنے آپ کو باطل پیشواؤں کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہو، حالانکہ رنگ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہمنشین پر ہمنشین کا، شاگرد پر استاد کا، اور مرید پر پیر کا رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس فطری چیز کو نگاہ کا کرشمہ ٹھہرانا رہبانیت کا قدیمی عقیدہ ہے کہ، پیر ایک نگاہ میں مرید کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اسی ضمن میں کالا، سبز، جوگیا یا سفید کوئی سا رنگ مختلف خانقاہوں کیطرف سے لباس کیلئے مختص کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائی پیشوائیت نے لباس کیلئے سفید رنگ کا انتخاب کر رکھا ہے۔ اور مریدین کو تثلیث کے رنگ میں رنگنے کیلئے بپتسمہ کے نام سے رنگدار پانی کے چھینٹے دیتے ہیں۔ اپنے رنگ میں رنگ سکنے اور رنگ دینے کا عقیدہ تصوف کی جان ہے۔ لیکن اگلی آیت مقدسہ میں اس عقیدے کا بطلان کر دیا گیا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ ۱۳۸

رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے اور کون ہے بہتر خدا سے رنگ میں اور ہم اسی کی عبادت کرنیوالے ہیں۔

(ایمان والو ان کے الگ الگ خانقاہی رنگوں، اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ڈھونگ فریب محض ہے، ان سے کہدو کہ) رنگ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور (بتاؤ تو سہی کہ) رنگ کے لحاظ سے اللہ سے بڑھکر کون اچھا رنگ چڑھانے والا ہے۔ (اور کہدو کہ نگاہوں کیساتھ رنگ نہیں چڑھا کرتے۔ بلکہ فرمانبرداری اور اطاعت کیساتھ رنگ چڑھتے ہیں) اسلئے ہم اس احسن رنگ والے ہی کی خالص فرمانبرداری کرنیوالے ہیں۔

● اس سے آگے پھر ارشاد فرمایا:-

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ
کہہ کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے بیچ اللہ کے اور وہ ہے پروردگار ہمارا

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ○

اور تمہارا، اور واسطے ہمارے ہیں عمل ہمارے اور واسطے تمہارے ہیں عمل تمہارے - اور ہم واسطے اسکے اخلاص کرنیوالے ہیں۔ ۱۳۹

اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجیگا کہ کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ (نہ وہ ذاتی طور پر کسی کا سگا ہے نہ سوتیلا تم کہتے ہو کہ تم اسکے پیارے ہو) حقیقت یہ ہے کہ، وہ ہمارا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے۔ (اسکے ہاں عمل کی قیمت ہے، بے عملی کی نہیں، نتیجہ اعمال ہی کا مرتب ہوتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ (تم اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر عزیرؑ و مسیحؑ کو اسکی الوہیت میں شریک کرتے ہو لیکن ہم خالصتہً اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سب یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ وہ سب نصرانی تھے

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کی بے عقلی کی انتہا بتائی گئی ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
کیا کہتے ہو تم تحقیق ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ
اور اولاد اس کی تھے یہود یا نصاریٰ کہہ کیا تم بہت جانتے

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
ہو یا اللہ اور کون ہے بہت ظالم اس شخص سے کہ چھپاتا ہے

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ
گواہی جو پاس اس کے ہے اللہ کی طرف سے اور نہیں اللہ بےخبر

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۴۰
اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

(اے یہود و نصاریٰ) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی اولاد سب یہودی اور نصرانی تھے (تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل وغیرہ کسطرح یہودی یا نصرانی ہو سکتے ہیں جبکہ وہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ سے پہلے گزر چکے تھے) اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجیگا کہ کیا حقیقت کو تم خوب جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھکر کون ظالم ہے، کہ اس کے پاس اللہ کی شہادت موجود ہو اور وہ اسے چھپالے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر اُن کے زعم باطل کا بطلان کیا گیا ہے کہ جن بزرگوں پر تم تکیہ کئے ہوئے ہو وہ گزر چکے ہیں وہ تمہارے کسی کام نہیں آئینگے۔ حضرات ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد ایک مقدس جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
یہ ایک امت تھی کہ تحقیق گزر گئی واسطے اُن کے ہے
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
جو کچھ کیا اُنہوں نے اور واسطے تمہارے ہے جو کمایا تم نے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اُس چیز سے کہ تھے وُہ کرتے ۔ ۱۴۱

(دوبارہ سُن لو کہ، جن کی شفاعت اور کفارہ وغیرہ پر تم آسرا کئے ہوئے ہو) وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ہے ۔ جو اعمال انہوں نے کئے تھے ۔ وہ صرف اُنہی کے لئے ہیں (اُن میں سے تمہیں مطلقاً کوئی حصہ نہیں ملیگا) اور جو اعمال تم کرتے ہو، وہ صرف تمہارے لئے ہیں ۔ (تم سے تمہارے ہی اعمال کی بازپرس ہوگی) تم سے اُنکے متعلق ہرگز نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے

ع ۱۶

ربطِ کلام تحویلِ قبلہ نہیں ہجرت

کے ربط کے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ :۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ :۔ • سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ...... الخ

• تحریکِ ربوبیت کے اوّلین منکر و مخالف یہودی تھے ۔ جنہیں کہا گیا ۔ • وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۲/۴۱

• نیز اس انکار و مخالفت میں نصاریٰ کو بھی اِنکے ساتھ شامل بتایا گیا ہے • نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ۲/۱۰۱

• پھر آیت نمبر ۱۰۵ میں مشرکینِ مکہ کو بھی اُن کا ہمنوا کہا گیا ہے ۔ • مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ ۲/۱۰۵

• گویا خبر دیگئی ہے کہ زمانۂ رسالت کے تین بڑے گروہ آنحضور کے مخالف تھے ۔ جو ایمان والوں کو واپس اپنے اپنے دین میں لیجانا چاہتے تھے ۔ • وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۲/۱۰۹

• آیت نمبر ۱۱۵ میں کہا گیا ہے کہ جب مخالفت ناقابلِ برداشت ہو جائے تو اِس حقیقت کے مطابق کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے، محفوظ مقام پر ہجرت کر جایئے ۔ • وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۲/۱۱۵

• آیت نمبر ۱۲۰ میں صاف کہدیا گیا ہے ۔ کہ اے رسولؐ! یہود و نصاریٰ اُسوقت تک راضی نہیں ہونگے، جب تک کہ آپ اُنکے دین کی اتباع نہ کریں ۔ • وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۲/۱۲۰

• اور آیت نمبر ۱۳۷ میں فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ کے الفاظ کیساتھ وضاحت کیگئی ہے ۔ کہ مخالفینِ ربوبیت انتہائی شقاوت میں ہیں ۔ اِن کے اندر آپ کی مخالفت کا لاوا پک رہا ہے ۔

• ایسا وقت، وہ وقت ہوتا ہے جب ہجرت کر جانا لازم ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ جب ۸ ؁ھ کے مطابق آنحضور کیلئے عمر قید، قتل اور جلاوطنی کے منصوبے تیار ہو گئے ۔ اور مومنوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، تو آنحضورؐ اور صحابہ بیت الحرام مکہ معظمہ کے دائمی مرکز سے، مدینہ منورہ کے عارضی مرکز کیطرف ہجرت فرما گئے ۔ چنانچہ جیسے کہ آپ دیکھینگے کہ اِس عنوان کی ایک ایک آیت ہجرت کی تائید کرتی ہے، آیت مجیدہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ہجرت ہی سے متعلق ہے لیکن روایات نے اِسکے ساتھ، تحویلِ قبلہ کا ایک

ایسا قصّہ چسپاں کر رکھا ہے، جس سے ناموسِ رسالت بُری طرح داغدار ہوتی ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام مفسرینؒ نے اس آیت کو مسئلہ تحویل قبلہ کا موضوع قرار دیا ہے۔ بخاری شریف کتاب الایمان میں آیا ہے :-

"حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے۔ اور سب سے پہلے میرے ننھال جو انصار تھے، کے پاس اُترے۔ وہاں آکر آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ مگر آپ کو یہ بات پسند تھی۔ کہ آپ کا قبلہ بیت الحرام ہو۔ چنانچہ ایسا ہو گیا۔ تو آپ نے کچھ لوگوں سمیت سب سے پہلے نمازِ عصر قبلہ رُخ پڑھی"۔ —— تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے :-

"معراج کے بعد جبتک کہ (آنحضور کا) مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ بیت المقدس ہی کیطرف منہ کرکے نماز ہوتی رہی، مگر کعبہ معظمہ کو سامنے لیکر، یعنی (آپ) بیت المقدس کیطرف اِسطرح منہ کرتے کہ کعبہ معظمہ بھی سامنے آجاتا۔ مدینہ منورہ پہنچکر، چونکہ اسطرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا۔ لہذا بیت المقدس کیطرف نماز ہوتی رہی۔ مگر حضور کو شوق یہ تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو۔ چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ مہینے کے بعد...... آپ نمازِ ظہر پڑھا رہے تھے۔ دو رکعتیں بیت المقدس کیطرف ہو چکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبریل علیہ السلام یہ آیت لائے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ...... الخ، فوراً آپ معہ صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے"۔ —— المختصر اس روائتی قصّے پر غور فرمائیں، کہ آنحضورؐ اپنی پُوری مکّی زندگی، اور سترہ ماہ تک مدنی زندگی میں بھی بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے لیکن خواہش یہ تھی کہ آپکا قبلہ بیت الحرام ہو۔ اسیطرح روائتی تفاسیر نے آیت مجیدہ سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ کے متعلق یہ تصوّر دیا ہے کہ خداتعالٰی نے آپ کی خواہش کو شرفِ قبولیّت بخشنے سے پہلے مطلع کر دیا کہ قبلہ کی تبدیلی کے بعد بیوقوف لوگ مسلمانوں کو طعنے دینگے، کہ انہیں اس قبلے سے، جس پر یہ تھے، کس نے پھیر دیا ہے۔ لیکن سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ کیا آنحضور کا بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنا ممکن بھی ہے یا نہیں ؟

دعوتِ غور و فکر

کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس یہود و نصارٰی کا قبلہ تھا۔ جس کیطرف حضور کئی سال نماز ادا کرتے رہے۔ یہ تو ہم آگے چل کر ثابت کرینگے، کہ کیا یہ خداتعالٰی کا مقرر کردہ عالمی قبلہ تھا، یا یہود و نصارٰی کا خود تراشا ہُوا دینی مرکز تھا۔ یہاں یہ امر زیرِ غور ہے کہ رسولِ عربی سلامٌ علیہ نے بلا حکم خداوندی یہود و نصارٰی کے قبلہ کو اپنا قبلہ متعیّن کسطرح کر لیا، جبکہ آپکا اقرارِ ذیل قرآن کریم میں تکرار کیساتھ قیامت تک کیلئے موجود و محفوظ ہے :- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۶/۵۰ ۱۰/۱۵ - یہ ایک یقینی امر ہے کہ میں اُسی چیز کی اتباع کرتا ہوں، جو میری طرف وحی کیجاتی ہے۔ —— آنحضور کے اس دعوے کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ وحی الٰہی قرآنِ کریم کو ایک ایک لفظ کرکے دیکھیں، پوری طرح چھان بین کریں، کہ کیا کسی آیت مجیدہ میں آنحضور کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فی الحال بیت المقدس کو قبلہ بنالیں پھر اسے بدل دیا جائیگا۔ یا قرآنِ کریم سے کہیں اتنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو کبھی بھی خداتعالٰی کیطرف سے کسی بھی نبی کا قبلہ قرار دیا گیا ہو ؟ - یاد رہے کہ یہ دونوں چیزیں قرآن کریم میں بائے بسم اللہ سے سین والنّاس تک کہیں بھی نہیں ملتی۔ پس آنحضور کے اعلانِ مبارک ۶/۵۰ اور ۱۰/۱۵ کے مطابق ثابت ہُوا کہ آپ نے کبھی بھی بیت المقدس کیطرف نماز نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویل قبلہ کے

پودے کے پورے قصے کو حقیقت کیساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

بنابریں، لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ عالمی مرکز کی بغاوت کر کے بیت المقدس کو اپنا الگ قومی مرکز خود بنا لیا ہوا ہے۔ اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ آنحضور ؐ نے یہودیوں کے خود ساختہ قبلہ کو ایک دن کے لئے بھی اپنا قبلہ قرار دے لیا ہو۔

خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ صرف اور صرف بیت الحرام ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ۳/۹۶ = بلاشبہ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔ بابرکت اور ساری دنیا کیلئے ہدایت ہے۔ اس آیت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے حضرت آدم ؑ سے آنحضور ؐ تک صرف اور صرف ایک ہی مرکز مقرر کیا گیا ہے جو مکہ معظمہ میں ہے۔

اس مرکزِ قبلے کو توڑا کس نے؟

قرآن کریم کے ان دلائل قاطعہ کے خلاف، جیسے کہ تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلام علیہ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اب اگر ایک سیکنڈ کیلئے اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت الحرام کو اولین مرکز مقرر کرنیوالے نے قرآن بھر میں اسکے بدلنے کی خبر نہیں دی۔ تو معاذاللہ معاذاللہ حضرتِ موسیٰ سلام علیہ نے اس بغاوت کی جسارت فرمائی تھی؟ — پھر یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ بیت المقدس کے متعلق تو بتایا جاتا ہے کہ اسکی تعمیر حضرتِ سلیمان سلام علیہ نے حضرت موسیٰ کی وفات سے برسوں بعد فرمائی تھی تو بیت المقدس عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی حضرتِ موسیٰ کا قبلہ کسطرح مقرر ہو گیا۔ جب ان تمام سوالوں کا جواب نفی ہی میں ملتا ہے تو ثابت ہوا کہ نہ حضرت موسیٰ نے ملّتِ ابراہیم کے خلاف بیت الحرام کی مرکزیت کو توڑا تھا۔ اور نہ اُن کی زندگی میں بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ مقرر ہوا تھا۔ اور نہ نبیِ اکرم نے ایک دن کیلئے بھی اسکی طرف نماز پڑھی تھی۔

لفظ قبلہ کی لغوی تحقیق

لفظ قبلہ کا سہ حرفی مادہ ق۔ب۔ل = قبل ہے — اسکا بنیادی معنی ہے آمنے سامنے ہونا۔ جیسے کہ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ۱۰/۸۷ کا معنی ہے، اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ۔ ۱۵/۴۷ میں ہے کہ متقی جنت میں بھائیوں کیطرح آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہونگے۔ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ پس قبلہ کا معنی ہے وہ چیز، جو ہر وقت سامنے رہے۔ اسطرح بیت الحرام چونکہ ہر آن سامنے رکھنے کی چیز ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اسے ہر آن ذہنی اور عملی طور پر سامنے رکھنا مقصود ہے۔ نیز چونکہ اسے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۲/۱۲۵، مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷ اور قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ کے مطابق عالمی مرکزیت کا شرفِ عظیم حاصل ہے۔ اسلئے بیت الحرام اہلِ اسلام کے ہر فرد کا مطمع نظر، اور نصب العین ہے، اور عملی طور پر ہر وقت اپنے سامنے رکھنے کی چیز ہے، بس یہی ہے قبلہ کا صحیح مفہوم نیز چونکہ صلوٰۃ موقت کی ادائیگی کیلئے اجتماعیت کے پیشِ نظر، ایک جہت کا تعین لازم ہے۔ اسلئے صلوٰۃ اسی کی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی ہے۔

قبلہ کا اصل مقام

قبلہ کا اصل مقام صرف جہتِ صلوٰۃ نہیں، بلکہ اہلِ اسلام کا مرکز اور پوری نوعِ انسانی کے لئے امن عالم کا ضامن ہونا ہے۔ چونکہ حضورؐ کی مکّی زندگی میں، بیت الحرام میں مشرکین کا زور تھا۔ وہ اسکے اندر تالیاں سیٹیاں بجا بجا کر صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے ۳۵/۸۔ اسکی تولیّت انہی کے پاس تھی۔ اسلئے بیت الحرام میں مرکزی نظام قائم نہ ہوسکا۔ بلکہ مخالفت اس حد تک شدّت اختیار کر گئی کہ ۳۰/۸ کے مطابق آنحضورؐ کیلئے قید، قتل اور جلا وطنی کے منصوبے بنائے جانے لگے تو ۲/۱۱۵ کے حکم کے مطابق، آنحضورؐ مع صحابہ ہجرت فرما گئے۔ اس پر خبر دیگئی ہے کہ مخالف بیوقوف نہیں جانتے کہ مسلمان خواہ کہیں بھی ہوں انکا مرکز بیت الحرام ہی ہے۔ نیز وہ اسے ضرور ضرور حاصل کرنیوالے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کس چیز نے انکے قبلہ بیت الحرام سے پھیر دیا ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ نبیؐ اکرم نے نماز کا رُخ بدل دیا تھا۔ بلکہ جیسے کہ آیت مجیدہ کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، کہ بیوقوفوں کے طنز کے جواب میں حکم ہُوا ہے، اے رسولؐ! آپ کہدیجئیگا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جدھر کو چاہے ہماری رہنمائی فرمائے۔ اس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ مخالفوں کا طنز و طعن حضورؐ کی نقل مکانی پر تھا، نماز کی جہت پر نہیں تھا۔ جہتِ صلوٰۃ تو نہ کبھی بدلی ہی تھی۔ اور نہ اس پر مخالفین کوئی پابندی لگا ہی سکتے تھے کہ اس طرف نماز نہ پڑھو۔ اور اسی نقل مکانی کے بعد آنحضورؐ بیت الحرام کی واپسی کیلئے سر اُٹھا کر خاموش دُعائیں فرمایا کرتے تھے۔ ربطِ آیات متقدمات میں دیکھئے، کسطرح آنحضورؐ کی، فتح مکہ کی تمنّا اور بیقراری کا تذکرہ واضح کر رہا ہے۔ کہ یہ آیات کریمات تحویلِ قبلہ سے نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہیں:-

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ شتاب ہے کہ کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے کس چیز نے عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ پھیر دیا ان کو قبلے ان کے سے جو تھے وہ اوپر اسکے کہہ واسطے وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اللہ کے ہے مشرق اور مغرب راہ دکھاتا ہے جسکو چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔ ۱۴۲	بیوقوف لوگ جو نہیں جانتے کہ بیت الحرام کی مرکزیت دائمی ہے، (آپ کی ہجرت پر) بلاشبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اُن قبلہ مکّہ معظمہ سے، جہاں یہ تھے، (دوسرے مرکز مدینہ کی طرف) کس نے موڑ دیا ہے۔ اے رسولؐ! کہدیجئیگا کہ مشرق و مغرب (ساری دُنیا) اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کوئی چاہتا ہے، اُسے صراطِ مستقیم کی رہنمائی کر دیتا ہے۔

ملہ مضارع پر سَ داخل ہو تو یا مستقبل قریب کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یا حال کے معنوں میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ کا معنی لکھا گیا ہے بلاشبہ بیوقوف کہتے ہیں۔ دلیل کیلئے دیکھئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۱۳۔

ہجرت کرنا سُنّتِ انبیاء ہے

ہجرت کیا ہے؟ قرآن کریم کی رُو سے ہجرت کامیابی کی کلید ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہما نے فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۲۰/۴۷ کے الفاظ میں فرعون سے ہجرت کی اجازت مانگی تو وہ، فوراً ہجرت کے صحیح نتیجے پر پہنچ گیا۔ اور کابینہ سے کہا کہ یہ دونوں سیاستدان جو خود دارِ مصر

سے نکلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی سیاست کیساتھ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دینے کا ارادہ رکھتے ہیں ۲۰/۶۲۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کی ہجرت مقدسہ کے متعلق، کہا جا رہا ہے کہ ہم نے، تم سے ہجرت کروا کر، دراصل تمہیں بیت الحرام کا وارث اور اس عالمی مرکز کا متولی ٹھہرا دیا ہے۔ کہ تم اقوامِ عالم کے نگران بن جاؤ۔ کہ کوئی قوم، کسی قوم پر ظلم زیادتی نہ کرنے پائے۔ اور تمہارا نگران ہمارے ضابطے کیساتھ ہمارا رسول ہو۔ نہ تم خود اس کی حدود سے نکلو۔ اور نہ کسی کو اس کی حدیں پھاندنے دو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت بیچ کی یعنے بہتر تو کہ ہو
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
تم گواہ اوپر لوگوں کے اور ہووے پیغمبر اوپر تمہارے گواہ اور
شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ
نہیں کیا تھا ہم نے قبلہ جو تھا تو اوپر اُسکے مگر تو کہ جانیں ہم اس شخص
اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
کو کہ پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اوپر
عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى
دونوں ایڑیوں اپنی کے اور یہ ہے البتہ بڑی بات مگر اوپر ان
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ
لوگوں کے کہ راہ دکھائی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ کہ ضائع کرے
اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳
ایمان تمہارا تحقیق اللہ ساتھ لوگوں کے البتہ شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔

اور اسی طرح ہم نے صراطِ مستقیم (ہجرت) کی رہنمائی کرکے تمہیں وسطی، یعنی بین الاقوامی، مرکزی اُمت قرار دیا ہے، تاکہ تم امامت امم کے منصب جلیلہ کے مطابق، لوگوں کے نگران بن جاؤ (اقوامِ عالم کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو۔ کوئی قوم کسی قوم پر ظلم نہ کرنے پائے) اور تمہارا نگران ہمارا رسول ہو، (جس پر وہ ضابطہ نازل کیا گیا ہے، جو پوری نوعِ انسانی کا قیامت تک کیلئے نگران ہے)، اور اے رسول! ہم نے اس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں اس لئے مقرر کیا ہے، کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ (ایمان کے دعویداروں میں سے)، کون گھر بار چھوڑ کر، ہمارے رسول کی پیروی (میں ہجرت) کرتا ہے۔ اور کون (مال اور جائیدادوں کی محبت میں اُلجھ کر)، باطل دین کی طرف پھر جاتا ہے۔ بیشک (سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کرنا) بہت بڑی بات ہے۔ مگر اُن کے لئے کچھ بھی نہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت پہ پایا ہے۔ اور (ایمان والو! مدینہ منورہ کا عارضی مرکز، مکہ معظمہ کے دائمی مرکز سے ہٹانے کیلئے نہیں بنایا گیا)، کیونکہ خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان ضائع کر دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدوں کو بخشش کرنیوالا مہربان ہے۔

● دیکھا آپ نے! دائمی مرکز بیت الحرام کی مرکزیت کو ذہنی طور پر چھوڑ دینے کو کس طرح ضیاعِ ایمان کا موجب ٹھہرایا گیا ہے؟

ضروری نوٹ آیت بالا میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا، جملہ معترضہ ہے۔ جس میں ہجرت کے نتیجے کی وضاحت کی گئی

ہے کہ اگرچہ بظاہر تم بیت الحرام سے نکل آئے ہو لیکن دراصل نتیجہ یہ ہوگا کہ مخالفین کو اس مرکز سے نکلنا پڑیگا۔ اور اسکی تولیت نہیں میسر آئیگی۔ اس طرح اس جملہ معترضہ کو الگ کرکے تقدیر کلام یہ ہے:۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ...... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا ...... الخ۔ بیوقوف لوگ بلاشبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اُس قبلہ مکہ معظمہ سے، جہاں یہ تھے، کس نے ہٹا دیا ہے؟ اے رسول کہدیجیئےگا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو چاہتا ہے اللہ اُسکی رہنمائی کرتا ہے ..... اور اس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں، ہم نے اسلئے مقرر کیا ہے کہ ہم ظاہر کردیں، کون دگھربار چھوڑکر، رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون مال کی محبت میں پھنس کر باطل مذہب کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً اس جملہ میں لَكَبِيرَةً چونکہ منصوب ہے اسلئے كَانَتْ کی خبر ہے۔ كَانَتْ فعل ناقص اپنے اسم ضمیر هِيَ مستتر اور اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر اِنْ کی خبر ہے، اور محلًا مرفوع ہے۔ لام مفتوح اِنْ مخففہ کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔ اِنْ مخففہ کا اسم منصوب الْهِجْرَةَ محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام ہے:۔ اِنَّ الْهِجْرَةَ كَانَتْ (هِيَ) لَكَبِيرَةً "

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کو سامنے لانے سے پہلے، پھر سمجھ لیجئیگا کہ آیت مجیدہ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ تحویل قبلہ سے متعلق نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں اسی نظریئے کی تائید ہورہی ہے۔ کہ آنحضورؐ نے مخالفین ربوبیت سے تنگ آکر ہجرت تو فرمائی لیکن خیال ہروقت اُسی طرف لگا رہتا تھا۔ کہ کب مکہ فتح ہو، اور دائمی مرکز کی تولیت کفار سے نکل کر مسلمانوں کی طرف منتقل ہو۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ ج
تحقیق دیکھتے ہیں ہم پھرنا منہ تیرے کا بیچ آسمان کے پس البتہ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ
پھیر دینگے ہم تجھکو اس قبلہ کیطرف کہ پسند کرے تو اُسکو پس پھیر لو منہ اپنے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا
طرف اُسکے اور تحقیق وہ لوگ کہ دیئے گئے ہیں کتاب البتہ جانتے ہیں یہ کہ
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وہ حق ہے پروردگار اُن کے سے اور نہیں اللہ بےخبر اس
لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝
چیز سے کہ کرتے ہیں وہ۔ ۱۴۴

ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اُٹھنا دیکھتے ہیں پس ہم ضرور ضرور اس مرکز قبلہ کی تولیت آپ کو عطا فرمائینگے۔ جس پر آپ ہمارے حکم $\frac{2}{125}$ کے مطابق راضی ہوچکے ہیں۔ پس آپ اپنی توجہ کو مسجد حرام کی بازیابی کی طرف پھیر لیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو اپنی توجہ مسجد حرام کی بازیابی کی طرف پھیرلو۔ اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بیت الحرام ہی اُن کے رب کی طرف سے (مقرر کردہ) سچا دائمی مرکز ہے۔ (جسے کبھی کسی زمانے میں بھی نہیں بدلا گیا $\frac{3}{96}$)، لیکن (اس کے خلاف) جو وہ عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے بےخبر نہیں ہے۔

سب نے اپنے الگ الگ قومی قبلے قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں۔

اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ سب نے عالمی مرکز کے خلاف اپنے الگ قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں۔ نہ وہ آپکے مرکز کی اتباع کرنیوالے ہیں۔ اور نہ آپ اُن کے مرکز کی اتباع کرنیوالے ہیں نیز وہ آپس میں ایک دوسرے کے مرکزوں کی اتباع کرنیوالے بھی نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ
اور اگر لاوے تو اُن لوگوں کو کہ دیئے گئے ہیں کتاب ساتھ
اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ
ساری نشانیوں کے نہیں پیروی کرینگے قبلہ تیرے کی اور نہیں تو
وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
پیروی کرنیوالا قبلے اُن کے کی اور نہیں بعض انکے پیروی کرنیوالے
اَهْوَاۗءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
قبلہ بعضے کی اور اگر پیروی کرے گا تو خواہشوں انکے کی پیچھے
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۵
اس چیز کے کہ آئی تیرے پاس علم سے تحقیق تو اسوقت ظالموں سے ہے۔

اے رسولؐ! اگر آپ اپنے قبلہ (بیت الحرام کی دائمی عالمی مرکزیت کے) تمام نشان بھی اِن پر واضح کر دیں۔ تو پھر بھی یہ آپکے عالمی قبلہ کی پیروی نہیں کرینگے۔ اور نہ آپ ہی کبھی بھی اُن کے (کسی) قومی قبلہ کی اتباع کرنیوالے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود ایک دوسرے کے قبلوں (قومی مرکزوں) کی اتباع کرنیوالے بھی نہیں اور اگر آپنے (قرآن حکیم کا یقینی) علم آچکنے کے بعد، انکی خواہشات کی پیروی کی (یعنی عالمی مرکز کی بجائے آپنے بھی کوئی قومی مرکز بنا لیا)، تو بلاشبہ آپ بھی اُس وقت بے ٹھکانہ کام کرلنے والوں میں سے ہو جائینگے۔

پھر غور فرمائیں کہ یہاں کسی ایک قبلہ کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے الگ الگ قبلوں کا ذکر ہے

دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں یہود ونصاریٰ، بلکہ اور بھی بہت سی قوموں کے الگ الگ قبلوں کی خبر دیگئی ہے۔ جس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہاں سب کے الگ الگ قبلوں، قومی مرکزوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ نماز کی الگ الگ سمتوں کے متعلق نہیں بتایا جا رہا۔ اور مذکورہ بالا پورا مضمون، آنحضورؐ کے عارضی مرکز کے قیام اور دائمی عالمی مرکز کی وضاحت اور بازیابی کی خوشخبری سے متعلق ہے۔ ورنہ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر بقول بعضے یہاں نماز کی جہت کا ذکر ہے تو نماز کی جہت کیلئے اہل کتاب نے بیت المقدس کے ساتھ اور کون کونسے اور کتنے قبلے بنا رکھے ہیں؟ اور اس طرح جب حقیقت یہ ہے، کہ آیات مقدسات ہجرت سے متعلق ہیں، تحویل قبلہ سے نہیں، تو دوپہر کے سورج کی طرح ثابت ہوا کہ آنحضورؐ نے کبھی بھی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے کوئی ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویل قبلہ کے روائتی قصے کا قرآن کریم کے ساتھ کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ لہذا آنحضورؐ نے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى $\frac{۲}{۱۲۵}$ کے حکم کے مطابق شروع ہی سے بیت الحرام کو جہتِ صلوۃ قرار دیا تھا، اور بس۔

اہلِ کتاب اس قبلہ کو خوب پہچانتے ہیں اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں، قبلہ بیت الحرام کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا قبلہ بھی، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عالمی مرکز کے طور پر مقرر کیا گیا تھا، یہی تھا۔ وہ اِس قبلہ کو اِس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
جو لوگ کہ دی ہم نے انکو کتاب پہچانتے ہیں اسکو جیسا کہ پہچانتے
یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ
ہیں بیٹوں اپنوں کو اور تحقیق ایک فرقہ اُن میں سے البتہ چھپاتے
الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ ۱۴۶
ہیں حق کو اور وہ جانتے ہیں ۔

وہ لوگ جنہیں (قرآن سے پہلے) الکتاب دی گئی تھی، وہ اِس قرآن کو (اور اِس رسولؐ کو) اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ۲/۱۸، لیکن اُن میں ایک گروہ (علماءِ سُو کا) ہے ۔ جو حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ اور (نادانی کی وجہ سے نہیں چھپاتے، بلکہ) وہ جانتے ہیں۔ (کہ قرآن کریم اور آنحضور سلام علیہ کی تشریف آوری کی خبر تورات اور انجیل مجملہ کتب سماوی میں موجود ہے)

● سورہ اعراف میں ہے :۔ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ۷/۱۵۷ ۔ اہلِ کتاب اِس رسولؐ کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہُوا پاتے ہیں ۔ نیز سورہ فتح میں آنحضورؐ مع صحابہ کرام کے متعلق درج ہے :۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۴۸/۲۹ ۔ حضورؐ اور آپکے صحابہ کا تذکرہ تورات میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی درج ہے۔ نیز آئت صدر کا تکرار بعینہٖ نقل مطابق اصل ۶/۲۰ میں بھی آیا ہے :۔
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۶/۲۰

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں، اس مشاہداتی حقیقت کے مطابق کہ منکرین و مخالفین کے جھٹلانے اور شک کرنے سے ذہن پر جو اثر ہوتا ہے۔ اُسکے پیش نظر آنحضور سلام علیہ کو کہا جا رہا ہے :۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ ۱۴۷ ع
حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے پس مت ہو شک لانے والوں سے ۔

اے رسولؐ! یہ حق قرآن کریم وحقیقتاً آپ کے رب کی طرف سے (نازل ہُوا) ہے ۔ (مخالفوں کے جھٹلانے اور شور مچانے پر، آپ کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

ہر گروہ نے ایک سمت مقرر کر رکھی ہے سیاقِ کلام کے مطابق، کہ اُوپر یہود و نصاریٰ اور دیگر جملہ فرقوں کے الگ الگ قومی مرکزوں قبلوں کا ذکر آ چکا ہے ۔ اگلی آئت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ ہر گروہ کے لئے ایک مرکز ہے۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے ہی قبلے کی طرف مڑنے والا ہے لیکن اُن کے الگ الگ مراکز چونکہ قومی مرکز ہیں۔ اسلئے اُن میں انسانی بھلائی مفقود ہے ۔ اِس کے برعکس، عالمی مرکز کا تصور چونکہ نوعِ انسانی کی بھلائی کی بنیادوں پر قائم ہے ۔ اِس لئے ایمان والوں کو حکم ہُوا ہے کہ تم بھلائی میں آگے بڑھتے چلے جاؤ :۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
اور واسطے ہر کسی کے ایک طرف ہے وہ منہ پھیرتا ہے
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ
ادھر پس دوڑو بھلائیوں کو جہاں کہیں کہ ہو تم لے آئیگا تمکو
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۴۸
اللہ سب کو تحقیق اللہ تعالیٰ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور ایمان والو! (سُن لو کہ) ہر قوم کی ایک الگ سمت ہے جس کی طرف وہ مڑنے والی ہے۔ تم بھلائیوں میں سبقت لیجاؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کرکے (عالمی مرکز پر) لے آئیگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (وہ ہر کام اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی کرتا ہے)۔

● آنحضورؐ معہ صحابہؓ، فتح مکہ کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن باوجود اس کے کہ آیت نمبر ۱۴۴ میں آنحضورؐ کو خوشخبری دیدی گئی ہے، فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا، کہ ہم ضرور ضرور آپ کو بیت الحرام کی تولیت عطا فرمائینگے، جس پر آپ ہمارے حکم $\frac{۲}{۱۲۵}$ کے مطابق راضی ہو چکے ہیں۔ لیکن اس آیت نمبر ۱۴۸ کے آخری الفاظ میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ اگر کسی معجزاتی طریقے سے فتح چاہو، تو ہرگز نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نے جو قانون مقرر کر رکھے ہیں، ہم اُن کی مخالفت ہرگز نہیں کرتے۔ جملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے مفہوم میں، کیا کچھ پوشیدہ ہے؟۔ ابھی جنگ بدر اور اُحد میں اُن سے نبرد آزما ہونا ہے۔ جبتک دشمنوں کی طاقت ختم نہ ہوگی، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سیدھے ہاتھوں بیت الحرام کی چابیاں تمہارے حوالے کر دینگے؟

ہر جہت سے مسجد حرام کی بازیابی پر نگاہ رکھو

اِس سے اگلی آیات کریمات میں آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ (بیت الحرام کے متعلق نماز کی جہت کے علاوہ اسوقت کرنے کا کام یہ ہے کہ) آپ جہاں سے بھی نکلیں یعنی آپ جو بھی قدم اُٹھائیں، اپنی توجہ ہر آن مسجد حرام کی طرف رکھیں جس کی ابتدائی کڑی اُسے غیروں کے قبضہ سے آزاد کرانا، اور آخری کڑی، اُسے امنِ عالم کا ضامن، عالمی مرکز قرار دینا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۳}{۹۶}$، $\frac{۵}{۹۷}$۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
اور جہاں سے نکلے تو پس پھیرلے منہ اپنے کو طرف مسجد
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ
حرام کے اور تحقیق وہ البتہ حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۱۴۹
اور نہیں اللہ غافل اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

اے رسولؐ! آپ جو بھی قدم اُٹھائیں، اپنی توجہ مسجد حرام (سے متعلقہ مسائل) کیطرف پھیر لیا کریں۔ اور بلاشبہ وہ عالمی مرکز آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور ایمان والو! تم جو بھی کام کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
اور جہاں سے نکلے تو پس پھیر منہ اپنے کو طرف مسجد

اور اے رسولؐ! آپ جو بھی قدم اُٹھائیں اپنی توجہ مسجد حرام کیطرف پھیر لیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو، اپنی توجہ اُسی کی

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

حرام کے اور جہاں کہیں ہو تم پس پھیر لو منہ اپنے کو طرف اس کے

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

تو کہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر تمہارے حجت (یعنی جھگڑا) مگر

حُجَّةٌ ۤ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے پس مت ڈرو ان سے اور ڈرو

وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

مجھ سے اور تو کہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے

تَهْتَدُوْنَ ۙ ۱۵۰

اور تو کہ تم راہ پاؤ۔

طرف پھیرے رہو۔ تاکہ (تمہاری مسلسل جدوجہد کی بدولت) تم پر لوگوں کا غلبہ نہ ہو (یعنی وہ تمہاری فوجی تیاری $\frac{8}{60}$ کی بدولت تم سے ڈرتے رہیں) سوائے ان کے جنہوں نے ان میں سے تم پر ظلم کیا پس تم ان سے نہ ڈرو، میری مخالفت سے ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت (اسلامی سلطنت جو مدینہ منورہ میں قائم ہو چکی ہے۔ مگر فتح مکہ اور بیت الحرام کی بازیابی کے بغیر ادھوری ہے) پوری کر دوں۔ اور تاکہ اسی طرح تم کامیاب ہو جاؤ (یعنی تمہاری کامیابی اسی طرح بشکل مشہود نمایاں ہو جائے)۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

جیسا بھیجا ہم نے بیچ تمہارے پیغمبر تم میں سے پڑھتا ہے

اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۱

ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو کچھ نہیں تھے تم جانتے۔

جس طرح کہ ہم نے تمہارے درمیان تمہیں میں سے اپنا رسول (بصورت موجود) بھیجا ہے۔ جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں معاشی بدحالی سے پاک کرتا ہے ($\frac{9}{103}$) اور تمہیں پُر حکمت کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم جانتے نہیں تھے۔

مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

آیات بالا میں "مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ" کے الفاظ محاورۃً استعمال ہوئے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ کی عمومیت اور "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" کے مطابق اس کا لفظی معنی یہ بنتا ہے کہ "اے رسول! آپ جہاں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیا کریں"۔ یعنی آپ جہاں سے بھی نکلیں، منہ بیت الحرام کی طرف ہو۔ اب سمجھنا یہ ہے کہ کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کمرے سے نکلیں، باورچی خانے سے نکلیں صحن سے نکلیں، غسلخانے سے نکلیں، بیت الخلاء سے نکلیں، جہاں سے بھی نکلیں، آپ کا منہ بیت الحرام کی طرف پھر جانا چاہیئے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ تصور سو فیصدی نہیں۔ بلکہ کئی سو فیصدی ناممکن العمل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں "مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ" بطور محاورہ آیا ہے۔ اور اس آیت میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ آپ جو بھی قدم اٹھائیں، اور آپ کے سامنے جو بھی پروگرام ہو اس کی غرض و غایت مرکزی نظام ربوبیت کا قیام، بیت الحرا کی بازیابی اور اس کی عالمی مرکزیت کو بروئے کار لانا ہو۔ اور ہر قدم اسی منزل مقصود

کی طرف اٹھتا چلا جائے۔ اور یہی حکم حضورؐ کے علاوہ صحابہ کرام کو بھی دیا گیا تھا۔

نعمت بمعنی آزاد حکومت

سیاق کلام کے مطابق وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ کے الفاظ میں نعمت سے مراد آزاد اسلامی مملکت ہے، جو عوام ہوں یا صحابہ رسولؐ، خود انسانی کوششوں ہی سے قائم ہوتی ہے نعمت کا معنی آزاد حکومت آیت ذیل میں پیچھے گزر چکا ہے۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ ۲/۴۷۔ اے بنی اسرائیل۔ میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائی۔ اور نعمت کی تعریف اِس سے اگلے الفاظ میں کر دی ہے وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ اور بیشک میں نے تمہیں آزاد حکومت عطا کر کے، ہم عصر اقوام پر فضیلت بخشی تھی۔ اِسی نعمت کی تکمیل کا یہاں مشروط وعدہ کیا جا رہا ہے کہ یہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمہیں تمہارا مرکز بیت الحرام واپس نہ ملے۔ اور وہ اِسی طرح مل سکتا ہے کہ رسولؐ اور مومنین کی توجہ ہر لحظہ مسجد حرام کی بازیابی پر مرکوز ہو، چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ۱۵۲ ع ۱۸

پس یاد کرو مجھ کو یاد کرونگا میں تم کو اور شکر کرو واسطے میرے اور مت کفر کرو۔

پس ایمان والو تم مجھ (یعنی میرے نازل کردہ ضابطۂ حیات کو) یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھونگا۔ یعنی میرے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ (میں اسکا ثمر عطا کرونگا) —— فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کے الفاظ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ ۲/۴۰ کے لفظاً متبادل اور معناً مترادف ہیں، یعنی جس طرح بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کرونگا، اسی طرح صحابہ کرام کو کہا گیا ہے کہ تم میرے قانون کو یاد رکھو۔ یعنی اس پر عمل کرو، میں تمہیں بھرپور بدلہ عطا کرونگا۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ
اللہ کی یاد، اُسکے ضابطے کی اتباع ہے

اللہ کے ذکر کا جہاں تک محض زبان سے تعلق ہے، قرآن کریم نے اُسے صرف اور صرف صلوٰۃ موقت (نماز) تک محدود رکھا ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۳۹ میں ذکر کا لفظ صلوٰۃ کا متبادل آیا ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ کہ اگر تم سفر میں ہو، اور تمہیں کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو پیادہ پا یا سواری پر جس حالت میں تم ہو، نماز ادا کر لیا کرو۔ اور جب امن کی حالت ہو تو ارشاد ہوا ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمْ ۲/۲۳۹ پھر تم اللہ کا ذکر (صلوٰۃ ادا) کیا کرو، اُس طرح جس طرح کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے —— اس طرح اذکار صلوٰۃ کے سوا زبانی اللہ، اللہ، اللہ، اللہ کے ورد و وظائف کا قرآن کریم کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت زیر نظر میں فَاذْکُرُوْنِیْ سے ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ تسبیح لیکر، اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور اللہ، اللہ، اللہ اللہ کرتے رہو۔ بلکہ اگلے الفاظ میں

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ کہکر ذکر کی تعریف کر دی ہے۔ کہ میرا ذکر اور میری یاد یہ ہے کہ میرا شکر کرو، کفر نہ کرنا۔ اب معیبت یہ ہے کہ شکر کا معنی بھی زبانی زبانی شکر کرنا ہی لیا گیا ہے، کہ یہ کہہ دیا جائے حَمْدُ اللّٰہِ وَشُکْرًا لِلّٰہِ۔ حالانکہ شکر کا معنی ہے، ایسی انتھک کوشش کرنا، کہ اُس کا بھرپور نتیجہ بصُورتِ مشہود اُبھر کر سامنے آجائے، جیسے کہ قرآنی لغت نے خود فیصلہ دیدیا ہے، وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۱۴/۷ ۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا۔ کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا۔

اب بتائیے! کیا کھیت سے فصل، اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرلے سے میسّر آتی ہے، یا یہ نعمت اُس کے قوانینِ مشیّت کے مطابق ہل چلانے، بیج بونے، پانی دینے، کھادیں ڈالنے، اور کاٹنے گاہنے کے بعد عطا کی جاتی ہے؟ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کی ہر نعمت، کیا زبانی زبانی شُکْرًا لِلّٰہِ کہنے سے میسّر آتی ہے؟ یا اُس کے حصول سے متعلقہ قوانین پر عمل کرلے ہی سے ملتی ہے؟۔ فلہذا جب حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ہر نعمت اُس کے ضابطہ پر عمل کرنے ہی کا ثمر ہے۔ تو یہ چیز حل کر عیاں ہو چکی، کہ شکر کا معنی، کائنات کے ہر مقام اور ہر گوشے میں قوانینِ خداوندی کی اتّباع کرنا ہے، خواہ وہ اُس کے ضابطۂ طبیعات سے متعلق ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے کتابِ کائنات میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اور خواہ وہ اُس کی نزولی ہدایات کا حصّہ ہوں، جو اُس کی نازل کردہ کتابِ مقدّس قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

صلوٰۃ واستقامت کامیابی کا زینہ ہے

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے واضح کیا گیا ہے کہ نظامِ ربوبیّت ($\frac{۹۰}{۱۶ تا ۱۴}$) اور بیت الحرام کی عالمی مرکزیّت $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۳}{۹۷}$، $\frac{۵}{۹۷}$ کا قیام اِس قدر مشکل گھاٹی ہے کہ، اِس میں بھوک پیاس کے علاوہ، فصلوں، پھلوں اور مالوں کا نقصان برداشت کرنیکے ساتھ ساتھ جانیں بھی قربان کرنا پڑتی ہیں۔ اسلئے اجتماعیّت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ اجتماعیّت کیلئے صلوٰۃِ موقت کے اجتماعات میں بدوام حاضر رہنے اور اجتماعی فیصلوں پر صبر واستقامت کے ساتھ جانیں تک قربان کرنے کیلئے تیار رہتے ہوئے مجھ ہی سے مدد مانگا کرو۔ میں استقامت کرنیوالوں کے ساتھ ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ اے لوگو جو ایمان لائے ہو مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۱۵۳ ○ کے تحقیق اللہ ساتھ صبر کرنیوالوں کے ہے	ایمان والو! استقامت اور اجتماعیّت (صلوٰۃِ موقّت) کے ساتھ مدد طلب کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

نوٹ اِس آیتِ مجیدہ میں اِسْتَعِيْنُوْا بصیغہ امر وارد ہوا ہے، جو صلوٰۃِ موقّت سے متعلق ہے۔ اور جیسے کہ اِس کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے، صلوٰۃِ موقت میں، صرف قرآنی دُعائیں ہی پڑھنے کا حکم ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ $\frac{۷۳}{۲۰}$، اور چونکہ قرآن بھر میں، اِسْتَعِيْنُوْا کے امر کی تعمیل کیلئے قرآنی الفاظ، اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، صرف اور صرف سورۃ

فاتحہ میں آئے ہیں. اسلئے اس آئت مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ موقت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت اِسْتَعِیْنُوْا کے ارشاد خداوندی کے مطابق فرض ہے.

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ اس راہ میں جو افراد کام آجائیں انہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وہی تو قوموں کو زندہ کرنیوالے ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ
اور مت کہو واسطے اُن لوگوں کے کہ مارے جاتے ہیں بیچ راہ

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
اللہ تعالیٰ کے کہ مُردے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور لیکن نہیں تم سمجھتے ۔

اور جو اللہ کی راہ میں (یعنی نظامِ ربوبیّت کے مخالفوں سے لڑتے ہوئے) مارے جائیں، انہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وہ زندہ (قوموں کو) زندہ (کرنیوالے) ہیں۔ ولیکن تمہیں شعور نہیں۔ (کہ قوموں کی زندگی کا راز افراد کی قربانیوں ہی میں مضمر ہے)

مقتولین فی سبیل اللہ کی تعریف اس نازک مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ۴/۷۵ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں :- وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج = ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو گے، جبکہ کچھ مرد، عورتیں اور بچے کمزور کر دیئے گئے ہوں۔ اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہوں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نکال لے ۔۔۔ اس آئت کی رُو سے مستضعفین کی مدد کیلئے لڑنا قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اور اس راہ میں جو مارے جائیں وہ مقتولین فی سبیل اللہ ہیں۔ اب مستضعفین کی تعریف سورہ قصص میں ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :- جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ اُس نے عوام کے گروہ بنا رکھے تھے۔ ایک گروہ کو حقِ ربوبیّت سے محروم کر کے کمزور کر دیا تھا، پس ثابت ہُوا کہ قرآنِ کریم کی رُو سے مستضعفین وہ ہیں، جنہیں محروم ربوبیّت کر کے کمزور کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا اُن کا حقّ ربوبیّت دِلانے کیلئے، غاصبینِ ربوبیّت کے ساتھ لڑنے کو ۴/۷۵ میں قتال فی سبیل اللہ کہا گیا ہے پس مقتولین فی سبیل اللہ وہ ہیں، جو غاصبینِ حقوقِ ربوبیت کیساتھ جنگ کرتے ہوئے قتل ہو جائیں۔

سلسلۂ درس کی آئت بالا نمبر ۱۵۴ میں مقتولین فی سبیل اللہ کے اس احترام کی بدولت کہ وہ قوم کو زندہ کرنیوالے، اور ملت کا سرمایۂ صد افتخار ہیں، انہیں طبعی موت مرنیوالوں کی مانند مُردے کہنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔ لیکن اس آئت سے روایات نے تصوّر یہ لیا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ، فی الحقیقت زندہ ہیں۔ جیسے کہ ۳/۱۶۹ میں انہی کے متعلق کہا گیا ہے :- بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔ اسکا مفہوم یہ لیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ یُرْزَقُوْنَ فعل مضارع ہے۔ جو حال اور استقبال دونوں کیلئے آتا ہے۔ لیکن ۲۲/۵۸ میں اس پر لامِ تاکید اور نونِ مشدّدہ لا کر فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ یہ مستقبل کیلئے ہے۔ اور مقتولین فی سبیل اللہ کو زمانۂ حال میں رزق نہیں دیا جاتا، بلکہ زمانۂ مستقبل میں جب وہ قیامت کو اُٹھائے جائینگے رزق دیا جائیگا۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

حسّامد = اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں، پھر وہ قتل کئے جائیں یا مرجائیں، اُنہیں اللہ تعالیٰ اچھا رزق دیگا۔
آئت مجیدہ ۳/۱۶۹ جس میں ۲۲/۵۸ کے فیصلے کے مطابق یُرزقون بصیغہ حال نہیں، بلکہ بصیغہ استقبال آیا ہے۔ پوری آئت مجیدہ یہ ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ = اور اس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے = اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں اُن کے متعلق گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں ـــ رزق دیئے جاتے ہیں کے متعلق تو سطور بالا میں ۲۲/۵۸ کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یُرزقون فعل مضارع حال نہیں۔ بلکہ استقبال کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ مقتولین فی سبیل اللہ کیلئے لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ کے الفاظ میں مضارع پر لامِ تاکید اور نون مشدّدہ لاکر اسے حال کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ اب رہا اس تاکید کا سوال، کہ آئتِ زیر نظر ۲/۱۵۴ میں مقتولین فی سبیل اللہ کیلئے کہا گیا ہے کہ اُنہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور ۳/۱۶۹ میں حکم دیا ہے کہ اُن کے متعلق مُردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہم نے اَحْيَآءٌ صفت مشبّہ کو اُسی طرح اسم فاعل کے معنوں میں لیا ہے زندہ کرنیوالے جس طرح انبیاء صفت مشبّہ کا معنی بصورتِ اسم فاعل صحیح ہے خبر پانیوالے۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر اَحْيَآءٌ کا معنی "زندہ" ہی لیا جائے، تو مقتولین فی سبیل اللہ اور طبعی موت مرنیوالوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو جاتی ہے کہ وہ زندے اور یہ مُردے ہیں لیکن اہل روایات کے ہاں طبعی موت مرنیوالوں کو بھی زندہ مانا گیا ہے۔ جیسے کہ قبرستان میں جاکر کہا جاتا ہے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اہل القبور۔ اِس پر سوال آتا ہے کہ اسطرح پھر مقتول فی سبیل اللہ کیلئے :-
بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص کیا ہوئی؟ اگر اسکا یہ جواب دیا جائے کہ شہید کی رُوح زندہ ہے تو پھر بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ رُوح سب کی زندہ مانی جاتی ہے۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ شہداء اپنی باطنی زندگی میں زندہ ہیں، تو غیر شہید جنہیں السّلام علیکم کہا جاتا ہے وہ بھی باطنی زندگی میں زندہ ثابت ہوتے ہیں۔ شہیدوں کیلئے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص پھر بھی قائم نہیں رہتی۔ جس کا قائم رکھنا لازم ہے تاکہ بَلْ اَحْيَآءٌ کے الفاظ کی حاکمیت ضائع نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کی رُو سے :-
جسم سے الگ رُوح کوئی چیز نہیں۔ زندگی عناصر کے اجزاءِ ترکیبی کا نتیجہ ہے، اور اُن کا بےکار ہو جانا موت ہے۔ نیز عنوان نمبر ۲ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم میں حقیقت اور مجاز دونوں انداز سے الفاظ کا استعمال موجود ہے پس یہاں باندازِ مجاز کہا گیا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ، خود تو قتل ہو جانے، مر جانے، فوت ہو جاتے ہیں لیکن قوم کو زندہ کر جاتے ہیں پس یہ ہے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص، جو قیامت تک قائم رہیگی۔ اور آئت صدر میں مقتولین فی سبیل اللہ کو اُن کے علو مرتبہ کی بدولت، کہ وہ قوموں کو زندہ کرنیوالے ملّت کا سرمایۂ صد افتخار ہیں مُردہ کہنے اور گمان کرنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی تین آئتوں میں واضح کیا گیا ہے کہ :-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ ایک چیز کے ڈر سے اور بھوک

اور ضرور بضرور ہم تمہاری استقامت کو دشمن کے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ ظاہر

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ
سے اور کمی مالوں سے اور جان کے سے اور پھلوں کے سے

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ۱۵۵
اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو

کرینگے۔ اور اے رسولؐ! آپ مستقل مزاج رہنے والوں کو خوشخبری دیدیں (کہ وُہی تو کامیاب ہونیوالے۔ اور مُردہ قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں)

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ
وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے اُن کو مصیبت کہتے ہیں تحقیق

وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ۱۵۶
ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اسکے پھر جانیوالے ہیں

یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب اُن پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اور اُسی کیطرف لَوٹ جانیوالے ہیں۔ (یعنی وُہ مصائب سے گھبرا کر کوشش نہیں چھوڑ دیتے)۔

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
یہ لوگ اوپر اُن کے ہے درُود پروردگار اُنکے سے

وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ۱۵۷
اور رحمت اور یہ لوگ وُہی ہیں راہ پانیوالے

یہی وُہ لوگ ہیں، جن پر اُنکے پروردگار کیطرف سے عام رحمتیں (امن واتحاد) اور مخصوص رحمت (تمکّن فی الارض عطا کیا جاتا ہے)[1] اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔

[1] صلوٰۃ و رحمت مترادف المفہوم ہیں۔ لہٰذا آیت مجیدہ کے الفاظ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ میں واؤ خصوص برعموم کے طور پر آئی ہے۔ خوف کا امن میں بدل جانا، باہمی اتحاد اور یک جہتی وغیرہ عام رحمتیں ہیں اور آزاد حکومت کا قیام، جو کوشش ہی کے ساتھ میسّر آتا ہے، یعنی خلافتِ ارضی خدا تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔

صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں

سیاقِ کلام کے مطابق آیت نمبر ۱۴۴ میں بیت الحرام کی واپسی کی مشروط خوشخبری دی گئی ہے۔ کہ تم جو بھی قدم اٹھاؤ، اس مہم کو نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اِس طرح مسلسل جدّ و جہد کیساتھ تمہیں بیت الحرام کی تولیّت عطا کی جائیگی۔ اور آیاتِ بالا میں عام قانون کے انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ مستقل مزاج رہنے والے اور مصائب کی شدّت کے باوجود ثابت قدم رہنیوالے ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح سعیٔ مسلسل کیساتھ، جب فتح و کامرانی کے بعد بیت الحرام کی عالمی مرکزیت قائم ہو جائے تو اہلِ عالم کے اِس مرکزی مقام، بیت الحرام میں سالانہ اجتماع کے دَوران اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کیلئے کئے جانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ
تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہیں پس جو کوئی

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ پھر جو شخص (سالانہ اجلاس کیلئے) بیت الحرام کی حاضری کا ارادہ

حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ
حج کرے گھر کا یا عمرہ کرے پس نہیں گناہ اوپر اسکے یہ کہ طواف
یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
کرے بیچ اِن دونوں کے اور جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے
شَاکِرٌ عَلِیْمٌ ○ ۱۵۸
پس تحقیق اللہ قدر دان ہے جاننے والا

کرے یا دورانِ سال ہنگامی اجلاس میں حاضر ہو تو کوئی حرج نہیں کہ وہ (صفا اور مروہ) دونوں میں آیا جایا کرے۔ اور جو کوئی اپنی خوشی کے ساتھ بھلائی یعنی اصلاح کے کاموں میں حصّہ لے تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی اُسکے ہاں قدر اُن کی ہے جو اُس کی رضا کیلئے بھلائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون رضاءِ الٰہی کا طلبگار رہے اور کون نام نمود کا)۔

اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا طَوَّفَ کا سہ حرفی مادہ = ط۔و۔ف ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے نگرانی کرنا حفاظت کرنا ہے۔ الطَّائف چوکیدار کو کہتے ہیں۔ چوکیدار چونکہ رات بھر اپنے حلقۂ حفاظت میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے۔ اسلئے اس کے معنے آنے جانے کے ہیں۔ جیسے کہ سورہ نور میں ملازموں کو طَوّٰفُوْنَ (۲۴/۵۸) آنے جانے والے کہا گیا ہے الگ کے گرد دائرہ باندھ کر چکر لگانے والے نہیں کہا گیا۔ اِس لفظ سے بیت الحرام کے گرد چکر کاٹنا مراد لینا صحیح نہیں۔ جبکہ صفا مروہ کے گرد چکر نہیں کاٹے جاتے۔ بلکہ وہاں آیا اور جایا جاتا ہے۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ شعائر کا سہ حرفی مادہ ش۔ع۔ر = شعر ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے بال (۱۶/۸۰) اب بال چونکہ ایک باریک چیز ہے۔ اِس طرح باریک بینی، دانائی اور معاملہ فہمی کیلئے اِسی مادہ سے لفظ شعور مشتق ہے۔ بیوقوفوں کیلئے آیا ہے وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (۲/۱۲) پھر شعور کا لفظ پہچان کیلئے بھی آیا ہے۔ اور جس چیز پر کوئی نشان ہو یا جس نشان سے کوئی چیز پہچانی جائے اُسے شعیرہ کہتے ہیں۔ اور شعیرہ کی جمع ہے شعائر۔ پس صفا مروہ کو بیت الحرام کے نشان بتایا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ کئی مصنوعی مکّے اور نقلی بیت اللہ بنا لیا کرینگے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے چاچڑ دانگ مدینہ وسّے کوٹ مٹھن بیت اللہ۔ پس اصلی اور نقلی بیت اللہ کے امتیاز کیلئے صفا مروہ جیسی دو پہاڑیوں کو شعائر اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ نشانیاں بتایا گیا ہے۔ (مادہ ش۔ع۔ر کی مزید بحث الشعراء کے ضمن میں اپنے مقام پر آگے آئیگی انشاء اللہ)۔

حج کی غرض ربوبیت عامہ ہے اِسے چھپانے والے محروم ربوبیت اور محروم امامت ہو رہیں گے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سیاقِ کلام کے مطابق بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کے اجتماع کی اصل غرض ربوبیت عالمینی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ ایسے چند رسموں کے پردوں میں چھپا دینا، خدا تعالیٰ کے ہاں بھی موجب بیزاری ہے۔ اور اقوام عالم بھی اُن سے بیزار ہونگی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ
تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اتارا ہم نے دلیلوں
وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ
سے اور ہدائت سے پیچھے اسکے کہ بیان کیا ہم نے اسکو واسطے
أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝
لوگوں کے کتاب میں، یہی لوگ ہیں کہ لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں اُن کو لعنت کرنیوالے۔
۱۵۹

بلاشبہ جو لوگ اُن دلائل و ہدائت کو، جو ہم نے نازل فرمائی ہیں (چند رسموں کے پیچھے) چھپا لیتے ہیں، پیچھے اس کے کہ ہم نے اُنھیں اپنی کتاب میں بالوضاحت بیان کر دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے، اور (اُن کی بدمعاملگی کی بدولت) بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہونگے۔ (لعن کا معنیٰ بیزاری ہے)۔

● اس کے بعد اس بیزاری سے بچنے کا ایک ہی طریقہ بتایا گیا ہے:۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ
مگر جنھوں نے توبہ کی اور نیکی کی اور بیان کیا پس یہ لوگ
أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝
ہیں کہ پھر آتا ہوں میں اوپر اُن کے اور میں ہوں پھر آنیوالا مہربان ۔
۱۶۰

اللہ تعالیٰ اور اقوام عالم کی بیزاری سے صرف اور صرف وہ لوگ بچ سکینگے جو اقرار جرم کریں، اور اپنی اصلاح کریں (یعنی ربوبیّت عامہ کے درس اوّل ۱/۱ کو اپنا شعار بنائیں) اور (اسلام کی بنیادی تعلیم ربوبیّت کی) وضاحت کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں، کہ ہم اُن کی طرف رحمت کے ساتھ لوٹ آئینگے۔ کیونکہ ہم لوٹ آنیوالے مہربان ہیں۔

● اور اس کے برعکس منکرین کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ
تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ کافر
أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ
رہے یہ لوگ اوپر اُن کے ہے لعنت خدا کی اور فرشتوں
أَجْمَعِينَ ۝ ۱۶۱
کی اور آدمیوں کی سب کی۔
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
ہمیشہ رہینگے بیچ اس کے نہیں ہلکا کیا جاویگا اُن سے
وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ ۱۶۲
عذاب اور نہ وہ ڈھیل دیئے جاوینگے

بلاشبہ جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطے کو چھپا کر اُسکا عملاً) انکار کرتے، اور عملی انکار ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں، اُن سے اللہ تعالیٰ بھی بیزار ہوتا ہے (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم رہتے ہیں) اُن سے اللہ کے ملائکہ بھی بیزار ہوتے ہیں (یعنی تنزیلی ضابطے کو چھپانے اور اُسکے خلاف عمل کرنے پر اُنکی ضمیریں اُن پر لعنت کرتی ہیں) اُن سے پوری کی پوری اقوام عالم بھی بیزار ہوتی ہیں۔ (یعنی اُن کی بدمعاملگی اقوام عالم میں زبان زد عوام ہوتی ہے) جبتک وہ اپنی حالت خود نہ بدلیں ۱۳/۱۱ اُسوقت تک وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اُن سے عذاب کم نہیں کیا جاتا۔ اور نہ انہیں مہلت دیجاتی ہے۔

اللہ، ملائکہ اور الناس کی بیزاری

اِس آیت کی تفسیر لکھنے کیلئے غرقِ ندامت ہو کر قلم اٹھایا جا رہا ہے۔ بیت الحرام کو خدا تعالیٰ نے ۲/۱۲۵ میں مَثَابَةً لِّلنَّاسِ، ۳/۹۶ میں بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کہہ کر، پوری نوعِ انسانی کیلئے اوّلین بیت الامن قرار دیا ہے۔ ۳/۹۷ میں بھی اسے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کے الفاظ میں بلاتمیز سب لوگوں کیلئے جو اِس کے نظام میں داخل ہو جائیں ضامنِ امن بتایا ہے۔ ۵/۹۷ میں بھی جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کے الفاظ میں اِسے پوری نوعِ انسانی کو اُن کے قدموں پر کھڑے کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے۔ لیکن حج کو، جو اقوامِ عالم کی سالانہ امن کانفرنس ہے چند رسموں کا مجموعہ ٹھہرا کر بیت الحرام کی مذکورہ عالمی مرکزیت، اور اس کی اصل قرآنی شان کو حج کی چند رسموں کے پردوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور سمجھے بیٹھے ہیں کہ حج، اور بیت الحرام سے متعلقہ مذکورہ آیات کریمات ۲/۱۲۵، ۳/۹۶، ۳/۹۷، ۵/۹۷ اور ۲۲/۲۸ کا مقصد پورا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ امنِ عالم کی ضامن قوم آج خود ہر آن دشمنوں کے خوف و ہراس میں گرفتار ہے۔ ہر گری ہوئی قوم کو قدموں پر کھڑا کرنے والے، آج خود قدموں پر کھڑا ہونے کیلئے دوسروں کی امداد کے منتظر رہنے پر مجبور ہیں۔ جس قوم کو بیت الحرام کے ذریعہ اقوامِ عالم کی امامت کا منصب جلیلہ عطا کیا گیا تھا، اور جس قوم کو اقوامِ عالم کے جھگڑوں کا منصف۔ قاضی اور جج مقرر کیا تھا۔ آج وہ اپنے جھگڑے دوسری اقوام سے طے کرانے کیلئے مجبور ہے۔ کیوں؟ اِسلئے کہ اِس سے اللہ بیزار ہے۔ (ہمارے اِن الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا بھی غلط ہے کہ جن قوموں کی طرف ہمیں رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اُن پر اللہ راضی ہے، ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر راضی ہوتا ہے، جو تسخیر کائنات کے بعد اُس کا استعمال تعمیرِ انسانیت کیلئے کریں تخریبِ انسانیت کیلئے نہ کریں۔ مغربی اقوام، تسخیر کائنات کی بدولت مادی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے باوجود، انکارِ ربوبیّتِ عامہ کی بدولت خود قسم قسم کے مصائب و آلام میں گرفتار ہیں۔ اِس عنوان کی مزید وضاحت اپنے مقام پر آگے آئیگی انشاء اللہ!

ملائکہ کی بیزاری

اِس آیت کی رُو سے دوسرے نمبر پر ہے ملائکہ کی بیزاری۔ ملائکہ کیا ہیں؟ یہاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں مراد ہیں، جو ارض و سماوات یعنی کائنات بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر فرد بشر کے اندر بھی موجود ہیں، اور باہر بھی۔ جب کوئی شخص اُس ضابطہ کے مطابق عمل بجا لاتا ہے، جو خدا تعالیٰ نے خود بذریعہ تنزیل نازل فرمایا ہے، تو اس پر اِسکے داخلی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یعنی اِس کے ذہن میں امن و اطمینان کی فراوانی ہوتی اور کامیابی و کامرانی کے مژدے سُنائے جا رہے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ۴۱/۳۰ = بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اِس پر استقامت رکھتے ربوبیّتِ عامہ کے کام کرتے ہیں۔ اُن پر (نظم و ضبط، عزم و استقلال اور ذہنی اطمینان و سکون کے عظیم الشان) ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ جو (بزبانِ حال کہتے ہیں)، کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ اور اُس جنّت (متوازن معاشرہ) کی خوشخبری

لو، جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے۔

اِسکے برخلاف جو لوگ ربوبیّت عامہ کے تنزیلی ضابطے کو چھپاتے ۲/۱۵۹، اور انفرادی مفاد پرستی کے حامل غیر تنزیلی قوانین پر عمل کرکے عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں، اُن سے مذکورہ بالا سب ملائکہ بیزار ہو جاتے ہیں۔ اسکی محسوس صورت یہ ہے کہ اُن کے داخلی ملک یعنی اُن کی ضمیر یا اُن پر لعنت کرتی ہیں۔

اَلنَّاس اقوامِ عالم کی بیزاری

تیسرے نمبر پر اِس آیت کی رُو سے وَالنَّاسِ اَجمعین کی بیزاری کی خبر دیگئی ہے۔ واضح رہے کہ جو قومیں بین الاقوامی تجارت میں نمونہ کے مطابق مال سپلائی نہیں کرتیں۔ اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو جاتی ہیں۔ جن کے سپلائی کردہ مال کا وزن اُوپر لکھے ہوئے وزن سے کم ہو۔ ناپ اُن کے لکھے ہوئے ناپ کے مطابق نہ ہو، اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو کر تجارتی تعلقات منقطع کر لیتی ہیں۔ اِس گوشے میں بھی ہم دوسری قوموں کی اقتدا میں، اِس مقام پر بمشکل پہنچ پائے ہیں کہ تجارت کا مال وزن میں زیادہ ناپ میں بڑھتی اور کوالٹی میں سیمپل کے عین مطابق ہو۔ المختصر اَلنَّاس یعنی اقوامِ عالم اُن لوگوں سے بیزار ہو جاتی ہیں، جو حسنِ معاملہ سے یا تو بے خبر ہوں، اور یا جان بوجھکر اعلیٰ اقدار کی پامالی کو اپنا شعار ٹھہرائیں۔

اَلنَّاس کے لفظ میں، بیگانوں کے علاوہ اپنے بھی شامل ہیں۔ چنانچہ معاشرہ کے داخلی امور میں ارشوت لئے بغیر فرضِ منصبی ادا نہ کرنا۔ اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ، کم تولنا، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع طلبی، جملہ افعالُ النّاس کی بیزاری کا موجب ہیں۔ رشوت دیکر کام کرانیوالا، راشی سے۔ خریدار ملاوٹ کرنیوالے دکاندار سے، اور پورا معاشرہ ذخیرہ اندوز اور منافع خور سے بیزار ہوتا، اور اُس پر لعنتیں بھیجتا ہے۔ یہ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کا مفہوم۔ اِس سے آگے، ایسے لوگوں کی ایک عجیب و غریب اعتقادی غلطی کی وضاحت کیگئی ہے۔

وہ اِلٰہ واحد کیساتھ اَور اِلٰہ ٹھہرا لیتے ہیں

اگلی آیات کریمات میں ایسے لوگوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اِلٰہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ اور اُن کے بنائے ہوئے نظریات و عقائد کو قلوب و اذہان پر سوار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اِلٰہ صرف ایک ہے، جس کی ہستی کے بیّن ثبوت کائنات بھر میں بکھرے پڑے ہیں۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور معبود تمہارا معبود ایک ہے نہیں کوئی

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ ۱۶۳

معبود مگر وہ بے بخشش کرنے والا مہربان۔

ع ۱۹

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا اِلٰہ، اِلٰہِ واحد ہے۔ اُس صاحبِ رحمتِ عامہ اور بخششِ خاصہ (۱/۲) کے سوا کوئی اور اِلٰہ موجود ہی نہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تحقیق بیچ پیدائش آسمانوں کے اور زمین کے
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
اور آنے جانے رات کے اور دن کے اور کشتیوں
الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ
کے جو چلتی ہیں بیچ دریا کے ساتھ اس چیز کے کہ نفع
وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ
دیتی ہے لوگوں کو اور جو کچھ کہ اتارا اللہ نے آسمان سے
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
پانی پس جلایا ساتھ اسکے زمین کو پیچھے موت اسکی
فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ
کے اور بکھیرے بیچ اسکے ہر جانور سے اور پھیرنے باؤں
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ
کے اور بادلوں کے جو حکم کے باندھے ہیں درمیان آسمان کے
الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۴
اور زمین کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے کہ عقلمند ہیں۔

بلا شبہ (اللہ کی پہچان کیلئے) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور سمندروں میں جہازوں کے چلنے میں، کہ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اور اللہ جو آسمان سے پانی برساتا ہے، اور جو زمین کے مُردہ دیکار ہو جانے کے بعد اُس پانی کیساتھ اُسے زندہ کر دیتا ہے، اور جو اُس نے زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے ہیں۔ اور ہواؤں کے رُخ بدل بدل کر چلانے میں، اور آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کو انسانیت کی خدمت کیلئے متعین کر دینے میں عقلمندوں کے لئے، خدا تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

(نوٹ) اس سے اگلی آیات کریمات میں، پیشوائیت کے ہر گوشۂ پیری مُریدی کے طویل تذکرے میں اس مکتبِ فکر کی کھلی وضاحت آرہی ہے۔ سیاقِ کلام کے مطابق، کہ پیچھے یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ قلعی اُنکی کھولی گئی ہے۔ لیکن یہ آیات آج ہماری حالت پر بھی منطبق ہو رہی ہیں۔ قرآن کریم کسی خاص زمانے کیلئے نہیں یہ ہر زمانے کی خرابیوں کو اُجاگر کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی قوم میں ہوں۔ اگلی آیت میں لفظ اَنداد، ندّ کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ ہے وہ لوگ جنہیں صفاتِ الٰہی میں شریک ٹھہرا لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ پکڑتا
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ
ہے سوائے اللہ کے شریک۔ محبت کرتے ہیں اُن سے

(۲/۱۶۴ کی مذکورہ بالا صفاتِ خداوندی کی ظاہر اور واضح نشانیوں کے باوجود) لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں اُسکے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اور اُن سے اِس طرح محبت کرتے ہیں (گویا کہ

كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ
جیسا محبت خدا کی اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں زیادہ ہیں

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ
محبت میں واسطے اللہ کے اور کاشکے کہ جانیں وہ لوگ

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ
کہ ظالم ہیں جب دیکھینگے عذاب یہ کہ قوت واسطے اللہ کے

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ ۱۶۵
ہے ساری اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا
ہے۔

اُنہیں بھی خدا تعالیٰ کیساتھ حاضر و ناظر، حامی ناصر و دستگیر و مشکلکشا ٹھہرا کر اپنے اذہان میں اُن کی بھی اُسی طرح پرستش کرتے، اور اُن سے بھی اُسیطرح محبّت کرتے ہیں) جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی جاتی ہے (یعنی اُن کے پیش کردہ نظریات و عقائد کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عقائد و نظریات پر فوقیت دیتے ہیں)۔ اور اُن کے برعکس، جو لوگ صحیح طور پر ایمان لاتے ہیں، وُہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں بہت ہی سخت ہیں۔ (وُہ صفاتِ خداوندی میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے) اور کاشکے ظالم لوگ (یعنی صفاتِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنیوالے) غور کریں کہ جب وُہ عذاب کو دیکھینگے اور پھر جان لینگے کہ پُوری کی پُوری طاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے (وہم نے غیر اللہ کو غلط طور پر صاحبِ قوت ٹھہرا لیا تھا۔ اور وہ جان لینگے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کی رُو سے بہت ہی سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ٹھہرا کر، جن کیساتھ بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ کیجاتی ہیں وُہ قیامت کو کسی کام نہیں آئینگے

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے والوں، اور شریک ٹھہرائے گیوں کی، قیامت کی باہمی بیزاری کا نقشہ کھینچا گیا ہے :۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ
جس وقت بیزار ہو گئے وُہ لوگ کہ پیشوا تھے اُن

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
لوگوں سے کہ پیروی کرتے تھے اُن کی اور دیکھینگے عذاب کو

الْاَسْبَابُ ۝ ۱۶۶
اور کٹ جاوینگے اُن کے علاقے۔

خصوصًا وُہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب قیامت کے دن وُہ لوگ جن کی اتّباع کیجاتی ہے، اُن لوگوں سے بیزار ہو جائینگے جو اتباع کرتے ہیں۔ اور اُسوقت وہ (دونوں گروہ) عذاب کو دیکھ لینگے، اور (عذاب سے بچنے کے جو ذرائع اُنہوں نے قلوب و اذہان میں بٹھا رکھے ہیں وُہ) سب اسباب مُنقطع ہو جائینگے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
اور کہینگے وُہ لوگ کہ پیروی کرتے تھے کاشکے ہو واسطے

اور غیر اللہ کی اتّباع کرنیوالے کہینگے، کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دُنیا میں لَوٹ کر جانا ہو۔ تو ہم اِسی طرح اِن سے بیزار

فَتَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ

ہمارے پھر جانا طرف دُنیا کے پس بیزاری کریں ہم اُن سے جیسا

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ

کہ بیزار ہوئے وہ ہم سے اسی طرح دکھلا دیگا اُنکو اللہ تعالیٰ عمل

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ ۱۶۷ ع

اُنکے افسوس اُوپر اُنکے اور نہیں وہ نکلنے والے آگ سے۔

ہو جائیں، جسطرح آج یہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اُنہیں (دُنیا میں بھی) اُنکے اعمال کو ضائع ہوتے دکھاتا ہے۔ ان پر اَن گنت حسرتیں ہیں۔ کہ وہ اس آگ سے نکلنے والے ہیں ہی نہیں۔

اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تعریف آیت بالا کے الفاظ میں

آیت نمبر ۱۶۵ میں جنہیں اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہا ہے، اوپر آیت نمبر ۱۶۶ میں اُنہی کو اَلَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا کے الفاظ میں متبوعین بتایا ہے اور اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ٹھہرانے والوں کو اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا کے الفاظ میں تابعین ظاہر کیا ہے۔ پس اس آیت کی رُو سے ثابت ہے، کہ جنہیں خدا تعالیٰ کیساتھ واجب الاتباع ٹھہرا لیا جائے، اور اُن کے ارشادات کو بلا سند کتاب اللہ حجت مانا جائے، وہ متبوعین اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہیں۔ اور اُنہیں اس مقام پر فائز تسلیم کرنیوالے یعنی اُن کے تابعین، مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق غیر اللہ کو اللہ کے ند ٹھہرانے والے ہیں۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ

سیاقِ کلام کے مطابق کہ اُوپر پیشوائیت کا ذکر چلا آ رہا ہے، مفہوم صاف ہے کہ، کروڑوں روپے کے خرچ سے متوفی بزرگوں کیلئے شبانہ روز روضے، مزار اور آستانے تیار ہوتے رہتے ہیں، لیکن قوم کے کروڑوں افراد کرایہ داری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور پائے جاتے ہیں۔ متوفی بزرگوں کی چونے اور سیمنٹ کی قبروں پہ زربفت کے غلاف چڑھتے رہتے ہیں۔ اور غربا کی بہو بیٹیاں، جو قوم ہی کی چشم و چراغ اور عزت و ناموس ہیں، سردی گرمی کے مناسب لباس سے محروم پائی جاتی ہیں۔ اربوں روپیہ ہر سال عرسوں اور بھنڈاروں پر خرچ ہو جاتا ہے لیکن قوم بدستور اقوامِ عالم کی پس ماندہ قوم بنی چلی جاتی ہے۔ اس طرح شبانہ روز بصورتِ ضیاعِ اعمال حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں ان پر ان گنت حسرتیں برستی رہتی ہیں۔

اللہ کے حلال کو حرام نہ ٹھہراؤ

اگلی آیت مجیدہ میں سیاقِ کلام کی رُو سے اللہ کے ند ٹھہرانے، اور يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کے مطابق، اُنہیں خدا تعالیٰ کے مقام پہ فائز کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے، کہ وہ اپنے ٹھہرائے ہوئے انداد، شریکوں کے حکم سے اللہ کے حلال کو حرام بھی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً درگاہ شریف سے تعویذ حاصل کرنیوالوں کو حکم ہوتا ہے کہ کوئی پھل، کوئی سبزی یا کوئی دال چھوڑ دو۔ ورنہ تعویذ اثر نہیں کریگا۔ وہ کہتا ہے کہ امرود، بینگن یا مسور کی دال اپنے اُوپر حرام کرتا ہوں۔ لیکن خداوند عالم کا ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
اے لوگو کھاؤ اس چیز سے کہ بیچ زمین کے ہے
حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
حلال پاکیزہ اور مت پیروی کرو قدموں شیطان کی
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ۱۶۸
تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر۔

لوگو! زمین کی پیداوار سے ہر چیز جو حلال اور موافق مزاج ہو کھاؤ۔ اور (کسی چیز کو حرام ٹھہرا کر) شیطان کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا (چھپا دشمن نہیں بلکہ) ظاہر دشمن ہے۔ (طیّب کا معنی ہے، جسم کو فرحت دینے والا یعنی موافق مزاج)

عہ اس آیت میں کُلُوا کے بعد اسکا مفعول نباتاً محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام ہے کُلُوا نَبَاتًا مِّمَّا يُزْرَعُ فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا۔ حکم عام مخصوص البعض ہے۔ زمین کی پیداوار میں سے بھنگ پوست وغیرہ کو ۵/۹۰ میں حرام قرار دیدیا گیا ہے انکا استعمال ۲/۱۷۳، ۵/۳ اور ۱۶/۱۱۵ کے مطابق بحالتِ اضطراب جائز ہے۔ بشرطیکہ انکا عادی نہ ہو جائے۔
تعویذ گنڈوں کیمتعلق آیت مجیدہ ۲/۱۰۲ میں وضاحت گزر چکی ہے کہ یہ کاروبار ہاروت ماروت شیطانوں نے حضرتِ سلیمانؑ کے ذمہ لگا کر شروع کیا تھا۔ اور ۲/۱۴ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ کے الفاظ میں، خود خدا تعالیٰ نے، خلوت نشینوں کو شیطان قرار دیا ہے۔ اور انہی کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا جا رہا ہے کہ، وہ برائی اور بے حیائی کا حکم کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ذمہ وہ کچھ لگانے کا حکم دیتے ہیں، جو تم جانتے ہی نہیں:-

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ
سوائے اسکے نہیں کہ حکم کرتا ہے تمکو ساتھ برائی کے اور بے حیائی
وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۱۶۹
کے اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے جو کچھ کہ نہیں جانتے تم۔

وہ (شیطان، خدا کے حکم سے باہر جانیوالا، تمہارا ظاہر دشمن) تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ (عورتوں اور مردوں کو مخلوط صورت میں عرسوں اور مجذوبوں پر حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے) اور تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے ذمہ وہ کچھ لگاؤ جو تم جانتے نہیں۔ (یعنی وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اللہ کے حلال کو حرام کرنے پر اعتراض کرے تو تم کہا کرو کہ ان بزرگوں کے حکم سے حلال چیزوں کو حرام کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہوا ہے ۶/۱۴۰)

قرآن کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتباع کرنا ضروری جانتے ہیں

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ طور طریقے جو یقیناً مُنزل مِنَ اللہ نہیں ہیں۔ اگر ان اندادًا مِّن دُونِ اللہ کی پیروی کرنیوالوں کو کہا جائے کہ انہیں چھوڑ کر اس چیز یعنی قرآن کریم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کرینگے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے:-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُنکے پیروی کرو اُس
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
چیز کی کہ اُتارا اللہ نے کہتے ہیں بلکہ پیروی کرینگے ہم اُس چیز
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا
کی کہ پایا ہم نے اُوپر اُسکے باپوں اپنوں کو کیا اگرچہ ہوں باپ
وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ۱۷۰
اُنکے نہ سمجھتے کچھ اور نہ راہ پاتے تھے۔

اور جب اُنہیں کہا جائے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُنہی طور طریقوں کی پیروی کرینگے، جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ اور اگرچہ اُن کے باپ دادے ذرا بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو۔

● بات بڑی موٹی سی ہے، کہ غیر اللہ کو اللہ کے حکم میں شریک ٹھہرا کر، نہیں، اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے تک کے اختیارات کا مالک جاننے والے باواجی کے متعلق کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ، $\frac{۲}{۱۶۴}$ میں مذکور خدا تعالیٰ کی واضح نشانیوں کو، جو ہر آن اُنکے گرد و پیش موجود تھیں، نظر انداز کرنیوالے، کسی معمولی عقل کے بھی مالک ہوسکتے تھے۔

یہ ڈھور ڈنگروں کیطرح آواز پر لگے ہوئے ہیں

اگلی آئت مجیدہ میں ان پیری مُریدی کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگوں کے متعلق، جو قرآن کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتباع پر اَڑے ہوئے ہوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ڈھور ڈنگروں کی طرح اپنے پیشواؤں کی آواز پر لگے ہوئے ہیں یعنی جس طرح صبح کو چرواہا مویشیوں کو چراگاہ میں لیجا کر، ایک قسم کی بولی بولتا ہے اور وہ سب بکھر جاتے ہیں۔ اور جب شام ہوتی ہے تو ایک قسم کی آواز دیتا ہے، اور وہ سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انہیں اپنی کوئی عقل نہیں ہوتی:۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ
اور مثال اُن لوگوں کی کہ کافر ہوئے مانند مثال اُس شخص
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّ
کے کہ چلاتا ہے ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں سُنتا مگر بُلانا اور پکارنا
بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۷۱
بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے۔

اور ان لوگوں کی مثال، جو (باپ دادا کے طور طریقوں کو ترجیح دیکر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (قرآن کریم کا) انکار کرتے ہیں، (اُن میں سے پیشوا کی حالت اُس چرواہے کی سی ہے، جو پکارتا ہے اُسے (یعنی اپنے مویشیوں کو) جو سوائے دُعا اور ندا (یعنی نزدیک سے دعوت، اور دُور سے بُلاوے کی آواز) کے کچھ نہیں سُننے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ اسلئے وہ عقل نہیں کرتے۔

● دیکھئے! اس آئت مجیدہ میں کس وضاحت کیساتھ پیشوا کی مثال چرواہے کیساتھ، اور مریدوں کی مثال ڈھور ڈنگروں کیساتھ دیکر واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح چرواہے کے مویشی اُس کی دُعا اور ندا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں، چرواہے کے سوا کسی دُوسرے کی نہیں سُنتے۔ اُسی طرح مُرید، اپنے پیر کی دُعا اور ندا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ پیر کے سوا کسی کی نہیں سُنتے، بہرے، گونگے اور اندھے

ہورہتے ہیں۔

دُعا کا معنیٰ ہے نزدیک سے پکارنا۔ ۲/۱۸۶ میں آیا ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۔ مَیں قریب ہوں۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں، اور نِدا کا معنیٰ ہے دُور سے آواز دینا۔ چنانچہ صبح کے وقت چرواہا قریب سے آواز دیتا ہے اور وُہ بکھر جاتے ہیں، اور شام کو دُور سے پکارتا ہے، نِدا کرتا ہے اور وُہ سب اکٹھے ہو کر اُسکے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح پیشوا جب مُریدوں کے ہاں تشریف لیجاتے ہیں تو، قریب سے دعوت دیتے ہیں کہ عُرس شریف پر مرد عورتیں سب حاضر ہونا۔ اور جب گھر بیٹھے پیغام، چٹھی یا اشتہار دیتے ہیں تو دُور سے نِدا کرتے ہیں۔ اور سب مُرید اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور جب عُرس ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر چرواہے کی طرح جب اجازت ملتی ہے تو بکھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام نہ کرنیکے حکم کا دوسرا حصّہ جو بہیمۃ الانعام سے متعلق ہے

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ سے اُس چیز کو
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ
کہ دیا ہم نے تم کو اور شکر کرو واسطے اللہ کے اگر ہو تم اُسی کو
تَعْبُدُوْنَ ۱۷۲
عبادت کرتے۔

ایمان والو! اگر تم (اللہ کے ندّ ٹھہرانیوالوں کے برخلاف) خالص اللہ ہی کے فرمانبردار ہو تو (بہیمۃ الانعام) جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں۔ اُن میں سے ہر موافق مزاج جانور کا گوشت کھایا کرو (کسی ٹھہرائے ہوئے شریک کے کہنے پر کسی حلال کو حرام نہ کر دینا) اور اللہ تعالیٰ کا شکر[عله] کرتے رہنا۔ (یعنی حصولِ نعمار کیلئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق بھرپور کوشش کرتے رہنا۔ تعویذ گنڈوں سے کوئی کام کبھی بھی سرانجام نہیں ہوگا)

نوٹ اِس آیت میں کُلُوْا کے بعد بہیمۃ الانعام محذوف ہے، جو ۵/۱ میں مذکور ہے۔ اور تقدیرِ کلام ہے۔ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ ذَاتِ مِنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔۔۔ واضح رہے کہ اگر اِس آیت میں ۵/۱ والے مفہوم بہیمۃ الانعام کو، جو یہاں محذوف ہے، ظاہر نہ کیا جائے۔ تو اِس سے آگے، اِنَّمَا کے حصر کیساتھ جن چار چیزوں کی حُرمت بیان ہوئی ہے اُن کے سوا اور کوئی چیز حرام ثابت نہیں ہوتی۔ (حلّت و حُرمت کی پوری وضاحت ۵/۱ کی تفسیر میں آئیگی انشاء اللہ)

عله شکر کا معنیٰ ہے زیادہ سے زیادہ محنت اور بھرپور کوشش کرنا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، دیباچہ کا عنوان ۲۵/۲، اور تفسیر آیت مجیدہ ۲/۱۵۲ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ واضح رہے کہ پیر و مُرید کے تذکرہ میں، اگر عنوانِ بالا نہ لایا جاتا تو یقیناً اِس میں کمی رہ جاتی۔ لیکن خدائے علّام الغیوب خُوب جانتا ہے کہ اُسکے ٹھہرائے ہوئے حلال جانوروں کے گوشت بھی، پیروں کے حکم سے حرام ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔ پیر صاحب تعویذ دیتے وقت حکم دیتے ہیں گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ ورنہ تعویذ بے اثر ہو کر رہ جائیگا چنانچہ مومنوں کو حکم دیدیا گیا ہے کہ اگر ہمارے فرمانبردار ہو تو ہمارے ٹھہرائے ہوئے حلال جانوروں کا موافق مزاج گوشت کھایا کرو

اور اگلی آیت میں بتا دیا ہے کہ وہ حرام نہیں، بلکہ اُن کی یہ چیزیں، اور یہ حالتیں حرام ہیں:-

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
سوائے اِسکے نہیں کہ حرام کیا اُوپر تمہارے مُردار اور لہُو اور
الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ
گوشت سُوّر کا اور جو کچھ پکارا جاوے اُوپر اُسکے واسطے غیر اللہ کے
غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ
پس جو کوئی بے بس ہو نہ حد سے نکل جانیوالا اور نہ زیادتی کرنیوالا
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ ۱۷۳
پس نہیں گناہ اُوپر اُسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لئے حلال جانوروں (بہیمۃ الانعام ۵/۱) کا مُردہ، خُون، غدُود کا گوشت اور وُہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ حرام کیا گیا ہے۔ ہاں جو کوئی بھُوک سے بیقرار ہو جائے تو جان بچانے کیلئے کھا لے، نہ خدا تعالیٰ کا باغی ہو کر اور نہ اُنکا عادی بن کر۔ ایسے لوگوں پر کوئی گناہ نہیں۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

نوٹ بہیمۃ الانعام کی تفصیلی بحث ۵/۱ کی تفسیر میں آگے آئیگی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئیگا۔ کہ قرآن کریم نے چارپایوں کو الانعام ۵/۱، اور الجوارح ۵/۴، یعنی شکار اور شکاری کی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ الانعام چارہ خور ہیں اور الجوارح گوشت خور ــــ اِس سے آگے الانعام کی پھر دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک بہیمہ اور دوسری غیر بہیمہ۔ بہیمہ وہ ہیں جن کے دو معدے ہیں۔ اور وُہ جُگالی کرتے ہیں۔ اور غیر بہیمہ وُہ ہیں جن کا ایک معدہ ہے اور جُگالی نہیں کرتے۔

لَحْمَ الْخِنْزِيرِ لحم الخنزیر کا معنیٰ لکھا گیا ہے غدُود کا گوشت۔ حالانکہ عام مترجمین نے اِس کا معنیٰ سُوّر کا گوشت لیا ہے۔ پہلے نمبر پر سُوّر کا گوشت معنیٰ لینا اِسلئے غلط ہے کہ آیت مجیدہ میں اِنَّمَا کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مُردہ، خُون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔ اِس طرح حصر کو قائم رکھتے ہوئے جانوروں میں سے صرف سُوّر ہی حرام ٹھہرتا ہے اور باقی سب جانور کتّا بلّا بجّو بندر ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے، اور قرآن کریم میں تناقض پیدا ہوتی ہے۔ کہ ایک طرف ۵/۱ میں صرف بہیمۃ الانعام حلال ٹھہرائے ہیں اور دُوسری طرف صِرف سُوّر کو حرام قرار دیا ہے۔ گویا چارپایوں میں سے صرف سُوّر حرام ہے۔

دوسرے نمبر پر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱ و ۳ اِس کی مخالفت کرتی ہیں، جن میں چارپایوں کی حلّت و حُرمت کا فیصلہ دیا گیا ہے:- أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۵/۱ = تمہارے لئے بہیمہ قسم کے چارپائے، سوائے اُن چیزوں اور حالتوں کے جو تم پر پڑھی جائیں، حلال کئے گئے ہیں۔ یہاں اِلَّا مَا يُتْلَىٰ کے الفاظ میں استثنٰی کی خبر دیگئی ہے، آگے ۵/۳ میں اُسکی تلاوت بالفاظ ذیل موجود ہے:- ● حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۵/۳ = تمہارے لئے بہیمۃ الانعام میں سے حرام کیا گیا ہے ہر قسم کا مُردہ، ہر قسم کا خُون اور لحم الخنزیر، اور وہ بہیمۃ الانعام جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اور جو گلا گھُٹ کر مر جائے۔ اور جو لاٹھی مارنے سے مر جائے، اور جو گِر کر مر جائے، اور جو سینگ

لگنے سے مر جائے، اور جسے درندہ کھا لے سوائے اِسکے کہ تم اُسے ذبح کر لو۔ اور جو کسی استھان (خانقاہ) پر ذبح ہو، اور یہ کہ تم اُسکے گوشت کو قرعہ کے تیروں سے تقسیم کرو۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اِلَّا مَا یُتْلٰی ۵/۱ کے مطابق، اِن گیارہ شقوں میں، حلال جانوروں ہی کے حرام ہونے کی حالتوں، یا اُنہی کی بعض چیزوں کی حرمت کی خبر دیگئی ہے۔ کیونکہ جو جانور سرے سے ہیں ہی حرام، اُن کے متعلق اتنی لمبی فہرست بیان کرنا بیکار محض ہے۔ کہ حرام جانور مر جائے تو حرام، حرام جانور کا خون حرام، حرام جانور کا لحم خنزیر حرام، حرام جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو حرام، گلا گھٹا حرام، لاٹھی سے مرا حرام، سینگ لگا حرام، علیٰ ہٰذالقیاس۔ اب چونکہ الیا عبث فعل خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لئے ثابت ہوا کہ یہ پوری فہرست حلال جانوروں، بہیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہے، اور لحم الخنزیر بھی اُسی طرح حلال جانوروں کا حصہ ہے جس طرح خون۔ مثلاً حلال جانور بلا ذبح مر جائے تو حرام ہو جاتا ہے لیکن اگر ذبح کر لیا جائے تو دو چیزوں کے سوا حلال ہو جاتا ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلا وہ بھی حرام ہے۔ اور اِس سے آگے، گوشت میں جو لحم خنزیر ہے، یعنی چھیچھڑے وغیرہ غدود کا گوشت وہ بھی حرام ہے۔ خنزیر کا معنی سؤر بھی ہے اور غدود بھی۔ لیکن حلال جانوروں سے متعلقہ حرمت کی فہرست میں غدود کا گوشت ہی شمار ہو سکتا ہے جسے حلال میں سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ سؤر کا گوشت جو غیر بہیمۃ الانعام ہونے کی بدولت پہلے ہی حرام ہے اِس فہرست میں شمار ہو ہی نہیں سکتا۔ پس چونکہ ۵/۳ میں لحم الخنزیر کا معنی غدود کا گوشت ثابت ہے۔ اِس لئے آیت زیر بحث ۲/۱۷۳ میں بھی غدود کا گوشت ہی مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا سبب صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کو چھپانا ہے۔

سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۱۶۸ میں پیروں کے حکم سے زمین کی پیداوار میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دینے کا ذکر آیا ہے اور آیت نمبر ۱۷۲ میں حلال جانوروں میں سے بعض کے گوشت کو حرام کر دینے کی خبر دیگئی ہے۔ اور آیت نمبر ۱۷۳ میں ضمناً، حلال جانوروں کی اُن حالتوں کا ذکر آیا ہے جن میں وہ حرام ہو جاتے ہیں، اور اُن کی اُن چیزوں کی وضاحت کیگئی ہے، جو حرام ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حلت و حرمت تک کے مسائل میں تصرف کی جرأت اِس چیز کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو چھپا لیا جاتا ہے۔ اور اُنہیں چھپا کر دنیا کا مال حاصل کیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ
تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اُتارا اللہ نے
الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ
کتاب سے اور مول لیتے ہیں بدلے اُسکے مول تھوڑا یہ لوگ نہیں
مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ وَ
کھاتے بیچ پیٹوں اپنے کے مگر آگ اور نہ بات کریگا اُن سے

بیشک۔ جو لوگ اُس چیز کو چھپا لیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے۔ اور وہ اِسکے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نہیں کھاتے، مگر اپنے پیٹوں میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں۔ اور (اللہ تعالیٰ اُن سے اِسقدر ناراض ہے کہ) قیامت کے دن اُن سے کلام تک نہیں کریگا۔ اور نہ اُنہیں، (جو دنیا میں پاک بنے بیٹھے

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ
اللہ دن قیامت کے اور نہ پاک کریگا ان کو اور واسطے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۱۷۴
ان کے عذاب ہے درد دینے والا

ہیں) پاکیزہ ٹھہرائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ (اللہ کے قانون میں) اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔

کتاب کو چھپانے کے مختلف طریقے

اِس آیت مجیدہ میں، دُنیا کے خیر مال کیلئے اللہ کی کتاب کے احکام کو چھپانا خدا تعالیٰ کی اس انتہائی ناراضگی کا موجب ٹھہرایا گیا ہے، کہ وہ ایسے لوگوں سے قیامت کو کلام تک نہیں کریگا۔ اب اللہ کی کتاب کو چھپانے کا اوّلین طریقہ تو وہ ہے، جو قرآن کریم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مجمل اور غیر مفصل ہے۔ کتب روایات کا محتاج ہے۔ اِس طرح یہ چھپ گیا اور روائتیں سامنے آگئی ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسکے ظاہری معنوں سے الگ باطنی معنوں کا تصوّر دیدیا جائے کہ کتاب کے نازل کرنیوالے کا اصل مطلب اُن میں پوشیدہ ہے اور تیسرا طریقہ یہ عقیدہ ہے، کہ اِس کی تلاوت سے اِنسان کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اِس طرح کتاب کی غرض ختم ہو جاتی ہے کہ لوگ سمجھیں اور عمل کریں۔ بلکہ گناہ بخشانے کیلئے محض تلاوت پر زور پڑ جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کیساتھ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ العیاذ باللہ!

اِس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
یہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لیا گمراہی کو بدلے ہدایت
بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ
کے اور عذاب کو بدلے بخشش کے پس کیا صبر کرنے ہیں
اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ۱۷۵
وہ اوپر آگ کے

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا ہے۔ پھر کسقدر تعجب انگیز ہے یہ چیز کہ، اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ پر استقامت کئے ہوئے پایا ہے۔ (یعنی کمائے کوئی اور عیش کوئی اُڑائے۔ یہ لوگ اتنی شدید آگ پر مطمئن ہو چکے ہیں)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ
یہ اسواسطے ہے کہ اللہ نے اُتارا کتاب کو ساتھ حق کے
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِيْ
اور تحقیق جنہوں نے اختلاف کیا بیچ کتاب کے البتہ بیچ خلاف
شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ۱۷۶ ع ۲۱/۵
دُور کے ہیں۔

یہ سب کچھ اِسلئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب نازل کردی ہے۔ مگر بلاشبہ جو لوگ کتاب میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ وہ (ایسی ہی) دُور کی شقاوت میں چلے جاتے ہیں۔

● اِس آیت مجیدہ میں کسی حسرت آمیز لہجہ میں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے، جس کا ذکر حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ۲/۱۶۷

میں اُوپر گزر چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچارے مُریدوں کا، اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی بال بچوں کے مُنہ سے چھین کر مرفہ الحال پیروں کی نذر کرتے چلے جانا، یہ بھی انتہائی حسرت انگیز۔ جیسے کہ سورہ انعام میں انہی لوگوں کے متعلق خبر دیگئی ہے ؛۔

● وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ $\frac{6}{137}$ = اور اسی طرح بہت سے شریک ٹھہرانے والوں کیلئے اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُن کی اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا ہے۔ اور اس قتل اولاد کی وضاحت اگلی آیت مجیدہ میں کیگئی ہے ؛۔ ● قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ $\frac{6}{140}$ = بیشک وہ لوگ خسارہ میں رہتے ہیں۔ جو بلا سند علم الٰہی، بیوقوفی کیساتھ اولاد کو قتل کرتے ہیں یعنی جو کچھ انہیں اللہ دیتا ہے، اُسے اللہ کے ذمہ لگا کر اولاد کیلئے حرام کر دیتے ہیں۔ کسقدر حسرت بدوش ہیں ان لوگوں کے حالات، کہ پیشواؤں کے حکم سے قتل اولاد تک گوارا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس چیز کو افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ، ذمہ لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے، کہ اُس نے انہیں بچوں کے پیٹ کاٹ کر پیروں کیلئے سامان تعیش مہیا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ واضح رہے کہ $\frac{6}{137}$ کے مطابق، یہ سب کچھ اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُنکے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہوتا ہے۔

وجہ فضیلت فرائض منصبی کی ادائیگی ہے لمبی لمبی ریاضتیں اور چلہ کشیاں نہیں

مُریدوں کے اذہان پر مشائخ کی عظمت کا سکہ کئی کئی سو منکوں کی لمبی لمبی تسبیحوں، اور اپنے اپنے پیر خانے کی طرف مُنہ کر کے لمبے لمبے ورد وظائف کے ذریعہ بٹھایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آیت مجیدہ میں، حقیقت کا اظہار بالفاظ ذیل کیا ہے ؛۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
نہیں بھلائی یہ کہ پھیر دو تم مُنہ اپنے کو طرف مشرق کے
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ
اور مغرب کے اور لیکن بھلائی اسکو ہے جو ایمان لایا ساتھ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
اللہ کے اور دن پچھلے کے اور فرشتوں کے اور کتاب کے
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي
اور نبیوں کے اور دیا مال اوپر محبت اسکی کے قرابت
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
والوں کو اور یتیموں کو اور فقیروں کو اور مسافروں کو اور
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
سوال کرنے والوں کو اور بیچ چھڑانے گردنوں کے اور قائم کیا نماز کو

یہ کوئی بھلائی نہیں کہ تم مشرق کی طرف مُنہ کرتے ہو، یا مغرب کی طرف۔ بھلائی اُن لوگوں کے لئے ہے جو اللہ پر، روز آخرت پر، اُسکے ملائکہ پر، اُس کی کتاب پر، اور اُس کے نبیوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنے قریبیوں، یتیموں (یعنی بے سہارا لوگوں)، مسکینوں، (یعنی جن کا چلتا کاروبار کسی وجہ سے ساکن ہو جائے) اور مسافروں اور محتاجوں (یعنی جن کی آمدنی اُن کے خرچ سے کم ہو)، اور مقروضوں کی گردنیں آزاد کرانے میں مال خرچ کریں۔ اور (اجتماعیت کے قیام کے لئے) نظام صلوٰۃ قائم کریں اور معاشرہ کے کمزوروں کو نشوونما دیں۔ اور جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔ اور وُہ تکلیف و عذر کے وقت میں مستقل مزاج رہنے والے ہوں۔

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
اور دیا زکوٰۃ کو اور پورا کرنے والے ساتھ عہد اپنے
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
کے جب عہد کریں اور صبر کرنیوالے بیچ فقر کے اور بیماری
وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
کے اور وقت لڑائی کے یہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ بولا اور
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ۱۷۷
یہ لوگ وہی ہیں پرہیزگار۔

خصوصًا اُس (اہم) وقت میں کہ جب دشمن سے جنگ ہو رہی ہو۔ یہی ہیں وہ لوگ جو (عملاً) اپنے ایمان کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچنے والے ہیں۔

غور فرمائیے گا کہ آیت بالا میں امورِ ذیل کی وضاحت کیگئی ہے:۔

● یہ کوئی بھلائی نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف رُخ موڑتے ہو یا مغرب کی طرف۔ لیکن (جب ہم نے نماز کیلئے مقامِ ابراہیم بیت الحرام کو قبلہ مقرر کر دیا ہے $\frac{2}{125}$، تو سمت کے اختلاف کا کیا معنی؟ الگ الگ سمتیں مقرر کرنا، گویا الگ الگ قبلے ٹھہرانا ہے۔ بگوشِ ہوش سُن لو کہ بھلائی ہے عقائد کی درستی اور فرائضِ منصبی کی بجا آوری میں، اسلئے بھلائی اُنہیں میسر آئیگی، جو عقائد کی رُو سے :۔

● اللہ پر ایمان لائیں (کہ دُنیا کی سب نعمتیں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے $\frac{1}{2}$)

● اور روزِ مکافات پر ایمان لائیں (کہ اِن نعمتوں کے بے جا تصرّف کی جوابدہی کیلئے اُسکے حضور ضرور ضرور حاضر ہونا ہے۔ $\frac{1}{3}$)

● اور ملائکہ پر ایمان لائیں کہ وہ سب الگ الگ وہی کام کرتے ہیں جو اُنہیں حکم دیا گیا ہے $\frac{16}{50}$ نیز وہ انسان کے لئے سجدہ ریز ہیں $\frac{2}{34}$۔

● اور میری نازل کردہ اکلوتی کتاب پر ایمان لائیں (کہ یہ مفصّل ہے $\frac{6}{114}$، مبین ہے $\frac{15}{1}$ و $\frac{27}{1}$، تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے $\frac{16}{89}$، محفوظ ہے $\frac{41}{41-42}$، مکمل ہے $\frac{6}{115}$، کافی ہے $\frac{29}{51}$، یہی کتاب سب نبیوں کو ملی تھی $\frac{26}{196}$ وغیرہ وغیرہ)

● اور میرے جملہ انبیاء پر ایمان لائیں (کہ وُہ ایک ہی ضابطۂ حیات لیکر آئے تھے $\frac{2}{213}$، سب کی طرف یہی ربوبیت بدوش ضابطۂ حیات نازل ہُوا تھا $\frac{26}{196}$، سب سچے اور خدا تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے، اُن پر کبھی بھی خدا تعالیٰ ناراض نہیں ہُوا تھا)۔ اِس طرح عقائد کی درستی کے بعد، فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا نمبر ہے کہ:

● اللہ کی محبت میں، اُسکی خوشنودی کیلئے قریبیوں کو مال دیں، (یعنی پہلے نمبر پر اُن کے مال میں اُن کے نادار قریبیوں کا حق ہے)۔

● اور یتیموں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں بے سہارا ہو جائیں اُن کیلئے سہارے مہیا کریں)۔

● اور مسکینوں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں کاروباری لحاظ سے ساکن ہو جائیں۔ اُنکی رُکی ہوئی گاڑی کو متحرک کر دیا کریں)

● اور مسافروں کو مال دیں (یعنی اگر کوئی مسافر حادثاتی طور پر بے خرچ ہو جائے، تو اُسکی نقد روپے کی گٹھڑی نہیں روپیہ میں تھمانے کی بجائے اُسے اُسکے گھر پہنچانے کا انتظام کریں۔

● اور محتاجوں کو مال دیں (یعنی جن کی آمدنی اُن کی ضروریات کیلئے کافی نہ ہو، اُن کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی بجائے اُن کی آمدنی میں اضافے کی صورت پیدا کریں۔

● اور قرض داروں کی گردنیں آزاد کرائیں (یعنی معاشرہ میں کوئی مقروض نہ ہو، کہ اُسکی کمائی قرضخواہ لے جائے اور اُسکے بال بچے ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ جائیں)۔

● خصوصًا صلوٰۃِ موقت کا اجتماعی نظام قائم کریں، یعنی ہر کمزور کو سامانِ نشوونما پہنچنے کا معقول انتظام کریں۔

● (اور اُنکا امتیازی نشان یہ ہو کہ) جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔

● اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ ثابت قدمی کیساتھ کیا کریں خصوصًا جنگ[۱] کے زمانہ میں خوف و ہراس کو پاس تک نہ پھٹکنے دیں۔

● یہی وہ لوگ ہیں، جو عمل کیساتھ اپنے ایمان کو سچا کر دکھاتے، یعنی دعویٔ ایمان میں یہی لوگ سچے ہیں۔ اور یہی لوگ معاشرہ کے داخلی اور خارجی جملہ خطرات سے بچنے والے ہیں۔

[۱] وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ کے الفاظ میں حین الباس پہ واؤ خصوص بر عموم لا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ آیت مجیدہ کے آخری الفاظ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ، ایسے لوگ جنگ تک کے مخصوص خطرات سے بھی محفوظ رہنے والے ہیں۔ جنگ کے زمانہ ہی کیلئے رمضان کے مہینے میں بھوک پیاس کی سالانہ ٹریننگ کا حکم دیا گیا ہے جو $\frac{2}{183 \text{ تا } 187}$ میں آگے آ رہا ہے۔

اب آیت بالا کی رُو سے بتائیگا، کہ پیشوائیت، جس کا اپنے مریدوں کیساتھ بھی یہ سلوک ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کا ہزاروں اور لاکھوں کا بینک بیلنس موجود ہوتا ہے۔ مگر مقروض مرید کو اِن دعویدارانِ اِتقا کی طرف سے صرف خلاصیٔ قرضداران اسلام کی دعا کیساتھ مطمئن کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیت بالا میں متقیوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ قریبیوں، بے سہارا لوگوں، جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں، مسافروں، محتاجوں اور مقروضوں کی مدد مال کیساتھ کرتے ہیں، نہ تعویذ گنڈوں کیساتھ، اور نہ زبانی زبانی دعاؤں کیساتھ

آیت بالا میں پیشوائیت کی تردید کیساتھ ساتھ، قرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ بھی پیش

یہ ہے قرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ، قاتل سے قصاص لینا فرض ہے

کیا گیا ہے۔ جو صلوٰۃ موقت کے مرکزی نکتہ سے شروع ہوتا اور مذکورہ بالا خطوط پر مشتمل ہوتا ہوا پورے معاشرے پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ انسانیت کا کوئی گوشہ بھی حقوق ربوبیت سے محروم نہیں رہتا۔ جیسے کہ دیباچہ میں پوری صراحت کیساتھ واضح کیا جا چکا ہے، کہ محولہ بالا تھا کہ قرآنی معاشرہ کا عبوری دور ہوتا ہے، جس میں ابھی ذاتی ملکیت کا تصور باقی ہوتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۹/۱۱۱ کے اس مقام پر لے جانا چاہتا ہے، جہاں ہر چیز خدا تعالیٰ کی ہو جاتی ہے۔ اور ایمان والوں کو اسکے عوض ہموار معاشرہ جنت میسر آتی ہے، ذاتی املاک کے خاتمہ سے ہر قسم کے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دھوکا فریب، چوری چکاری، ڈکیتی اور جیب تراشی کا وجود، ذاتی املاک کے خاتمے سے خود بخود نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ قتل و غارتگری عنقا ہو جاتے ہیں۔ اسکے برعکس جبتک ذاتی ملکیت کا تصور باقی ہو، جرائم کے مواقع باقی رہتے ہیں۔ چوریاں اور ڈکیتیاں بھی ہوتی ہیں، قتل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جبتک قتل کا وجود باقی ہو قاتل سے قصاص لینا فرض قرار دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا ہے اوپر تمہارے برابری
فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى
کرنا بیچ مارے گیوں کے آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے
بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ
غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جو کوئی معاف کیا جاوے
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ
واسطے اسکے خون بھائی اسکے سے کچھ پس پیروی کرنا ہے ساتھ
تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ
اچھی طرح کے اور ادا کرنا ہے طرف اسکے ساتھ نیکی کے یہ آسانی
اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
ہے پروردگار تمہارے کی طرف سے اور رحمت پس جو کوئی زیادتی
کرے پیچھے اسکے پس واسطے اسکے عذاب ہے درد دینے والا۔

۱۷۸

ایمان والو! قاتلوں کا پیچھا کرنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے (یعنی قاتل کو تلاش کر کے جان کا بدلہ جان اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۵/۴۵ فرض ہے، اس ضمن میں اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائیگا اگر قاتل آزاد قوم کا فرد ہے تو وہ آزاد ہی سزا پائیگا۔ اور اگر قاتل ذمی ہو، تو وہ ذمی ہی سزا کا مستوجب ہوگا۔ نیز اگر قاتلہ عورت ہو تو وہ عورت ہی سزایاب ہوگی۔ (قتل بالعمد ہو تو جان کا بدلہ جان ہی ہوگا ۴/۹۳۔ اور اگر سہواً قتل ہو گیا ہو تو مقررہ خون بہا دلایا جائیگا) پھر جو قاتل اپنے بھائی مقتول کے وارث (یا دم توڑنے سے پہلے خود مقتول کی طرف سے قصاص) یا مقررہ خون بہا میں سے کچھ معاف کر دیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں) پھر مقتول کے وارث پر بھی لازم ہے کہ زر خون بہا کا مطالبہ عام دستور کے مطابق کرے۔ اور قاتل پر بھی فرض ہے کہ واجب الادا رقم احسن طریقے کیساتھ ادا کر دے۔ (قتل بالعمد کے سلسلے میں تخفیف کا قانون) تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک رحمت ہے پھر فریقین میں سے جو کوئی فیصلہ ہو چکنے کے بعد نافرمانی کریگا (یعنی اگر قاتل خون بہا ادا نہ کرے، اور وارث خون بہا لیکر پھر بھی ارادہ

قتل کرے تو ہمارے قانون میں اُنکے لئے دردناک عذاب ہے۔ (یعنی وہ سخت سزا کے مستوجب ہونگے)

(نوٹ، خون بہا کا قانون قتل سہو کیلئے ہے، قتل بالعمد کیلئے نہیں۔ (پوری تفصیل آگے چلکر ۴/۹۲ میں آئیگی انشاءاللہ!)

ع۱ قصاص کا سہ حرفی مادہ ق۔ص۔ص = قصص ہے۔ اِسکا بنیادی معنی ہے تعاقب کرنا پیچھا کرنا۔ اِس طرح اِس آیت کی رُو سے معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ قاتل کا پیچھا کیا جائے۔ صحیح قاتل کو تلاش کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ بالفاظِ دیگر، صرف اتنے ہی اِس حکم کی تعمیل نہیں ہوجاتی، کہ پولیس نے کسی شخص کو قاتل کی حیثیت سے گرفتار کرکے عدلیہ کے حوالے کر دیا۔ عدالت میں وہ قاتل ثابت نہیں ہُوا، وہ بری ہوکر گھر آگیا، اور سمجھ لیا گیا کہ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ القِصَاص کا حکم ختم ہوگیا ہے اب ہر طرف خاموشی چھا جائے، گویا کہ قتل ہُوا ہی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ قصاص کا معنی ہی یہ ہے کہ جبتک صحیح قاتل تلاش ہوکر سزایاب نہ ہوجائے اُسوقت تک قصاص، یعنی قاتل کا تعاقب جاری رہے۔ سُورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہُوا ہے:۔ ● وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّهٖ سُلۡطٰنًا ۱۷/۳۳ = یعنی جو شخص ظلم کیسا تھ قتل کیا جائے، ہم نے اُسکے ورثا کیلئے قاتل کے خلاف نظامِ معاشرہ کو پشت پناہ اور حمائتی مقرر کر دیا ہے۔ کیوں؟ اِسلئے کہ:۔ ● اِنَّهٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ○ ۱۷/۳۳ = بلاشبہ، مقتول ہماری طرف سے منصور مدد کیا گیا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور مقتول کی مدد اِسکے سوا نہیں ہے کہ قاتل کی تلاش کرکے اُسے سزا دی جائے۔

اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ۔ اِن الفاظ کا یہ مفہوم غلط ہے کہ اگر کسی آزاد کو کوئی عبد قتل کردے تو آزاد مقتول کے بدلے کسی غیر قاتل آزاد کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے۔ یا اگر کوئی آزاد کسی عبد کو قتل کردے تو عبد مقتول کے بدلے کسی بیگناہ عبد کو سُولی دیدیا جائے۔ بلکہ بِالۡحُرِّ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ اور بِالۡعَبۡدِ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ فی الحقیقت یہاں بین الاقوامی قانون بتایا گیا ہے۔ کہ قاتل کی حیثیت سے آزاد ہو یا ذمّی، دونوں ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حُرّ کسی ذمّی کو قتل کردے تو اُسکا حُر ہونا، جُرمِ قتل میں کوئی رعائت نہیں دلا سکتا۔ اور اِسی طرح اگر کوئی ذمّی کسی آزاد کو قتل کردے تو اُسکے ذمّی ہونے سے، اُسے بھی کوئی رعائت میسّر نہیں آسکتی۔ اسلامی معاشرہ میں اگر کسی آزاد کو ذمّی کے قتل میں کوئی رعائت دیجائیگی، تو مخالف معاشروں میں وُہی سلوک ذمّی مسلمانوں کیساتھ کیا جائیگا۔ المختصر! قرآنِ کریم نے آزاد اور ذمّی میں فرق کئے بغیر قصاص لینے کی اہمیّت کو سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں باندازِ ذیل بیان کیا ہے:۔

وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ○ ۱۷۹

اور واسطے تمہارے بیچ برابری کے زندگی ہے اے عقل والو تو کہ تم بچو۔

اور عقلمندو! تمہارے لئے قاتل کی مستقل تلاش اور اُسے قرار واقعی سزا دینے ہی میں زندگی ہے۔ تاکہ تم (دشمن کے قتل کی دار داتوں سے) بچ جاؤ۔

خدا تعالیٰ کے ہاں انسانی زندگی کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ ارشاد ہوا ہے :۔ ● وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ $\frac{۷۰}{۱۷}$ = اور بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو واجب التکریم ٹھہرایا ہے۔ مُولی گاجر کی طرح کاٹ پھینکنا اُسکی انتہائی توہین، اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دینا خدا تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی ہے۔ پھر ایک قتل سے سینکڑوں قتلوں کی بنیاد پڑتی ہے :۔ ● مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ $\frac{۵}{۳۲}$ = جس شخص نے ایک انسانی جان کو قتل کیا، تو گویا (یوں سمجھو کہ) اُس نے پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔ اِس آیت میں اِس چیز کی خبر دیگئی ہے کہ اگر قتل کا اِنفرادی بدلہ لینا شروع ہو جائے، تو ایک قتل کے عوض، قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور دونوں قبیلوں کے ہزاروں افراد شمشیر بکف نکل آتے ہیں، اور مزید سینکڑوں قتل ہو جانے کے باوجود اوّلین قاتل پھر بھی ممکن ہے کہ زندہ بچ رہے۔ فلہٰذا اِس چیز کو قانونی حق قرار دیدیا گیا ہے کہ قاتل سے بدلہ معاشرہ لے، اور اُسوقت تک قاتل کا تعاقب جاری رہے جبتک وُہ گرفتار ہو کر سزا نہ پالے۔ اِس طرح مقتول کے وُرثاء کے جذبات ٹھنڈے ہو جائینگے۔ اور قتل کی وباء آگے نہ بڑھنے پائیگی۔

مرنیوالے پر وصیّت کرنا فرض ہے

اُوپر چونکہ مقتول کا ذکر آیا ہے۔ اِسلئے ساتھ ہی اگلی آیت مجیدہ میں مرنیوالے کے آخری فرضِ منصبی کی وضاحت بھی کر دی ہے :۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
لکھا گیا اوپر تمہارے جس وقت حاضر ہو ایک
الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ِۨ الْوَصِيَّةُ ۖ
تمہارے کو موت اور چھوڑ جاوے مال وصیّت کرنا
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
واسطے ماں باپ کے اور قرابت والوں کے ساتھ اچھی
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞ ۱۸۰ؕ
طرح کے حق ہوا اُوپر پرہیزگاروں کے۔

ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تُم میں سے کسی پر موت کا وقت آ جائے۔ تو (اگر ابھی قرآنی معاشرہ اپنی انتہائی منزل $\frac{۹}{۱۱۱}$ کے مقام پر نہیں پہنچا، اور ابھی ذاتی ملکیّت کا تصوّر باقی ہے تو) اگر وہ کوئی مال چھوڑ رہا ہو، تو اپنے والدین اور اقرباء کے حق میں اُن کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کر جائے۔ یہ چیز خطرات سے بچنے والوں کیلئے فرض ہے۔

وصیّت کا حکم والدین اور اقرباء کیلئے ہے۔ اور $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں متوفّی کے ترکہ کے حقدار بھی والدین اور اقرباء ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں مالِ متروکہ کے حقداروں کے حصّے مقرّر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وصیّت کا کیا مطلب؟ ۔ اِس کا جواب بڑا عام اور مشاہداتی ہے، کہ اقرباء اور والدین، یعنی اولاد، بہن بھائی اور ماں باپ، جن کے $\frac{۴}{۱۱-۱۲}$ میں الگ الگ حصّے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اُن میں ہر بیٹے کا حصّہ باہم برابر ہے لیکن ایسے دو بیٹوں کے درمیان مساوی تقسیم ہرگز ہرگز مبنی بر انصاف نہیں، جن میں ایک بی۔ اے کر کے صاحبِ روزگار ہو چکا ہو۔ اور دوسرا ابھی پرائمری کا طالب علم ہو۔ پس موخر الذکر

کے وقتی حالات کے مطابق لازم آتا ہے کہ وصیّت میں اُسکے لئے ہی۔ اے تک کی تعلیم اور حصولِ ملازمت کا خرچ اُسکے مقررہ حصّہ سے الگ محفوظ کر دیا جائے۔ یہی حکم ہے والدین یا بہن بھائیوں کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کر جانے کا۔ مثلاً ایک بھائی مقروض اور دوسرا آسودہ حال ہے تو مقروض کیلئے کسی رقم کا وصیّت میں مختص کر دینا وصیّت کی اصل غرض وغایت ہے۔ اِس طرح متوفی اپنے سرمایہ دار بھائی کے مقابلے پر مقروض بھائی، یا مالدار بیٹے کے مقابلے پر محتاج بیٹے، اور محتاج والدین کے حق میں مناسب وصیّت کرسکتا ہے۔

وصیّت کا بدلنا گناہ ہے۔ اگر وصیّت کرنیوالا کسی طرف جُھک گیا ہو، تو وصیّت کی اصلاح کرلی جائے

تقاضائے حالات کے مطابق متوفی کو جو حقِ وصیّت دیا گیا ہے۔ اِس پر اِس خطرہ کے پیشِ نظر، کہ اگر کوئی فریق وصیّت کو بدل ڈالے اور یا خود صاحبِ وصیّت کسی طرف کو ناجائز طور پر جُھک گیا ہو۔ تو ارشاد ہوتا ہے:۔

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
پس جو کوئی بدل ڈالے اُسکو پیچھے اسکے کہ سُنا اُسکو
اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ
پس سوائے اسکے نہیں کہ گناہ اِسکا اُوپر اُن لوگوں کے ہے
عَلِیْمٌ ؕ ۱۸۱
جو بدل ڈالتے ہیں اسکو تحقیق اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔

پھر جو کوئی اِس وصیّت کو سُننے کے بعد بدل ڈالے پھر سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اِسکا گناہ بدلنے والوں ہی پر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سُننے والا جاننے والا ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ
پس جو کوئی ڈرے وصیّت کرنے والے سے کجی کو یا
اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ
گناہ کو پس اصلاح کر دے درمیان اُنکے پس نہیں گناہ اوپر
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۠ ۱۸۲ ع ۲۲
اُسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

پھر جو کوئی وصیّت کرنے والے کے متعلق ناجائز طرفداری یا گناہ کا خوف کرے، تو وہ فریقین کے درمیان اصلاح کرا دے۔ پھر اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

● وصیّت کے متعلق ۵/۱۰۶ میں حکم دیا گیا ہے کہ اِسکے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں۔ لیکن آیت بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وصیّت لکھی نہیں گئی، تو اگر گواہ اُسے بدل دیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار ہیں۔ نیز اگر وہ باہمی متفقہ منصوبے کی بدولت دُنیا میں قانون کی زد سے بچ جائیں، تو قیامت کی عدالت میں ضرور سزایاب ہونگے۔ دُوسرے نمبر پر اگر وصیّت کرنیوالے نے کسی فریق کا حق دبا کر کسی فریق کو ناجائز فائدہ پہنچا دیا ہو تو مرکزی نظام پر فرض کیا گیا ہے کہ جس فریق

کا حق دبالیا گیا ہے۔ اُسکی دادرسی کیلئے، پس ماندگان کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کی اصلاح کر کے، فریقین میں مصالحت کرادے۔

مومن مرد عورتیں سب مجاہد ہیں، سال میں ایک ماہ بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں

اِس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیت نمبر ۱۷۷ کے ساتھ ہے جسمیں ہر تکلیف و مصیبت میں عموماً، اور ایّام جنگ میں خصوصاً، ثبات واستقلال کو نیکی بھلائی، اور کامیابی کی کنجی بتایا گیا ہے۔ اب چونکہ ایّام جنگ میں مجاہدین کیلئے خصوصاً اور عامتہ النّاس کیلئے عموماً، ایسے ہنگامی حالات کا پیدا ہونا لازم ہے کہ کسی وقت سامانِ خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے، یا رسل و رسائل میں بے قاعدگی کی بدولت، کچھ عرصہ بھوک پیاس برداشت کرنی پڑ جائے۔ اِسلئے ایسے حالات کے مقابلہ کیلئے ٹریننگ کے طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ سال میں ایک مہینہ روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں۔ نیز روزہ، ربوبیّتِ عامہ کیلئے بھی ممد و معاون ثابت ہے کیونکہ روزہ دار کو، عملاً پتہ چلتا ہے کہ، معاشرہ کے جن افراد کو ناہموار معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت کئی کئی وقت کھانا میسّر نہیں آتا، اُن پر کیا گزرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا اوپر تمہارے روزہ جیسا کہ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

لکھا گیا تھا اوپر اُن لوگوں کے جو پہلے تم سے تھے تو کہ تم پرہیزگاری کرو۔ ۱۸۳

ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اُسی طرح فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ تم (بھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت وقت پڑنے پر اِنکے مضر اثرات سے) بچ جاؤ۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

روزے دن گنتی کے ہیں جو کوئی ہو تم میں سے بیمار یا اوپر

مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

سفر کے پس گنتی ہے دنوں اور سے اور اوپر اُن لوگوں کے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

کہ طاقت رکھتے ہیں اسکی بدلا ہے کھانا ایک فقیر کا پس جو کوئی

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا

کرے زیادہ نیکی پس وہ بہتر ہے واسطے اُسکے اور یہ کہ روزہ رکھو تم بہتر ہے

خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ۱۸۴

واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے

روزے گنتی کے دنوں کے ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو (روزے نہ رکھے اور تندرست ہو کر یا سفر سے واپس آکر چھوٹے ہوئے روزوں کی) گنتی بعد کے دنوں میں روزے رکھ کر پوری کر لیا کرے۔ اور جو لوگ سفر اور بیماری کے بعد روزہ کی طاقت پالیں۔ تو پھر اگر روزہ نہ رکھیں تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہیں پھر جو کوئی بخوشی خاطر بھلائی کرے (یعنی ایک آدمی سے زیادہ کا کھانا فدیہ دیدے) تو اُسکے لئے اچھا ہے لیکن اگر تم روزہ ہی رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ (کیونکہ روزے کی اصل غرض بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی بنانا

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ اس جملے کا معنیٰ عام تراجم میں یہ لکھا ہے: "اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اُن پر فی روزہ ایک مسکین کا کھانا ہے"۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں، وہ تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیدیا کریں اور جن میں روزے کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھا کریں۔ جو کسی بھی صورت میں مبنی بر انصاف نہیں۔ اس سلسلے میں غلطی یہ لگی ہے کہ یُطِیقُونَہٗ باب افعال سے ہے ثلاثی مجرد سے نہیں۔ اسلئے اسکا یہ معنیٰ، کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، وہ فدیہ دیدیا کرے، غلط ہے۔ اسکے برعکس دوسرے نمبر پر جن مترجمین نے اسے باب افعال تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اس باب کے خاصہ سلب ماخذ کو اختیار کرکے یہ معنیٰ لیا ہے، کہ جن لوگوں میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، وہ فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیدیا کریں۔ اس ترجمے سے یہاں تک تو بات بن گئی ہے لیکن اس سے اگلے حکم وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ کیسا تھ فٹ نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ جن بیچاروں میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں، انہیں فدیہ کی رعائت دینے کے بعد، پھر یہ حکم دینا کہ تم روزے ہی رکھو تو بہتر ہے، معقولیت پر مبنی نہیں۔ اور تیسرے نمبر پر اس خامی کو دور کرنے کیلئے بعض مترجمین نے یُطِیقُوْنَہٗ کا یہ معنیٰ لکھا ہے کہ جو لوگ روزے کو بمشقت نباہ سکتے ہوں، وہ فدیہ دیدیا کریں۔ لیکن پہلے نمبر پر تو یہ معنیٰ یُطَوَّقُوْنَ کا ہو سکتا ہے، یُطِیقُوْنَ کا نہیں۔ اور دوسرے نمبر پہ یہ ترجمہ نفس مضمون ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشقت کا عادی بنانے ہی کیلئے تو روزوں کی مشق کرائی جاتی ہے مشقت کی رعائت روزے کا مطلب ہی فوت کر دیتی ہے۔ نیز یہ امر ممکن ہی نہیں کہ روزہ مطلقاً تکلیف نہ دے۔ اور روزے کا دن، بالکل اُسی دن کی طرح بلا تکلیف گزر جائے، جس طرح بلا روزہ کا سارا دن کھاتے پیتے گزارا جاتا ہے اسلئے یہ مفہوم بھی غلط ہے۔

پس عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کا وہ مفہوم، جس پر مذکورہ بالا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا، باب افعال کے خاصہ جدان کے مطابق ہی لیا جانا صحیح ہے، جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ کہ بیمار جب صحتیاب ہوکر، اور مسافر سفر سے واپس آکر روزہ رکھنے کی کھوئی ہوئی طاقت پالے تو رمضان کے بعد، چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کر لیا کرے۔ اور اگر روزہ نہ رکھے، تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ کے طور پر ادا کرے۔ لیکن واضح رہے کہ، بہتر صورت، جس کی سفارش کیگئی ہے، وہ ہے، وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ = اور یہ کہ اگر روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور انکی طاقت کے لوٹ آنے کی اُمید بھی نہیں، یعنی بوڑھے اور دائم المریض، وہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے حکم عام کی رُو سے پہلے ہی مستثنیٰ ہیں۔

روزے پورے رمضان کے ہیں اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ گنتی کے تیس یا انتیس دن ہیں، پورے رمضان کے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
مہینہ رمضان کا وہ جو اُتارا گیا ہے بیچ اسکے قرآن مجید

وہ گنتی کے دن رمضان کا مہینہ ہے۔ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو تمام نوع انسانی کیلئے ہدائت اور

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ
ہدایت واسطے لوگوں کے اور دلیلیں ہدایت کی سے
وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ
اور معجزے پس جو کوئی حاضر ہو تم میں سے اس مہینے میں
فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
پس چاہیئے کہ روزہ رکھے اسکو۔ اور جو کوئی ہو بیمار، یا
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ
اوپر سفر کے پس گنتی ہے دنوں اور سے ارادہ کرتا ہے اللہ
وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
تعالیٰ ساتھ تمہارے آسانی کو اور نہیں ارادہ کرتا ساتھ تمہارے
وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
دشواری کو اور تو کہ پورا کرو گنتی کو۔ اور تو کہ بڑائی کرو اللہ کی
تَشْكُرُونَ ○ ۱۸۵
اوپر اسکے کہ ہدایت کیا تمکو اور تو کہ تم شکر کرو۔

ہدایت کے واضح دلائل، اور حق و باطل میں فرق کرنیوالا ہے۔ پھر تم میں جو کوئی اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی تم میں سے بیمار یا مسافر ہو تو وہ (مذکورہ بالا طریقے کے مطابق) بعد کے دنوں میں گنتی پوری کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (اس حکم کی غرض یہ ہے) تاکہ تم گنتی پوری کر لیا کرو۔ اور اسکے حکم کی اس طرح تعمیل کرکے کہ جس طرح اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا عملاً اظہار کیا کرو۔ اور تاکہ تم (بھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت، ناسازگار وقتوں میں بھی) بھرپور محنت کر سکو۔

● اس آیت میں فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کے بعد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے عیاں ہے کہ بیمار و مسافر کیلئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ہے کہ تمہیں تکلیف بھی نہ ہو، اور روزوں کی گنتی بھی پوری ہو جائے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ ۔۔۔ الخ کے الفاظ منسوخ نہیں ہوئے

قرآن محل کراچی کی مطبوعہ مترجم بخاری شریف جلد دوم کے صفحہ نمبر ۳۲۴ پر لکھا ہے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ ..... الخ کے الفاظ آیت بالا میں آمدہ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ سے منسوخ ہیں۔ لیکن جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۷ ناسخ منسوخ میں بوضاحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم کا کوئی ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ کتب روایات نے ناسخ و منسوخ کا شاخسانہ از خود کھڑا کرکے آیات کریمات کو منسوخ ٹھہرانا شروع کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت مجیدہ $\frac{2}{183}$ میں روزوں کی فرضیت کا حکم ہے، $\frac{2}{184}$ میں بتایا گیا ہے کہ یہ چند گنتی کے دن ہیں۔ اور ساتھ ہی استثنا بیان کر دی کہ بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ اس سے آگے ہے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ ۔۔۔ الخ کہ جب یہ صحتیاب ہو کر اور سفر سے واپس آ کر، روزے کی کھوئی ہوئی طاقت پانے کے بعد اگر روزہ نہ رکھیں تو فی روز ایک مسکین کو کھانا فدیہ دیں۔ اگر فدیہ میں زیادتی کریں تو اچھا ہے۔ لیکن روزہ رکھیں تو بہتر ہے۔ اسکے بعد

آیت بالا ۲/۱۸۵ میں وضاحت کیگئی ہے کہ وُہ گنتی کے دِن رمضان کا مہینہ ہے۔ اور اِس پُورے مہینے کے متعلق فرمایا ہے:۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ، جو کوئی اِس مہینے میں حاضر ہو اِس پُورے مہینے کے روزے رکھے ۔ اِس طرح تبائیے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ منسوخ کس طرح ہو گئی ؟

یہاں روایات کو غلطی اِس طرح لگی کہ پہلے تو وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے حکم کو سیاقِ کلام کے خلاف حکم عام قرار دیدیا ہے۔ اور پھر اِس سے مفہوم یہ لے لیا گیا ہے کہ پہلے پہل مالداروں کو اجازت تھی کہ وہ روزے نہ رکھیں اور فی روزہ ایک مسکین کا کھانا دیدیا کریں۔ لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ معاذ اللہ یہ معلوم ہوا کہ مالدار تو فدیہ دیکر روزے کی مشقت سے بچ گئے اور مارے گئے وُہ غریب جو فدیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے ۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم واپس لے کر تصحیح فرما دی۔ العیاذُ باللہ ـــــ اِسکے علاوہ اِس اعتراض کو دُور کرنے کیلئے روایات کی طرف سے جتنے بھی مفہوم پیش کئے گئے ہیں۔ اُن پر سیر حاصل بحث اُوپر گزر چکی ہے۔ اور حقیقت نکھر کر عیاں ہو چکی ہے کہ آیت مجیدہ ۲/۱۸۴ کے الفاظ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ ..... الخ بیمار و مسافر سے متعلق ہیں اور یہ ہرگز ہرگز منسوخ نہیں۔

روزہ رکھنا، بھوک پیاس کے برداشت کرنے کی مشق ہے یہ کوئی پُوجا پاٹھ نہیں

مذاہب عالم میں چونکہ روزوں کو محض پوجا پاٹھ ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اور اِس کی اصل غرض مفقود ہو چکی ہے۔ اسلئے جبکہ روزوں کے کچھ مسائل اُوپر گزر چکے ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں تو عین درمیان میں اس غلط فہمی کو دُور کر دیا گیا ہے۔ کہ روزے رکھوانے کی غرض کوئی پُوجا پاٹھ نہیں۔ بلکہ دراصل یہ بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی ایک سالانہ ٹریننگ ہے۔

نظریۂ تصوّف اور ویدانت میں چونکہ یہ مانا گیا ہے کہ بھوک پیاس کی ریاضت اور تپسّیا کے ساتھ جسم کو تکلیف دینے سے خدا تعالیٰ۔ ایشور پرما تما خوش ہوتا، اور اُسکا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اِس نظریہ کے ابطال کیلئے بالذات خصوصی ارشاد ہوا ہے:۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
اور جب سوال کریں تجھ کو بندے میرے مجھ سے پس تحقیق
أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي
میں نزدیک ہوں جواب دیتا ہوں پکارنے کا پکارنیوالے کو جب
وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ ۱۸۶
پکارتا ہے مجھکو پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں ساتھ میرے توکہ وہ بھلائی پاویں۔

اے رسول! جب آپ سے لوگ میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا روزوں کی بھوک پیاس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے) تو آپ کہدیجئیگا (کہ اُس نے کہا ہے) میں از خود قریب ہوں (رگِ جان سے بھی قریب ۵۰/۱۶) جو کوئی مجھے پکارتا ہے، (یعنی دانیے قانونِ مشیّت کی زبان میں) اُسے جواب دیتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ میرے قوانین کو قبول کریں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں۔

ترکِ لذّات کوئی عبادت نہیں

آیت بالا میں بھوک پیاس کو ذریعہ تقرّب نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اللہ کے

جملہ قوانین کو اپنے اُوپر حاوی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اِسی چیز کو وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، پُورے کے پُورے احکام کے سامنے جُھک جا اور نزدیک ہو۔ یعنی وہ تو پہلے ہی نزدیک ہے۔ تجھے اُسکی فرمانبرداری کے ذریعہ اُسکے قریب ہونا ہے۔ پس روزے رکھکر یہ سمجھ لینا کہ روزوں کی غرض پُوری ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا ہے۔ اور مجھے قربِ خداوندی مُیسّر آ چکا ہے۔ یہ فلسفۂ ویدانت تو ہو سکتا ہے، جسمیں جسم کو تکلیف دینا اور ترکِ لذّاتِ نعما خداوندی کو عبادت قرار دیا گیا ہے، قرآنی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن ربوبیّتِ عامہ کا علمبردار ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۲/۲۹ = اے نوعِ انسانی اللہ ہی تو ہے جس نے زمین میں جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، سب کی سب تمہارے ہی لئے پیدا کی ہیں۔ پس روزوں کے احکام کے عین درمیان میں اِنہیں پُوجا پاٹھ کے درجے سے خارج کرکے، عقلمندوں کیلئے وضاحت کر دیگئی ہے کہ اِنکی غرض ایامِ جنگ کیلئے بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی ہونا ہے۔ اِس سے اگلی آیت میں روزوں سے متعلقہ زمانۂ جہالت کے طور طریقوں کی مذمت فرمائی گئی ہے:۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى
حلال کی گئی واسطے تمہارے رات روزے کی رغبت کرنا
نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ
طرف بیویوں اپنی کے وہ پردہ ہیں واسطے تمہارے اور تم پردہ
لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
ہو واسطے انکے جانا اللہ تعالیٰ نے یہ کہ تم تھے خیانت کرتے جانوں
فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ
اپنی کو پس پھر آیا اوپر تمہارے اور معاف کیا تم سے پس اب ملا کرو
وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
اُن سے اور ڈھونڈو جو لکھ دیا ہے اللہ نے واسطے تمہارے اور کھاؤ
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ
اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاوے واسطے تمہارے تاگا سفید تاگے کالے
الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ
سے فجر سے پھر پورا کرو روزے کو رات تک اور مت ملو ان سے
اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ
اِس حالت میں کہ جب ہو تم ٹھہرے ہوئے۔

تمہارے لئے روزوں کی راتیں تمہاری بیویوں کیساتھ بے حجابی کیلئے حلال کیگئی ہیں۔ وہ تمہارا پردہ ہیں۔ اور تم انکا پردہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم (قبل نزول قرآن، ایکدوسرے سے جُدا رہ کر) ایک دُوسرے کے جنسی حقوق کی خیانت کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ تمہاری طرف رجوع برحمت ہُوا اور تمہیں قبل ایمان کی خطائیں معاف فرمائیں۔ پس اب تم (قرآن کریم پر ایمان لانے کے بعد) اپنی بیویوں سے ملا کرو۔ اور جو کچھ تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے فرض کیا ہے (اولاد) طلب کیا کرو اور روزوں کی راتوں میں رات کی سیاہ دھاری سے فجر کی سفید دھاری کے نمودار ہونے تک کھاتے پیتے رہا کرو۔ اور پھر روزے کو رات تک پُورا کیا کرو۔ نیز (جنسی ملاپ کے متعلق سُن لو کہ) جب تم میاں بیوی کبھی مسجد میں شب باش ہو۔ جیسے ہو تو جنسی رغبت نہ کرنا۔ مذکورہ بالا سب اللہ تعالیٰ کی حدّیں ہیں، پس ان کے قریب تک نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اسی طرح لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ (ایام

فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

جبکہ مسجدوں کے بیچ ہیں حدیں اللہ کی پس نہ نزدیک جاؤ ان کے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ نشانیاں اپنی واسطے لوگوں

يَتَّقُوْنَ ○ ۱۸۷

کے تو کہ وہ بچیں۔

جنگ کے خطرناک اوقات سمیت ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۸۳/۲ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۱۸۷/۲ روزوں کے حکم کی ابتدا میں بھی ان کی غرض اتقا بتائی گئی ہے، اور اسی غرض کے اظہار پر اس عنوان کو ختم کیا گیا ہے۔ عام طور پر تتقون اور یتقون کا مفہوم "روزہ دار کا متقی بن جانا لیا جاتا ہے اور متقی کا مفہوم زبان زد عوام ہے، نماز روزے کا پابند ہونا۔ حالانکہ پیچھے ۱۷۷/۲ میں قرآنی معاشرہ کا خاکہ پیش کر کے اخیر پر وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ کے جملہ میں حین الباس پر واضح خصوص بر عموم لاکر وضاحت کر دی گئی ہے کہ متقون وہ ہیں، جو جنگ تک کے خطرہ سے محفوظ ہوں۔ یعنی انکے ہاں جنگی خطرات سے محفوظ رہنے کا سو فیصدی معقول انتظام ہر آن موجود ہوتا ہے۔ پس صیام کی سالانہ ٹریننگ، چونکہ ہے ہی ایام جنگ کیلئے بھوک پیاس کے عادی ہونے کی مشق، اسلئے روزوں کے احکام و مسائل کی ابتدا و انتہا میں جو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ آیا ہے۔ اسکا معنی جنگی خطرات سمیت ہر خطرے سے محفوظ رہنا ہے۔ قرآن کریم نے اسکی انتہائی صورت یہ بیان کی ہے کہ:۔ ایمان والو! دشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیار رکھو۔ اور تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی وہ بہتات ہو، جس سے تمہارے اور اللہ کے دشمن لرزہ براندام رہیں ۶۰/۸۔

کالا دھاگا اور سفید دھاگا علہ سلسلہ درس کی آیت بالا میں آمدہ الفاظ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ کے متعلق روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ جب یہ الفاظ نازل ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ ان الفاظ سے یہ پھٹنا مراد لینے کی بجائے سحری کا وقت پہچاننے کیلئے دو دھاگے رکھ لئے، ایک کالا اور ایک سفید۔ جبتک ان میں تمیز نہ ہوتی، اسوقت تک کھاتے پیتے رہا کرتے تھے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے انہیں پوری طرح سمجھانے کیلئے، ان کی اس حرکت کے بعد مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ نازل کئے۔ افسوس ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق بتایا یہ گیا ہے کہ انہیں خود اپنی زبان کے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال تک کی خبر بھی نہیں تھی۔ (دیکھئے بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۵) نیز اس روایت میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول آیت آیت کر کے بھی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ لفظ لفظ کر کے نازل ہوا تھا۔ جیسے مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ۔ لیکن روایتی تصور کے مطابق، قرآن کریم خود تو نازل ہوا ہے لفظ لفظ کر کے اور لوگوں کو چیلنج کرتا ہے، کہیں ایک سورت کے لانے کا اور کہیں پوری دس سورتوں کا ۲۳/۲ + ۱۳/۱۱

اعتکاف آیتِ بالا ۲/۱۸۷ کے الفاظ "وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ" سے یہ نظریہ قائم کرنا کہ یہاں رمضان کے مہینے میں مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا حکم یا جواز ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر میاں بیوی دونوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہاں رمضان کی راتوں میں اختلاط باہمی سے پرہیز کریں، اور آیتِ مجیدہ کے مذکورہ الفاظ کا تقاضا پورا ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن الفاظ میں احترامِ مسجد کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کبھی زندگی میں ایسا موقع آجائے کہ کسی سفر میں، یا کبھی ہنگامی حالات کی بدولت تمہیں میاں بیوی کو مسجد میں رات گزارنی پڑ جائے تو مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا۔ قرآن میں لفظ آیا ہے عاکف[1]، جسے روایات نے تحریفِ لفظی کرکے بلاوجہ اعتکاف بنا لیا ہے۔

روزے کا ایک اہم فلسفہ رمضان شریف کے روزوں میں حلال کھانے حلال پینے اور حلال بیوی سے پرہیز کی مشق کا حکم دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یاد رکھو، جب ہم نے مہینہ بھر کے مخصوص وقفہ کیلئے بھوک پیاس کی شدّت کے باوجود حلال چیزوں سے رُک رہنے کی مشق کا حکم دے رکھا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ ناجائز مال جو تم پر سدا ابد کیلئے حرام کیا جا چکا ہے۔ وہ تمہارے لئے ایک سیکنڈ کیلئے بھی کبھی حلال نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اور مت کھاؤ مال اپنے درمیان اپنے ساتھ باطل کے
وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا
اور مت پہنچ لیجاؤ اُن کو طرف حاکموں کے تو کہ کھاؤ ایک ٹکڑا
مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ
مال لوگوں کے سے ساتھ گناہ کے اور تم
تَعْلَمُونَ ۝ ۱۸۸ ع ۲۳/۷
جانتے ہو۔

اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں (رشوت، ملاوٹ، دھوکا، فریب) کیساتھ نہ کھاؤ اور نہ حُکّام کو (رشوت کا) مال دیا کرو، تاکہ تم اُن کی مدد سے گناہ کیساتھ لوگوں کا مال کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اگر اِس طرح تمہارا مال کھایا جائے تو تم برداشت کروگے؟)

ہلال تاریخیں بتاتے ہیں روزے چونکہ رمضان کے فرض کئے گئے ہیں، جو ایک قمری مہینہ ہے اسلئے اگلی آیتِ مجیدہ میں اِس وضاحت کیلئے کہ رویتِ ہلال سے رمضان شروع اور رویتِ ہلال ہی پر ختم ہو جائیگا، نیز چونکہ لوگ چاندوں میں سے بعض کو سعد اور بعض کو نحس خیال کرتے ہیں، اسلئے اسکے ضمن میں لوگوں کا سوال مع جواب درج قرآن کر دیا گیا ہے:-

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ
پوچھتے ہیں تجھ کو چاندوں سے کہہ وُہ وقت ہیں

اے رسولؐ! لوگ آپ سے ہلالوں کے (سعد نحس ہونے کے) متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا، کہ ہلال (جب ایک

[1] [illegible]

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ
واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں بھلائی بیچ اسکے کہ
بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ
آؤ تم گھروں میں پیٹھ اُن کی سے و لیکن بھلائی واسطے
الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا
اس شخص کے ہے کہ پرہیزگاری کرے اور آؤ گھروں میں
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ۱۸۹
دروازوں اُنکے سے اور ڈرو اللہ سے تو کہ تم فلاح پاؤ۔

سے ہیں۔ وُہ سب کے سب) لوگوں کو تاریخیں بتانے کیلئے ہیں۔ اور حج کی تاریخوں کی وضاحت کیلئے ہیں) اور ایمان والو! یہ کوئی بھلائی نہیں کہ (اگر تمہیں حج پر روانہ ہو چکنے کے بعد کسی ضروری کام کیلئے واپس آنا پڑے تو) تم پچھواڑوں سے گھروں میں آؤ۔ بلکہ بھلائی یہ ہے کہ تم قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہو۔ پس گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا کرو (اور پھر سُن لو) اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سلہ ہلال کہتے ہیں نئے چاند کو۔ پس ایامِ حج، جن کی گنتی $\frac{۲}{۱۹۶}$ میں عشرۂ کاملہ یعنی دس دن بتائی گئی ہے، یہ عشرۂ مبارکہ ذی الحج کے ہلال ہیں، جو رؤیت سے شروع ہو کر دس ذی الحج پر ختم ہو جاتے ہیں۔

توہمات سے پرہیز کا حکم

سفر پر روانہ ہونے کیلئے الگ الگ مُلکوں کے الگ الگ توہمات ہیں۔ ہمارے ہاں یہ وہم چل رہا ہے کہ سفر پر روانہ ہوں تو اگر کوئی پیچھے سے بُلالے، یا آگے سے بلی نکل جائے تو، ان چیزوں کو نحس شمار کرتے اور سفر ملتوی کر دیتے ہیں۔ آیتِ بالا میں جو حکم دروازوں کے راستے گھروں میں داخل ہونے کا حج کے ذکر میں دیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں یہ وہم موجود تھا کہ جب حج پر روانہ ہو جائیں۔ تو اگر کوئی چیز گھر بھول گئی ہو۔ تو اُسے لینے، یا کسی اور ضروری کام کیلئے گھر واپس جانا پڑ جاتے تو دروازے کی بجائے پچھواڑے سے جایا کرتے تھے۔ خداوندِ عالم نے اس عجیب و غریب توہم سے منع کر دیا ہے۔ پس اس ایک ہی حکم میں ہر مُلک کے جُدا جُدا توہمات کی نفی موجود ہے۔ نیز اس سے اگلی آیتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب جب جہاد کیلئے نکلتے تھے تو پھر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِن توہمات سے پرہیز رکھو، ایسا نہ ہو کہ دُشمن تمہارے سر پر چڑھا آرہا ہو اور تم سعد و نحس شگونوں کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ بلکہ جو لوگ تمہارے ساتھ جنگ چھیڑ دیں اور اُسوقت تمہارے لئے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو تو تم بھی اُن سے لڑو $\frac{۲۲}{۳۹}$ ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے
وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ ۱۹۰
اور مت زیادتی کرو تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا زیادتی کرنیوالوں کو۔

جو لوگ (تم پر ظلم کرنے کیلئے طاغوت کی راہ میں) تم سے لڑیں، تم اُن سے (بچاؤ کرنے کیلئے) اللہ کی راہ میں لڑو۔ اور تم ظلم زیادتی نہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

دشمن قوم سے پوری طرح ہوشیار رہو

نیز فرمایا کہ جو قوم تم سے لڑائی چھیڑ دے۔ تم اُس سے پوری طرح ہوشیار رہو۔ اور اُنہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہو، تم اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْ
اور مار ڈالو تم اُن کو جہاں پاؤ اُن کو اور نکال دو اُنکو
هُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ
جہاں سے نکال دیا تم کو اور کفر سخت تر ہے قتل سے اور
مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
مت لڑو اُن سے نزدیک مسجد حرام کے یہاں تک کہ لڑیں
الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
تم سے بیچ اس کے پس اگر لڑیں تم سے پس مار دو اُن کو
فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۱
اسی طرح ہے سزا کافروں کی۔

اور جنگ چھیڑنے والوں کو جہاں پاؤ اُن سے لڑو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہے اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو۔ کسی کو بے گھر کرنا قتل سے بڑا جرم ہے۔ لیکن مسجدِ حرام کے پاس، اُسوقت تک اُن سے لڑائی نہ کرنا، جبتک کہ وہ تمہارے ساتھ اسکے پاس لڑنا نہ شروع کریں۔ پھر اگر وہ مسجدِ حرام (عالمی امن مرکز کا احترام ضائع کرکے) تم سے وہاں لڑنا شروع کردیں، تو تم بھی وہیں دفاع کرو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۲
پس اگر باز رہیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر اگر وہ (مسجدِ حرام کے قریب لڑائی سے) باز آجائیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچانیوالا مہربان ہے۔ (پھر تم بھی اُن سے ہاتھ اٹھانا)۔

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ جنگ چھیڑنے والی قوم کیساتھ مسجدِ حرام کی حرمت کیلئے، اُن سے اِس کے پاس جنگ نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ ختم ہوچکی ہے۔ جنگ چھیڑنے والوں کے اِرادے کیا کچھ نہیں ہوتے۔ اِسلئے جنگ کو اُسوقت تک جاری رکھو کہ دشمن کی طاقت ختم ہو جائے، اور وہ فتنہ انگیزیوں کے قابل نہ رہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
اور لڑو اُن سے یہانتک کہ نہ رہے کفر اور ہووے
الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا
دین واسطے اللہ کے پس اگر باز رہیں پس نہیں زیادتی کرنا مگر
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹۳
اُوپر ظالموں کے

اور جارح قوم کیساتھ اُسوقت تک لڑتے رہو کہ (اُسکی طاقت ختم ہو جائے۔ اور) آئندہ کیلئے جنگ کا خطرہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے (یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر و اکراہ نہ کر سکے $\frac{2}{256}$) پھر اگر وہ دین میں اکراہ سے باز آجائیں تو پھر تمہیں جبر و اکراہ کرنے والوں کے سوا کسی سے جنگ کی اجازت نہیں۔

جنگ میں وقفہ پیدا کرنے سے صلح کے امکانات آسان ہو جاتے ہیں

پچھلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مسجد

حرام ہے جسے امن عالم کا مرکز ٹھیرایا گیا ہے۔ اسکی حرمت کے پیشِ نظر اسکے قریب جنگ نہیں کی جانی چاہیئے۔ کسی جاری جنگ کو بند کرنے کی یہ مخصوص حکمتِ عملی ہے۔ کیونکہ جنگ اگر کسی وجہ سے رُک جائے تو فریقین کو خالی الذہن ہوکر غور وفکر کا موقعہ ملتا اور صلح ممکن ہو جاتی ہے۔ یہ تو ہوئی مسجدِ حرام، یعنی عالمی امن کے مرکزی مقام کی حُرمت، خداوندِ عالم نے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار ماہ کیلئے جنگ کو لازماً بند کرنے کا حکم دیکر، سالانہ عالمی امن اجتماع کی حُرمت کی بھی وضاحت کر رکھی ہے کہ، جنگ خواہ زمین کے کسی بھی حصّے میں ہو رہی ہو حُرمت کے مہینے آنے پر فوراً بند کر دی جائے $\frac{9}{36}$۔ یہ وقفہ بھی صُلح کے امکان کا معاون ہے کہ جنگ کی گرما گرمی سے نکل کر صلح کیلئے غور کیا جا سکے لیکن اگلی آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں بھی جنگ بند نہ کرے، یا تم پر حُرمت ہی کے مہینوں میں حملہ کر دے تو تم کو بھی انہی مہینوں میں دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
مہینہ حُرمت والا بدلے مہینے حُرمت والے کے ہے اور
قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ
حُرمتوں کا بدلا ہے پس جو کوئی زیادتی کرے اوپر تمہارے پس
بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
زیادتی کرو تم اوپر اسکے برابر اس کے کہ زیادتی کی اوپر تمہارے
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۹۴
اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے۔

حُرمت کے مذکورہ بالا مہینے (رمضان) کا بدلہ یہی حرمت والا مہینہ ہے۔ اور (باقی) تین حُرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہی مہینے ہیں۔ پھر جو کوئی تم پر (حُرمت کے ان چار مہینوں میں $\frac{9}{36}$) جنگ کی زیادتی کرے، تو تم بھی اسی طرح جنگ کی زیادتی کرو، جس طرح تم پر کی جائے۔ اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو، اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کی مخالفت سے بچنے والوں کیساتھ ہے۔

(نوٹ) حُرمت کے مہینوں کی بحث آیت نمبر ۱۹۷ میں آگے آ رہی ہے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لیجیئگا کہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ میں الف لام عہدی ذکری ہے اور ماقبل مذکور ہے شَهْرُ رَمَضَانَ $\frac{2}{185}$۔ اِسلئے ثابت ہوا کہ رمضان شریف بھی حُرمت والا مہینہ ہے۔ اور یہ چار حُرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔

جنگی ضروریات کیلئے مال خرچ کرتے رہو

سورۃ انفال آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ دشمن کے مقابلے کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیار کرو تاکہ تمہارا دشمن، تمہاری طاقت کے تصوّر ہی سے لرزہ براندام رہے۔ اِس حکم کی مکلّف پوری اُمّت ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
اور خرچ کرو بیچ راہ اللہ کے اور مت ڈالو ہاتھوں
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ ۖ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ
اپنے کو طرف ہلاکت کے اور نیکی کرو تحقیق اللہ دوست رکھتا

اور اللہ کی راہ میں (جنگی ضروریات کیلئے زیادہ سے زیادہ) مال خرچ کرتے چلے جاؤ اور جنگی تیاری میں کمی کر کے اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دینا۔ اور اس کمی کو پورا کرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کمیاں پوری کرنیوالوں کو

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ۱۹۵ پسند کرتا ہے۔
ہے نیکی کرنیوالوں کو۔

عـــہ اَحْسِنُوْا کا معنیٰ لکھا گیا ہے کمی پُوری کرو۔ مادہ ح۔س۔ن = حسن کا بنیادی معنیٰ ہے توازن قائم رکھنا اور توازن اُسی وقت بگڑتا ہے۔ جب کسی ایک طرف کا پلڑا جُھک جائے اور دُوسری طرف کمی واقع ہوجائے۔ قرآنِ کریم نے انفاقِ مال کے دو گوشے بیان کئے ہیں:۔

۱۔ **معاشرہ کو متوازن رکھنے کیلئے۔** وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ $\frac{۲}{۲۱۹}$ = لوگ آپ سے پوچھینگے کہ وہ کس حد تک مال خرچ کرتے چلے جائیں۔ آپ کہدیجیئیگا، ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو۔ تاکہ یہ مال معاشرہ کے اُس پلڑے میں ڈالکر معاشرہ کو متوازن کر دیا جائے جس میں کمی واقع ہوچکی ہے۔

۲۔ **دُشمن کے مقابلے کیلئے۔** وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ $\frac{۸}{۶۰}$ = اور دُشمنوں کے مقابلے کیلئے زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو ـــــ اِس طرح قرآنِ مجید نہ فوجی تیاریوں میں کمی رکھنے کی اجازت دیتا ہے نہ عوام کے حقوقِ ربوبیّت میں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی آیت بالا میں فوجی طاقت میں کمی کرنے کو ہلاکت اور تباہی کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے اگلی آیت میں سیاقِ کلام کے مطابق، حج اور عمرہ کا تعارف عالمی جنگوں کے خاتمہ کیلئے، عالمی امن مرکز کی سالانہ کانفرنس کے طور پر کرایا گیا ہے۔

(نوٹ) اگلی آیتوں میں حج کا مضمون ہے۔ اِسلئے آگے بڑھنے سے پہلے ذیل کے حقائق بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

جنگوں کے خاتمہ کیلئے حج کی عالمی امن کانفرنس

حضرتِ انسان نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی باہم دست و گریبان ہے۔ اور قومی اور مُلکی سطح پر بھی ایک قوم دُوسری قوم سے اور ایک مُلک دُوسرے مُلک سے برسرِ پیکار ہے۔ انفرادی جھگڑوں کیلئے ہر مُلک میں داخلی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ اور مُلکوں مُلکوں کے تنازعے فی زمانہ نام نہاد سلامتی کونسل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہے کہ امنِ عالم مفقود، اور ہر طرف توپیں آگ اُگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسجدِ حرام کو امنِ عالم کا مرکز بتایا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۳}{۹۷}$۔ اِسے پُوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے $\frac{۵}{۹۷}$، اور پُوری نوعِ انسانی کے بار بار آنے جانے اور فائدہ اُٹھانے کا مقام ٹھہرایا ہے $\frac{۲}{۱۲۵}$، $\frac{۲۲}{۲۸}$۔ چنانچہ اِسے پُوری نوعِ انسانی کے امن کا اوّلین واحد مرکز بتایا ہے $\frac{۳}{۹۶}$۔ اور پُوری نوعِ انسانی کو مذکورہ بالا فائدے اُٹھانے کیلئے، اِسکی سالانہ حج کانفرنس میں حاضری کی دعوت دیکر $\frac{۲۲}{۲۷}$، قوموں قوموں اور مُلکوں مُلکوں کے جھگڑے تنازعے توپوں اور ٹینکوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ مرکز کے فیصلے کے مطابق، بلا جنگ و جدال طے کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ حج سالانہ امن کانفرنس ہے۔ اور عمرہ وہ اجتماع ہے، جو کسی ممبر قوم کی درخواست پر دورانِ سال، کسی بھی وقت ہنگامی طور پر بلایا جائے۔ اور حج کیساتھ تمتع بالعمرہ یہ ہے کہ کوئی فرد یا قوم مقررہ پروگرام کے علاوہ کوئی ہنگامی مسئلہ پیش کرکے زیرِ غور لانا چاہے۔

یہی ہے بیت الحرام کی عالمی مرکزی حیثیت، جسے قرآن کریم نے اجاگر کر رکھا ہے۔

حج کی سالانہ عالمی کانفرنس کیلئے، جسمیں اقوام عالم کی امامت، امتِ مسلمہ کو مسجدِ حرام کی تولیت کے ذریعہ عطا کیگئی ہے؛ رمضان سے ذی الحج تک کے چار مہینوں کیلئے پورے کرۂ ارض کی جنگوں کو بند کرنے کا حکم ۹، اسلئے دیا گیا ہے کہ ہر چار طرف کے راستے، ہر چہار طرف سے آنیوالوں کیلئے پُرامن اور صاف ہو جائیں۔ نیز حج کے سالانہ امن اجتماع میں شامل ہونیوالوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بلا ہدی (بلا تحفہ) یعنی خالی ہاتھ کوئی نہ آئے۔ ہدی کی پھر دو قسمیں ہیں۔ نقد، جنس اور خوراک کے جانور۔ دوسری قسم کیلئے قرآن کریم میں مخصوص لفظ قلائد لایا گیا ہے یعنی پٹے والے جانور۔ ہدی کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ مہمانوں کے خرچ کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اور ہدی کا مرکز میں پہنچانا اسقدر لازم قرار دیا ہے کہ اگر عازمین حج میں سے کوئی فرد یا گروہ فیصلۂ حج کے بعد کسی وجہ سے رک جائے یا روک لیا جائے تو ہدی نہیں رک سکتی اسے مرکز ہی میں پہنچانا ہوگا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ اسی عنوان سے شروع ہوتی ہے:-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

اور پورا کرو حج کو اور عمرہ کو واسطے اللہ کے پس اگر گھرے

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

جاؤ تم پس جو کچھ میسر ہو قربانی سے اور مت منڈواؤ سر اپنوں کو

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

یہاں تک کہ پہنچے قربانی جگہ حلال ہونے اپنے کی پس جو کوئی ہو

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

تم میں سے بیمار یا اسکو ایذا ہو سر اسکے سے پس بدلا ہے روزے

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ

سے یا خیرات سے یا ذبح سے پس جب امن میں ہو تم پس جو

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

کوئی فائدہ اٹھاوے عمرہ سے ساتھ حج کے پس جو کچھ میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

قربانی سے پس۔ جو کوئی نہ پاوے پس روزے تین دن کے

اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ

بیچ حج کے اور سات روزے جب پھر جاؤ تم یہ

اور حج اور عمرہ کو ذاتی اغراض سے الگ رہکر امنِ عالم کے قیام کیلئے، خالص اللہ ہی کیلئے پورا کیا کرو۔ پھر اگر تم کسی وجہ سے روک لئے جاؤ، تو ھدی جو تم میسّر کر چکے ہو (مرکز میں پہنچادو)، اور اُسوقت تک سر نہ منڈانا (حجامت نہ بنوانا) جبتک کہ ہدی اپنے مقام پر (یعنی بیت الحرام نہ پہنچ جائے) پھر جو کوئی تم سے بیمار ہو، یا اُسکے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ حجامت بنوانے کیلئے مجبور ہو جائے) تو اسکا فدیہ ایک روزہ ہے، یا صدقہ اور یا مرکز میں کوئی بدنی خدمت پیش کرے۔ پھر جب تم امن میں ہو، تو تم میں سے جو فرد یا گروہ حج کیساتھ، عمرہ کا فائدہ بھی اُٹھائے (یعنی کوئی ہنگامی مسئلہ بحث و تمحیث کیلئے پیش کرے) تو کچھ ہدیہ دے۔ پھر جو کوئی ہدیہ نہ پائے ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے، اور واپس آکر سات روزے گھر میں رکھے۔ یہ حج کے پورے دس دن ہیں۔ یہ احکام اُن لوگوں کیلئے ہیں، جن کے اہل و عیال مسجدِ حرام، مکّہ معظمہ کے رہنے والے نہیں (یعنی باہر سے آنے والوں کیلئے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے حج و عمرہ سے متعلقہ احکام

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
دس ہوئے پورے یہ واسطے اس شخص کے ہیں کہ نہ ہوں
اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ
اہل اسکے رہنے والے مسجد حرام کے اور ڈرو اللہ سے
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور جانو تحقیق اللہ تعالےٰ سخت عذاب
الْعِقَابِ ۝ ۱۹۶
والا ہے۔

کی مخالفت سے بچتے رہو۔ اور جان لو کہ (اگر تم نے اقوام عالم کی امامت کے مقدس فریضہ کو انجام نہ دیا تو تم سے یہ منصب چھین کر سخت عذاب میں مبتلا کر دیگا۔ کیونکہ) اللہ تعالےٰ سخت عذاب کرنیوالا ہے۔

ع۲۴

علہ بال کٹوانا اور حجامت منوانا فراغت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اب چونکہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی اوّلین فرض ھدی کا مرکز میں پہنچانا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ کے ہاں اس اوّلین فریضہ کی انجام دہی کے بعد ہے، وہ اوّلین فراغت، جو عازمین حج کو سفر کے خاتمہ پر میسر آتی ہے! اسلئے ارشاد ہوا ہے کہ مکہ پہنچنے پر ھدی یعنی تحائف کو اپنے مقام پر پہنچانے سے پہلے حجامت وغیرہ کے فراغت کے کاموں میں نہ لگ جانا۔

حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں

سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حج سے متعلقہ مزید ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کیگئی ہے کہ حج کے مہینے تمہیں معلوم ہیں:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ
حج کے مہینے ہیں معلوم پس جو کوئی مقرر کرے
فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ
بیچ اُنکے حج پس نہ رغبت کرنا (طرف عورتوں کے)
فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ
اور گناہ کرنا اور نہ جھگڑنا بیچ حج کے اور جو کرو گے تم بھلائی
اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى
سے جانتا ہے اُسکو اللہ اور خرچ راہ لیا کرو پس تحقیق بہتر
وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ۱۹۷
فائدہ خرچ کا بچنا ہے سوال گناہ سے اور ڈرو مجھ سے اے صاحبو عقل کے۔

حج کے مہینے (سبھی) معلوم ہیں۔ پس جو کوئی ان مہینوں میں اپنے آپ پر حج فرض کرلے تو (جان لو کہ) حج میں نہ جنسی میلان کی اجازت ہے۔ نہ احکام حج کی حدود شکنی اور لڑائی جھگڑے کی۔ اور حج میں تم نوع انسانی کی بھلائی کیلئے جو کچھ بھی کروگے اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور حج کیلئے زادِ سفر لے کر آنا۔ بلا شبہ قوانین خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہنا بہتر زادِ راہ ہے اور اے عقلمندو! (عالمی امن اجتماع کے سربراہو!) بین الاقوامی مسائل پر غور کرتے وقت میرے احکام کی مخالفت سے بچتے رہنا۔

ملہ آیتِ بالا میں تصدیق کیگئی ہے کہ حج کے مہینے جو خدا تعالیٰ کیطرف سے سابقہ اُمتوں پر مقرر کئے گئے تھے، اُن میں کوئی ردّوبدل نہیں ہوا، وہ بالکل وہی ہیں ۔ نیز اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَات کے الفاظ میں بتایا ہے کہ یہ کم از کم تین ہیں۔ اب چونکہ ۹/۳۶ میں حُرمت کے مہینوں کی تعداد بتائی گئی ہے چار، جو ۹ کے مطابق مُسلسل ہی گنوئیں ہیں۔ اور اِن میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اِن چار مہینوں میں سے آیتِ بالا کے الفاظ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ کے مطابق تین مہینے حُرمت والے تو ہوئے حج کے۔ اور چوتھا حُرمت والا مہینہ آپ آیت نمبر ۱۹۴ میں اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ کے الفاظ پر الف لام عہدی ذکری، اور ماقبل مذکور شَهْرُ رَمَضَانَ کی صورت میں دیکھ چکے ہیں رمضان کا مہینہ۔ پس تین مہینے حج کے اور چوتھا مہینہ رمضان کا، پورے چار، از رمضان تا ذی الحج ثابت ہوئے، جو مسلسل آتے ہیں گنوئیں نہیں۔ کتبِ روایات نے مُحرّم اور رجب کو حُرمت کے مہینوں میں داخل کرکے اِنہیں فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ۹/۵ کا مخالف بنا دیا ہے۔ آیت کہتی ہے کہ یہ چاروں مسلسل گزر جاتے ہیں لیکن اِدھر روائت کے بتائے ہوئے مُحرّم اور رجب کے درمیان، صفر تا جمادی الثانی مزید پانچ مہینے حائل ہیں۔ حالانکہ اِس پر قرآنِ کریم نے نہایت سخت تنبیہ کی ہے ۔ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ ۹/۳۷ = سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ حُرمت کے مہینوں کو آگے پیچھے کرلینا کُفر کی زیادتی ہے۔

حج کوئی یاترا نہیں ہے کہ اِس میں تجارت حرام ہو

پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ جبتک مرکز میں ہدی نہ پہنچائی جائے اُسوقت تک حجامت کی بھی اجازت نہیں ۲/۱۹۶ ۔ اور اِس کے بعد عشرۂ حج میں مُلکوں کے نمائندوں اور عام حاجیوں کیلئے لازم ہے کہ حج کی تمام مجلسوں عرفات اور مشعرالحرام میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے باقاعدہ حاضر رہیں، اب اِسکے بعد باری آتی ہے واپسی کی۔ تو واپسی کیلئے ارشاد ہوا ہے کہ تجارت یا کوئی اور کاروبار کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ حج کوئی یاترا نہیں کہ درشن اور زیارت، یا صرف خرچ کرنے کے سوا کسی فائدے کی اجازت نہ ہو۔

لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا

نہیں اوپر تمہارے گناہ یہ کہ ڈھونڈو فضل پروردگار

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ

اپنے کے سے پس جب پھیرو تم عرفات سے پس یاد کرو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ

اللہ کو نزدیک مشعرالحرام کے اور یاد کرو اُسکو کہ جیسا

كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ

ہدائت کیا تم کو اور تحقیق تھے تم پہلے اِس سے البتہ گمراہوں سے۔

۱۹۸

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (صرف عشرۂ حج میں پابندی ہے) پھر جب تم اجتماعِ عرفات سے (باہمی تعارف کے بعد) لوٹو تو مشعرالحرام کے مقام پر بھی (جہاں زیرِغور معاملات پر عقل و شعور کیساتھ غور کے بعد فیصلے دیئے جاتے ہیں) اللہ کے قانون کو اچھی طرح یاد رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کو اِس طرح یاد رکھو، جس طرح اُس نے تمہیں (آیاتِ بالا میں) ہدائت دی ہے اور بلاشبہ تم نزولِ قرآن سے پہلے بھٹکے ہوؤں میں سے تھے۔ (حقیقتِ حج سے بالکل بے خبر تھے)

پچھلی آیت مجیدہ میں حج کے سربراہوں کے نام مشعر الحرام سے متعلقہ مخصوص ہدایات جاری کرنے کے بعد کہ مسائل زیر غور پر کسی طرف کو جھکاؤ کے بغیر قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے فیصلے دیا کریں، اگلی آیت مجیدہ میں اُنہی کو واضح کیا گیا ہے کہ تم بھی عوام ہی کے افراد ہو۔

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ
پھر پھرو جہاں سے پھرتے ہیں لوگ اور بخشش
وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۱۹۹
مانگو اللہ تعالیٰ سے تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر تم بھی وہاں اُسی عوامی حیثیت کیساتھ لوٹا کرو، جس حیثیت[1] سے تمام لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (کے قانون) سے سب کیلئے حفاظت طلب کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مساوات کیساتھ سب کی) حفاظت کرنیوالا مہربان ہے۔

[1] ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ، کا معنی عام تراجم میں یہ لیا گیا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں تم بھی اُسی جگہ سے لوٹو۔ حالانکہ یہ مفہوم مشاہدۃً قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ حج میں لوگوں کی حالت تو یہ ہے، کہ وہ لاکھوں جانوروں کو بیکار ذبح، اور میت کی نذر کرکے لوٹتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے مذبوحہ جانوروں کو کھانے اور محتاجوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے۔ فَکُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ۲۲/۲۸ ــــ نیز لوگ تو مٹی کے شیطانوں کو پتھر مار کر لوٹتے ہیں، جس کا قرآن کریم میں مطلقاً حکم نہیں۔ نیز نفسِ امّارہ کی اطاعت کرتے رہنا، اُسکے حکموں کی اتباع کرنا اور مٹی کے شیطان بنا کر اُنہیں پتھر مارنا، کس قدر مضحکہ خیز عمل ہے۔ اور اِس عمل کو رسولِ اکرم کی طرف منسوب کرنا کتنی جرأت۔

چنانچہ مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ کا معنی اُوپر لکھا گیا ہے، جس حیثیت سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اے سربراہانِ حج تم بھی اُسی حیثیت سے لوٹو۔ اپنے آپ کو عوام سے افضل و برتر شمار کرکے قرآنی مساوات کو بدنام نہ کرنا۔ لفظ حَیۡثُ عربی زبان میں تین طریقوں پر استعمال ہوتا ہے۔ زمان کیلئے یعنی جب کے معنوں میں بھی۔ اور مکان کیلئے یعنی جہاں کے مفہوم میں بھی۔ فَکُلُوۡا مِنۡهَا حَیۡثُ شِئۡتُمۡ ۲/۵۸ ۔ اِس میں سے کھاؤ جب چاہو، اور جہاں سے چاہو ــــ اور حَیۡثُ کا تیسرا استعمال اظہارِ حیثیت کیلئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ اَنَا جِئۡتُ اِلَیۡكَ مِنۡ حَیۡثِ الرَّفِیۡقِ = میں تیرے پاس تیرے دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔

حج کے فیصلوں پر پورا پورا عمل کرو

اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تم اپنے اپنے مناسک ادا کرکے واپس لوٹو، تو اللہ تعالیٰ کو اپنے باپوں کی طرح یاد رکھو۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰهَ
پس جب کر چکو تم عبادتیں اپنی پس یاد کرو اللہ کو جیسا
کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ
یاد کرتے تھے تم باپوں اپنوں کو یا زیادہ تر یاد کرنا پس

اور جب تم حج سے متعلقہ اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر چکو (تو یہ نہ سمجھ لو کہ کام ختم ہوا۔ اب اجتماع میں کیے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد رکھو، جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد رکھتے ہو (جس طرح ہر شخص

مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهٗ
پس بعضے لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے رب
فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ ۲۰۰
ہمارے دے ہم کو بیچ دنیا کے اور نہیں واسطے اسکے بیچ آخرت کے کچھ حصہ۔

ایک اکلوتے باپ کا بیٹا بنتا ہے۔ اُسی طرح ایک اکلوتے اللہ کے بندے بنو۔ اور انفرادی مفاد کیلئے، اجتماع حج کے فیصلوں کی مخالفت کرکے اللہ تعالیٰ کو بھلا نہ دینا پھر لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو (کھلے بندوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں دیدے۔ ایسے گروہ کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
اور بعضے اُن میں سے وہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے
حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ۲۰۱
رب ہمارے دے ہم کو بیچ دنیا کے نیکی اور بیچ آخرت کے نیکی اور بچا ہم کو عذاب آگ سے۔

اور اُن میں ایک گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں دنیا میں بھی حلال رزق دے۔ اور آخرت میں بھی اچھا اجر عطا فرمائیو۔ اور ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی آگ کے عذاب سے بچالے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ
یہ لوگ واسطے اُن کے حصہ ہے اُس چیز سے جو کمایا
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ ۲۰۲ (النصف)
انہوں نے اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب کا۔

مذکورہ دونوں گروہ ایسے ہیں، کہ دونوں کو الگ الگ اُنکے اعمال کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے، اور دیا جائیگا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے

اِس جملے سے بعض لوگ قیامت کے انکار کی دلیل پکڑتے ہیں۔ یعنی، جونہی کوئی فرد مرتا ہے تو اُسی وقت اللہ تعالیٰ حساب لے لیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اوپر دنیا اور آخرت کی جزا سزا کا ذکر آیا ہے۔ دنیا کی بعض سزائیں ایسی ہیں کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے، فوراً انگلی جل جاتی ہے سنکھیا کھانے اور ریل کے نیچے سر دینے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ دنیا میں تو سریع الحساب کی تفسیر ایسے عالمی مشاہدات ہیں۔ اور آخرت کی حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص مرتا ہے، تو اُسکے لئے موت اور قیامت (یوم الحساب) کا درمیانی فاصلہ ایک سیکنڈ ہی کے برابر ہوگا۔ موت کا ذائقہ ابھی منہ ہی میں ہوگا کہ قیامت کی بعثت اور حساب کتاب شروع ہو جائیگا۔ پس اِس آیۂ مجیدہ میں قیامت کے اِنکار کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے۔

حج سے متعلقہ ایک رعائت

اگر کسی شخص یا گروہ کو واپسی کی جلدی ہو، اور وہ حج کا عشرہ پورا نہ کر سکتا ہو تو دو دِن کی رعائت دی گئی ہے۔ وہ آٹھ دِن کے بعد واپس جا سکتا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
اور یاد کرو اللہ کو بیچ دِنوں گنے ہوئے کے
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ
پس جو کوئی جلدی کرے بیچ دو دن کے پس نہیں گناہ
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ
اوپر اسکے اور جو کوئی پیچھے رہے پس نہیں گناہ اوپر اسکے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۲۰۳
یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ پرہیز گاری کرے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ تم طرف اسی کے اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اور (ایمان والو! پھر سن لو کہ امامتِ اقوامِ عالم کے مقدس فریضہ کیلئے) حج کے گنے ہوئے دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد رکھا کرو (تاکہ کسی جانب جھک نہ جاؤ۔) پھر جو شخص یا گروہ دو دن کی جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی، دو دن زائد رہنا چاہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ دونوں صورتوں میں اصل غرض قانونِ خداوندی کی حفاظت ہو۔ اور جان لو کہ تم جوابدہی کیلئے اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے آٹھ دن کے اجتماعات میں ضروری کام ختم کر دیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی چلا بھی جائے تو نہ اسکا کوئی ہرج ہوتا ہے، نہ باقی اقوام و افراد کا۔ اور اسی طرح عشرہ کا مل کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا گروہ دو دن زائد رہنا چاہے، یا کسی وجہ سے رہنے کیلئے مجبور ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن شرط یہ لگائی گئی ہے، کہ دونوں صورتوں میں اصل غرض، تعمیر و اصلاح ہو، تخریب و فساد نہ ہو۔

مروجہ قربانی یعنی جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا اسراف محض ہے

حج سے متعلقہ مسائل میں سے ہدی کا مسئلہ انتہائی اہم ہے۔ اسے عرفِ عام میں قربانی کہا جاتا ہے۔ اور اسکی عملی صورت یہ ہے کہ حج کے موقع پر لاکھوں جانور ذبح کر کے گڑھوں، کھائیوں اور خندقوں کی نذر کر دیئے جاتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتوں کے متعلق حکمِ عام نافذ کر رکھا ہے:۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ $\frac{۷}{۳۱}$ = کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیۂ مبارکہ کی رو سے جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا یقیناً یقیناً اسراف بھی ہے۔ اور خداتعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بھی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا خداتعالیٰ نے اس حکمِ عام سے استثنےٰ کے طور پر حج کے ایام میں اس عجیب و غریب اسراف کو جائز قرار دیا ہے؟ اس ضمن میں قرآنِ حکیم کا وہ حکم ملاحظہ فرمائیں جو ہدی کے جانوروں کے متعلق دیا گیا ہے۔ اور جس کا تعلق صرف ایامِ حج کی غذائی صورت کیساتھ ہے:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۝ $\frac{۲۲}{۲۷-۲۸}$ = اے رسول! لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئیگا۔ تاکہ لوگ اپنے فائدوں کیلئے آپ کے پاس پیادہ پا، اور ہر تھکی ہاری سواری پر دور دراز سے آئیں۔ اور جگالی کرنیوالے جانور جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں ان پر اللہ کے نام

کا ذکر کریں۔ (ذبح کریں) پھر اے ایمان والو! اُن ذبح کئے ہوئے جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ، اور بھوک کے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے اونٹوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۲۲/۳۶ = اور اُونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں ٹھہرایا ہے، اُن میں تمہارے لئے بہت بھلائی ہے (وہ تمہیں اور تمہارے مال و اسباب کو لق و دق صحراؤں میں ہفتہ ہفتہ اور عشرہ عشرہ بے آب و گیاہ سفر کرکے منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے ہیں) پس اُن کی ٹشکیں باندھ کر اُن پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر ذبح کرنے کے بعد جب اُنکی کروٹیں ٹھنڈی ہو جائیں تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ، اور محتاج سوالی کو بھی کھلاؤ۔۔ پس ثابت ہُوا کہ حج کے ضمن میں بھی لَاتُسْرِفُوْا کے حکم میں کوئی استثنائی صُورت موجود نہیں۔

● المختصر! ایامِ حج میں بھی مہمانوں کی ضرورت سے زائد جانوروں کو ذبح کرکے بیکار پھینکنے کا نہ کوئی حکم ہے نہ اجازت، خدا تعالیٰ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جو بُت پرستوں کے عقیدہ کے مطابق بتوں کے سامنے خون بہانے سے خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ سے زیادہ بہایا جائے، اُتنا زیادہ سے زیادہ خُوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں ایامِ حج میں ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق صاف کہدیا ہے :- لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۲۲/۳۷ = اللہ کے پاس اِن کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون۔ بلکہ اُسکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقویٰ سے مُراد خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُسکے احکام کی مخالفت سے بچنا تو ہو سکتا، اُسکی حکم عدولی اور نافرمانی ہرگز نہیں ہو سکتی! اب اِس ضمن میں آپ اللہ تعالیٰ کا حکم اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ، حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ اور فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ یعنی خود کھانے اور بھوک کے محتاجوں کو کھلانے کا حکم تو بتکرار موجود ہے لیکن ہزاروں لاکھوں تو رہے ایک طرف، کسی ایک جانور کو بھی ذبح کرکے ریت کی نذر کرنے کا حکم قرآن بھر میں موجود نہیں پس آیاتِ بالا کی رُو سے تقویٰ یہی ہے کہ حج کا موقعہ ہو یا کسی اور تقریب کا، اُتنے جانور ذبح کئے جائیں جتنی ضرورت ہو۔

حج میں ذبیحہ کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں

قرآن کریم نے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں مہمانوں کی طرف سے پیش کئے گئے مال کو ہدی اور قلائد کے الفاظ سے متعارف کیا ہے۔ ہدی کا معنی ہدیہ اور تحفہ ہے۔ جو اگر نقد و جنس کی صُورت میں ہو تو قرآن کی زبان میں ہدی کہلاتا ہے۔ اور جانوروں کی صُورت میں ہو تو قلائد۔ اب ظاہر ہے کہ تحفہ ہونے کی صُورت میں جانوروں کے تحائف بھی مرکز میں پیش کر دیئے جائینگے۔ اور مرکز، خدا تعالیٰ کے حکم لَاتُسْرِفُوْا کے ماتحت مہمانوں کی وقتی ضرورت کے مطابق ذبح کرائیگا۔ اور یہ سلسلہ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کے مطابق حج کے پورے ایامِ معلومٰت میں حسبِ ضرورت جاری رہیگا۔ تاکہ فَكُلُوْا مِنْهَا ۲۲/۲۸ اور ۲۲/۳۶ کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ یعنی اُنہیں کھایا جائے ضائع نہ ہوں۔ لہٰذا ذبح (قربانی) کیلئے حج کے دِنوں میں سے کسی ایک، یا دو دِنوں کی تخصیص، اور ضرورت سے

زائد جانوروں کا ذبح کرنا، جو کھائے نہ جائیں خداتعالیٰ کے حکم عام کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۷/۳۱ کے بھی خلاف ہے۔ اور ایامِ حج میں ذبح کئے گئے جانوروں سے متعلق مخصوص حکم فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۲۲/۲۸ اور ۲۲/۳۶ کے بھی خلاف ہے۔ فلھذا نہ یہ سنتِ رسُول ہو سکتا ہے نہ آثارِ صحابہ۔

گھر گھر قربانی کا بھی قرآن حکیم میں کوئی حکم موجود نہیں

افسوس ہے کہ قربانی کا نظریہ، ایامِ حج اور مقامِ حج میں عملاً پیش کردہ عدیم النظیر اسراف کی مقامی حدّوں کو پھاند کر گھر گھر کے ذبیحہ کی صُورت اختیار کر چکا ہے۔ حالانکہ حج کے موقعہ پر بھی ہدیہ کے جانوروں کے ذبیحہ کے متعلق قرآنی وضاحت آپ اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ یہ جانور وقتی ضرورت کے مطابق ذبح کرنے کیلئے ہیں، صرف زیادہ سے زیادہ خون بہا کر خندقوں اور کھائیوں میں پھینکنے کیلئے نہیں ہیں ۔۔ اب اس سے آگے سوال آتا ہے، قربانی کی اس مرّوجہ رسم کا، جو حج کے مہینے میں گھر گھر بپا آرہی ہے۔ اس ضمن میں آیاتِ ذیل کو بالترتیب بغور ملاحظہ فرمائیں ۔ قرآنِ کریم نے مہمانوں کی ضرورت کے مطابق ہدی کے ذبح ہونے کا مقام صرف اور صرف بیتِ عتیق، کعبہ مکرّمہ بتایا ہے ۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے:۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۲/۱۹۶ = اور حج اور عمرہ کو خالصتہً اللہ تعالیٰ کیلئے پُورا کیا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے روک لئے جاؤ) تو پھر جو ہدیہ تم نے میسّر کیا ہے کعبہ بھیج دو۔ اور اُس وقت تک سر کے بال نہ کٹوانا جتبک ہدی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے ــــ اب اگر آئین خداوندی میں گھر گھر کی قربانی جائز ہوتی تو حکم دیدیا جاتا کہ ہدی کے جانور کو گھر پہ ذبح کر دینا۔ گھر گھر کی قربانی کے عدم جواز کا مسئلہ تو اس ایک آیت ہی سے صاف ہو چکا لیکن مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔

زمانۂ رسالت میں مدینہ منوّرہ میں بھی گھر گھر قربانی نہیں ہُوا کرتی تھی

ہجرت سے قبل آنحضور کی مکی زندگی نیز ہجرت کے بعد اور فتح مکّہ کی درمیانی مدنی زندگی کے متعلق سُورہ فتح میں خبر دیگئی ہے کہ کفّارِ مکّہ نے جو اُس دَور میں کعبہ معظّمہ پہ قابض تھے، ہدی کے جانوروں کو اپنے مقام بیت الحرام تک پہنچنے سے روک دیا ہُوا تھا۔ چنانچہ اُنکے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۴۸/۲۵ = یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ضابطۂ خداوندی سے انکار کیا اور تمہیں بھی مسجدِ حرام سے روک دیا۔ اور ھدی (قربانی) کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ پہ پہنچے ــــ اب اس سے آگے صرف سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ جس مقام کو ۲/۱۹۶ اور ۴۸/۲۵ میں ھدی کا محلّ، حلال ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ اُسکا نام کیا ہے۔ اِسکے لئے دیکھئے سورہ حج کی آیتِ ذیل، ھدی ہی کے جانوروں کے متعلق وضاحت کیگئی ہے کہ جبتک یہ تمہارے پاس موجود ہوں، یا تم نے انہیں گھر پہ پال رکھا ہو تو ان کی پُوجا نہ شروع کر دینا کہ کعبہ کی طرف منسوب کرنے کی بدولت اِن سے کام لینا ہی چھوڑ دو:۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۲۲/۳۳ = ان کے ذبح ہونے کے وقت تک تمہارے لئے ان سے فائدے اٹھانے کا حق مسلّم ہے۔ اور پھر۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۲۲/۳۳ = پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ بیت عتیق، پرانا گھر بیت الحرام ہے ۔۔۔ دیکھئے آیات بالا سے ذیل کے حقائق نکھر کر عیاں ہو چکے ہیں :-

۱۔ اگر کوئی عازم حج، کسی وجہ سے رُک جائے تو جو ہدی (قربانی) اُس نے میسّر کر رکھی ہے۔ خواہ وہ گھر پالی گئی ہو یا خریدی گئی ہو۔ تو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ اُسے گھر پر ذبح کر دیا جائے۔ ہدی (قربانی) ہر حال میں اپنے محِل، اپنے مقام (اپنے حلال ہونے کی جگہ) پر پہنچے گی۔ اور رُکے ہوئے عازم حج کو حاجیوں کیساتھ ہم آہنگی قائم رکھنے کیلئے اُسوقت تک سر کے بال نہیں کٹوانے ہونگے جبتک کہ ہدی کا مال اور جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائیں۔ ۲/۱۹۶

۲۔ اب چونکہ ہدی کا مقام صرف اور صرف بیت الحرام ہے، اسلئے جبتک کعبہ معظمہ پر کفار کا قبضہ تھا، اُسوقت تک آنحضورؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں بھی قربانی مطلقاً رکی ہوئی تھی۔ ۴۸/۲۵

۳۔ ہدی کے محل، مقام، حلال ہونے کی جگہ کا نام بیت عتیق، یعنی وہی پرانا قدیمی گھر ہے، جو إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ۳/۹۶ کی قرآنی خبر کے مطابق قدیم ہی سے لوگوں کیلئے عالمی امن کا مرکز قرار دیا جا چکا ہے۔

۴۔ مکہ معظمہ میں بھی ہدی کے جانور حسب ضرورت ذبح کئے جائیں، بلا ضرورت ذبح کر کے ریت کی نذر نہیں کئے جائینگے۔

پس گھر گھر قربانی خلافِ قرآن، خلافِ سُنّت اور اسراف محض ہے۔

(نوٹ) مروّجہ قربانی کو حضرتِ اسماعیل سلام علیہ کے ذبح کی یادگار بتایا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی بحث، آیات متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔

رجوع الی المطلب

آیات کریمات ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں حج کے مسائل بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں آنحضور سلام علیہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ میدان عمل میں آپ کو دو قسم کے لوگ ملینگے۔ ایک تو ہونگے چرب زبان، جھگڑالو اور فسادی۔ اور دُوسرے ہونگے خدا تعالیٰ کی رضا پر اپنے نفس کو قربان کرنیوالے، پس دونوں قسم کے افراد پر الگ الگ نگاہ رکھنیگا :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ
اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ خوش لگتی ہے
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي
تجھ کو بات اُسکی بیچ زندگانی دُنیا کے اور گواہ کرتا ہے اللہ کو
قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ○ ۲۰۴
اوپر اس چیز کے کہ بیچ دل اُسکے ہے اور وہ بہت جھگڑالو ہے۔

اور اے رسُول! لوگوں میں سے بعض وہ ہے جس کی دنیوی زندگی کی باتیں آپ کو تعجب میں ڈال دینگی۔ اور وہ اپنے قلب میں پوشیدہ فساد کو اصلاح بتلانے (۲/۱۲) پر اللہ کو گواہ ٹھہرائیگا۔ حالانکہ وہ ہوگا انتہائی جھگڑالو۔

آگے بتایا گیا ہے کہ اگر آپ اُسکی چرب زبانی، اور اصلاح عام کے جھوٹے دعووں میں آکر اُسے زمین کے کسی حصّہ کا انتظام سونپ دیں تو وہ فساد برپا کر دیگا۔

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا
اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے
وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
تو کر فساد کرے بیچ اُسکے اور ہلاک کرے کھیتی کو اور جانوروں کو
الْفَسَادَ ۝ ۲۰۵
اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنا۔

اور جب اُسے زمین کی تولیّت دیجائے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے۔ اور فصلوں کو برباد، اور نسلوں کو ہلاک کردے۔ (ایسے لوگوں سے محتاط رہیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۲/۲۲۳ میں عورت کو حرث کہا ہے۔ اور نسل مرد سے چلتی ہے۔ انہیں قابل اولاد بنا دینا بھی یُھلک الحرث والنسل میں داخل ہے)

اسکے بعد فرمایا کہ ایسے شخص کو اگر سمجھایا جائے تو اسے اپنی بے عزّتی خیال کرتا ہے۔ کہ کیا میں فسادی ہوں؟

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُسکے ڈر اللہ سے پکڑتی
الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ
ہے اسکو عزت ساتھ گناہ کے پس کفایت ہے اسکو دوزخ
الْمِهَادُ ۝ ۲۰۶
اور البتہ بُرا ہے بچھونا۔

اور جب اُسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر (فساد نہ پھیلا) تو اُسے گناہ کے ساتھ ساتھ، جھوٹی عزت پکڑ لیتی ہے (یعنی وُہ اس نصیحت کو بے عزتی خیال کرتا ہے، ایسے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ ان سے محتاط رہیئے) پس اُن کے لیئے جہنّم کافی ہے (اُنکے اعمال کی کھیتی جھلس چکی ہے) اور اُنکا ٹھکانہ بہت بُرا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ بیچتا ہے جان
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ
اپنی کو واسطے چاہنے رضامندی اللہ کے اور اللہ شفقت
بِالْعِبَادِ ۝ ۲۰۷
کرنیوالا ہے ساتھ بندوں کے۔

اور لوگوں میں سے بعض وُہ ہے، جو اپنی نفسانی خواہشات کے بدلے اللہ تعالیٰ کی رضا خریدتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اپنے (ایسے) بندوں پر بخشش کرنیوالا ہے۔

اطاعت خداوندی میں پوری طرح داخل ہوجاؤ

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم عام کے طور پر اطاعت خداوندی میں پوری طرح داخل ہونے اور نفس امّارہ کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي
اے لوگو جو ایمان لائے ہو داخل ہو بیچ اسلام کے سارے
السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
اور مت پیروی کرو قدموں شیطان کی تحقیق وہ واسطے
الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۲۰۸
تمہارے دشمن ہے ظاہر۔

ایمان والو! (احکام خداوندی کی پوری پوری طاعت یکسانقد) پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ
پس اگر ڈگ جاؤ تم پیچھے اسکے کہ آویں تمہارے پاس
الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۰۹
دلیلیں پس جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

پھر اگر تم اسکے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے ہیں، پھسل گئے۔ تو (ہمارے قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے)، جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (اسکے جملہ قوانین غلبہ اور حکمت کی بنیادوں پر قائم ہیں)

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ
نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ آوے انکے پاس اللہ
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ
بیچ سایوں کے بادلوں سے اور فرشتے اور تمام کیا جاوے کام
الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ۲۱۰
اور طرف اللہ کے پھیرے جاتے ہیں سب کام۔

۷۵ ع

یہ لوگ ایمان لانے میں اس چیز کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود بھی بادلوں کے سائے میں انکے پاس آجائے۔ اور بہت سے ملائکہ بھی آجائیں اور معاملہ ختم ہو جائے۔ حالانکہ مجملا امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ (یعنی اس نے اپنے کاموں کی تکمیل کیلئے، جو قوانین خود مقرر کر رکھے ہیں، ہر کام انہی کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشوں کیلئے اپنے قوانین بدلتا نہیں)

آیت بالا میں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امور کو انہی قوانین کے مطابق انجام دیتا ہے، جو اس نے خود مقرر کر رکھے ہیں۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ جو انہوں نے توہم پرستیوں کے ماتحت قائم کر رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے رتھ میں بیٹھ کر، فرشتوں کے جلو میں آیا کرتا ہے۔ اور اس طرح آخری فیصلہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
سوال کر بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے انکو نشانیاں
مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
ظاہر اور جو کوئی بدل ڈالے نعمت

اے مخاطب! بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ ان کے پاس کتنی واضح دلیلیں آئی تھیں۔ یعنی اس قوم سے پوچھ جس نے اللہ کی نعمت، اسکے قانون کو اس کے آنے کے بعد بدل دیا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ گرفت کی رو سے

اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ
اللہ کی کو پیچھے اسکے کہ آئی اُسکے پاس پس تحقیق اللہ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ۲۱۱
تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

بہت ہی سخت ہے۔

آیتِ بالا میں بنی اسرائیل کے حالات کو درسِ عبرت قرار دیا گیا ہے کہ جبتک اُنھوں نے قوانینِ خداوندی کی اتباع کی اُس وقت تک اُنہیں عالمین پر فضیلت دیگئی ۲/۴۷۔ اور جب قوانینِ خداوندی کی مخالفت پر اُتر آئے تو ذلّت و مسکنت گلے کا ہار ہو گئی۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ لوگ نعماءِ خداوندی میں تصرّف اِسلئے کرتے ہیں کہ وُہ اُخروی زندگی کو بھُولکر صرف دُنیوی زندگی کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں ۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
زینت دی گئی واسطے اُن لوگوں کے کہ کافر ہوئے زندگانی
وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
دُنیا کی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ
اور جو لوگ کہ پرہیزگار ہیں اُوپر اُنکے ہیں دِن قیامت کے اور اللہ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ ۲۱۲
رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بے شمار۔

ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کیلئے (اُنکے پیشواؤں کی طرف سے) دُنیوی زندگی ہی کو مزّین کر دیا گیا ہے۔ اِسلئے وُہ اُن لوگوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں، جو اُخروی زندگی پر ایمان لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ قیامت کے دن (کی عدالتِ خداوندی میں) اُنہی کو فوقیت حاصل ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ اُس قوم کو بیحساب رزق عطا کرتا ہے، جو اُسکے قوانینِ مشیّت کے مطابق عمل کرتی ہے۔

رزق سے متعلقہ قوانینِ مشیّت

مشاہدہ گواہ ہے کہ رزق کی فراوانی اُن اقوام کے ہاں ہے جنہوں نے رزق سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی کا کھوج لگا لیا ہے، جو اُس رازقِ مطلق نے اِس کائنات میں خود مقرر کر رکھے ہیں۔ یعنی زمین کو زیادہ سے زیادہ نرم کرنا۔ اعلیٰ قسم کے بیج بونا۔ اچھّے سے اچھّا کھاد ڈالنا۔ اور آبپاشی کے لئے بارش کا انتظار کرنے کی بجائے، خدا تعالیٰ کے زمینی خزانۂ آب سے ٹیوب ویل کے ذریعہ میٹھے پانی کو قابو میں لاکر کھیتوں کو بروقت سیراب کر لینا۔ یہ ہیں رزقِ بے حساب سے متعلقہ خدا تعالیٰ کے قوانینِ مشیّت جنہیں اُس نے کائنات کے گوشے گوشے میں موجود کرکے نوعِ انسانی کیلئے مسخر کر دیا ہوا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳

رزقِ بے حساب میں پوری نوعِ انسانی برابر کی حقدار ہے

آیتِ بالا میں رزقِ بے حساب کو، قوانینِ مشیّت پہ زیادہ سے زیادہ عمل کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اُسے انفرادی زندگی کو مزّین کرنے پر صرف کرنے کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب قرار دیا ہے۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلی آیت مجیدہ میں کیگئی ہے۔

کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی سطح کی ایک ہی جماعت ہے۔ رزق بے حساب کی تقسیم میں ناہمواری کا تصوّر خداوندی تصوّر نہیں ہے۔ ایسی ہموار تقسیم یعنی ربوبیّتِ عامہ کی تعلیم کیلئے ابتدا ہی سے انبیاء سلام علیہم کی بعثت کا سلسلہ جاری کر دیا گیا تھا، کہ نوعِ انسانی کے بالادست افراد جب بھی تعلیمِ ربوبیّت میں اختلاف پیدا کرتے تو الحمدُللہ ربّ العٰلمین کے اوّلین درس کیساتھ نئے نبی بھیج دیئے جاتے تھے:۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ
تھے لوگ اُمت ایک پس بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ
خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اُتاری ساتھ
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
اُنکے کتاب ساتھ حق کے تو کہ حکم کریں درمیان لوگوں کے
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ
بیچ اُس چیز کے کہ اختلاف کرتے ہیں بیچ اُسکے اور نہیں اختلاف
اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
کیا بیچ اُسکے مگر اُن لوگوں نے جو دیئے گئے تھے پیچھے اُس کے
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ
جو آئیں اُن کے پاس دلیلیں سرکشی سے درمیان اپنے پس راہ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ
دکھائی اللہ نے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں واسطے اُس چیز
بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
کے کہ اختلاف کیا انہوں نے بیچ اُسکے حق سے ساتھ حکم اپنے کے
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۲۱۳
اور اللہ تو ہدایت کرتا ہے جسکو چاہے طرف راہ سیدھی کے۔

نوعِ انسانی (عزت و عظمت ۲۲؎، اور ضروریاتِ زندگی ۲۳؎ کے لحاظ سے) ایک ہی جماعت ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو مبعوث فرمایا جو فرمانبرداروں کو خوشخبری دینے والے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانیوالے تھے۔ اور اُن سب کیساتھ اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔ تاکہ وہ لوگوں میں اُن مسائل کا فیصلہ کر دے، جن میں انہوں نے اختلاف کرلیا ـــــ اور واضح دلائل آچکنے کے بعد، اُن لوگوں نے جنہیں ابتدائی انبیاء ۲۴؎ کے ذریعہ کتاب دیگئی تھی۔ باہمی بغاوت (یعنی غصبِ حقوقِ ربوبیّت) کیساتھ اُس کتاب میں اختلاف پیدا کرلیا تھا پھر اللہ ۲۵؎ نے اپنے قانون کے مطابق (اپنے نئے نبیوں کے ذریعہ) اُن مسائل میں ایمان لانے والوں کی رہنمائی فرمائی، جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کرلیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف اُنہی لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، جو ہدایت کے خود طلبگار ہوتے ہیں۔

ہر نبی وحدتِ انسانی کا داعی تھا

آیتِ بالا میں وضاحت کیگئی ہے کہ ابتدائی انبیاء سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت ۲۶؎ دیگئی تھی۔ اور ہر نبی نوعِ انسانی میں انسانی سطح اور تقسیمِ رزق کی رُو سے وحدت پیدا کرکے چلا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں پھر اونچ نیچ اور ناہموار تقسیم

کی تمیز پیدا کرلی جاتی اور اس طرح نئے مبعوث ہونیوالے نبیؑ اور اُسکے صحابہ کو اس تمیز کو ختم کرنے اور انسانی وحدت کو پھر سے قائم کرنے میں انتہائی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ خدا تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی سطحی وحدت، اور ضروریاتِ زندگی کی ہموار تقسیم کو جنّت قرار دیا ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹۔ چنانچہ اس ارضی جنّت کے حصول کیلئے آنحضور سلامٌ علیہ اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بہت سے شدائد و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مخالفینِ ربوبیّت کیساتھ بدر، اُحد اور احزاب کی دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
کیا گمان کیا تم نے یہ کہ تم داخل ہو بہشت میں اور
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
ابھی نہیں آئی تم کو حالت اُن لوگوں کی کہ گزرے پہلے تم سے
مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ
لگی اُن کو فقیری اور بیماری اور ہلائے گئے یہاں تک
يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
کہ کہا پیغمبر نے اور اُن لوگوں نے کہ ایمان لائے ساتھ اُسکے
مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ ۲۱۴
کب ہوگی مدد اللہ کی خبردار ہو تحقیق مدد اللہ کی نزدیک ہے

کیا تم نے گمان کرلیا ہے کہ تم (دُنیوی یا اُخروی) جنّت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر اُن لوگوں جیسے حالات نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہیں جنگیں اور تکلیفیں پہنچیں۔ اور وہ اسقدر جھٹکائے گئے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے تھے پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔ اللہ کے رسولؐ نے کہا، خبردار! اللہ کی مدد عنقریب آیا چاہتی ہے۔

لے متیٰ نصر اللہ، مومنوں اور رسولؐ کا مشترکہ قول نہیں۔ اس عدم اشتراک کی مثال وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۲/۱۳۵ میں دیکھئے جس کا معنی یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔

راہِ خداوندی میں خرچ کردہ مال والدین اقربا، یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل کیلئے ہے

جس جنّتی معاشرہ کیلئے آنحضور سلامٌ علیہ نے صحابہؓ سمیت مذکورہ بالا مصائب و شدائد برداشت کئے ۲۳/۱۱، اُسکے متعلق آنحضورؐ کو عوام کے متعدد سوالات مع جوابات، پہلے ہی مطلع کیا جا چکا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا
سوال کرتے ہیں تجھکو کیا خرچ کریں۔ کہہ جو کچھ
أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَ
خرچ کرو تم مال ہے پس واسطے ماں باپ کے اور قرابت
قْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ
والوں کے اور یتیموں کے اور فقیروں کے اور مسافروں کے

اے رسولؐ! لوگ آپ سے سوال کرینگے کہ وہ کن کن کیلئے مال خرچ کریں۔ آپ کہدیجئیگا کہ تم جو مال خرچ کروگے، وہ (بالترتیب) والدین، قریبیوں، معاشرہ کے بے سہارا لوگوں، معاشرہ میں کسی بھی وجہ سے ساکن ہو جانیوالوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اور تم جو بھی بھلائی کا کام کروگے پس اللہ تعالیٰ

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ ۲۱۵
اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سے پس تحقیق اللہ تعالیٰ ساتھ اُسکے جاننے والا ہے۔

اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔

ع مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا جُملہ استفہام، آیت بالا کے علاوہ ۲/۲۱۹ میں بھی آیا ہے۔ اِس دو مرتبہ کے تکرار، اور اس کے الگ الگ جوابات نے ماذا کے معنے اُجاگر کر رکھے ہیں۔ کہ یہاں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنٰی ہے "وہ کن کن کیلئے مال خرچ کریں"۔ اور ۲/۲۱۹ میں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنٰی ہے "وہ کتنا مال خرچ کریں"۔ ویسے مَا بمعنی کیا اور ذَا بمعنی والا، اور مَاذَا کا لفظی معنٰی ہے کیا والا۔ اور اِس کیا والا میں کِن کِن اور کتنا کے ہر دو استفہام کی وسعت موجود ہے۔

مالی قربانی آیت بالا میں مالی قربانی کے مصرف کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ ناہموار آہنی معاشروں میں جو افرادِ محرومِ ربوبیت رہکر دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے، اور بھیک مانگتے ہُوئے پائے جاتے ہیں، جنّتی معاشرہ میں ایسے لوگوں کے حقوق اجتماعی نظام میں محفوظ کر دیئے جائینگے۔ اور اِس نظام کے قیام کیلئے خرچ کیا ہُوا مال ضائع نہیں کیا جائیگا۔ بوڑھوں، بے سہاروں، بیکار ہو جانیوالوں اور اِس جنّتی معاشرہ میں یا ہر سے آنیوالوں کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے پر خرچ کیا جائیگا۔ اِس طرح جنّتی معاشرہ کا اوّلین نشان یہ ہوگا، کہ اُس میں کوئی اِنسان کسی انسان کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا ہُوا نہیں پایا جائے گا۔

جانی قربانی اِس سے اگلی آیت کریمہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ اِس جنّت بدوش نظام کے قیام کیلئے صرف مالی قربانی ہی آخری حد نہیں۔ بلکہ اگر مخالف طاقتیں اِسکی راہ میں رُکاوٹ بنکر، جارحیت کی مرتکب ہوں۔ تو اُن کے دفاع کیلئے جانی قربانی بھی دینا ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:- ۲۲/۳۹

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ
لکھا گیا اوپر تمہارے لڑنا اور وہ کروہ ہے واسطے تمہارے
وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
اور شاید یہ کہ کروہ رکھو تم ایک چیز کو اور وہ بہتر ہو واسطے
وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ
تمہارے اور شاید یہ کہ دوست رکھو ایک چیز کو اور وہ بُری
يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۲۱۶ ع
ہو واسطے تمہارے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایمان والو اتم پر (۲۲/۳۹ دفاعی، اور ۴/۷۵ امدادی) جنگ فرض کر دیا گیا ہے ــــ اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو ۵۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرتے ہو (یعنی قتال) لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ کوئی چیز تم پسند کرتے ہو (یعنی جنگ سے مطلق پرہیز) مگر وہ تمہاری اجتماعی زندگی کیلئے بُرا ہو۔ یس (جان لو کہ ہر چیز کے اچھے بُرے گوشوں کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیت بالا میں اِس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اسلام باہمی جنگ وجدال کو وافتنہ ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی تم پر حملہ آور ہو

۲۲/۳۹، اور یا تمہارے افراد پر کہیں ظلم ہو رہا ہو، اور وُہ تمہاری مدد کے طلبگار ہوں ۲۲/۷۵۔ تو ایسے موقعوں پر تمہارے لئے دفاعی اور امدادی جنگ فرض کر دی گئی ہے، جو بحالیٔ امن کیلئے ہے، اجراءِ فساد کیلئے نہیں۔

حُرمت کے مہینوں میں قتال حرام ہے

آیت نمبر ۱۹۴ میں حُرمت کے مہینوں کا ذکر آچکا ہے جو حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شمولیت کیلئے رمضان المبارک (۲/۱۹۴) اور حج کے تین مہینوں (۲/۱۹۷) میں جنگ کرنا بین المملکتی طور پر حکماً بند کر کے ۹/۳۶، امن کانفرنس میں شامل ہونیوالوں کیلئے راستوں کو پُرامن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ذیل میں تکرار تاکیدی کے طور پر عوام کے سوال مع جواب سے آنحضور کو مطلع کیا جا رہا ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
سوال کرتے ہیں تجھ سے مہینے حُرمت والے سے لڑنا بیچ اُسکے
فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ
کہہ لڑنا بیچ اُسکے گناہ ہے بڑا اور بند کرنا راہ خدا کی سے اور کفر
اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ
کرنا ساتھ اُسکے اور بند کرنا مسجد حرام سے اور نکال دینا
اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ
لوگوں اُسکے کا اُس سے بہت بڑا گناہ ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اور کفر
مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى
بہت بڑا گناہ ہے قتل سے اور نہیں ٹلیں گے جو لڑتے جاوینگے تم سے
يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا
یہاں تک کہ پھیر دیویں تم کو دین تمہارے سے اگر کر سکیں اور جو کوئی پھر
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ
جاویگا تم میں سے دین اپنے سے پس مر جاوے اور وُہ کافر ہو
هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى
پس یہ لوگ کھوئے گئے عمل اُن کے بیچ دنیا کے اور آخرت کے
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ
اور یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے اور وہ بیچ اُسکے ہمیشہ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ ۲۱۷
رہینگے

(اے رسُولؐ!) لوگ آپ سے حُرمت کے ہر مہینے کے متعلق سوال کرینگے کہ اُس میں جنگ کرنا کیسا ہے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ حُرمت کے ہر مہینے میں جنگ کرنا گُناہ کبیرہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اور اُسکا انکار کرنا، اور مسجدِ حرام سے روکنا، اور اُسکے اہل کو اُس سے نکال دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (یہ سب کام فتنہ انگیزی پر مبنی ہیں) حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انگیزی لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے اور (یاد رکھو کہ تم پر جارحانہ حملے کرنیوالے، جنگ سے) باز نہیں آئینگے۔ حتیٰ کہ اگر وہ طاقت پالیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ لیکن (یاد رکھو کہ) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر گیا، پھر وُہ مر گیا اور وہ کافر ہی رہا۔ تو ایسے لوگ وُہ ہیں کہ اُن کے اعمال دُنیا[1] اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ دُنیا اور آخرت میں اہلِ نار ہیں۔ وُہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔ (اُنہیں کچھ دنت کیلئے اسلامی قوانین پر عمل کرنا بھی کوئی فائدہ نہیں دیگا)

[1] مرتدین کیلئے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا سے مراد یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اسلامی ریاست میں اُن سے کلیدی آسامیوں کے حقوق چھین جائینگے۔

اہلِ نار قرآن کریم نے ضروریاتِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور رہائش کے مساویانہ انداز سے میسّر آنے کو جنّت کہا ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹۔ اور ۵۹/۲۰ میں جنّت کی ضد بتائی ہے نار۔ فلھذا اس تقابلِ ضدّین کی رُو سے نار کا معنی ہُوا ضروریاتِ زندگی خوراک لباس، علاج اور رہائش کا غیر مساویانہ انداز سے میسّر آنا۔ پس قرآنی اصطلاح کی رُو سے جُملہ ناہموار معاشرے نار ہیں اور ان میں رہنے والے اہلِ نار۔ اسی نار کو سورہ ہمزہ میں حُطمہ کہا ہے :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

● وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ○ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۙ○ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ○ ۱۰۴/۱-۳ = تباہی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب جُو کیلئے جو مال کو جمع کرتا، اور اُسے گِنتا رہتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ خوش رکھیگا۔

● كَلَّا ۖ لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ○ ۱۰۴/۴ = ہرگز نہیں۔ یہ انفرادی طور پر مال جمع کرنیوالا ضرور ضرور حُطمہ میں پھینکا جائیگا۔

● وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ ۱۰۴/۵ = اور کیا ہے وہ ذات، جو اے رسُول! آپ پر واضح کرتی ہے کہ حُطمہ کیا ہے

● نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۙ○ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ○ ۱۰۴/۶-۷ = وہ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہُوئی (اور ناہموار نظاموں کی) دھکائی ہُوئی آگ ہے، جو ذہنوں میں شعلہ زن رہتی ہے۔

● إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۙ○ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○ ۱۰۴/۸-۹ = بیشک وہ آگ اُن پر اُن کے لمبے لمبے ارادوں کی بدولت مسلّط ہو جاتی ہے۔

● دیکھئے! یہ دُنیا کی اُس نار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو ناہموار معاشرہ میں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مالدار کے ذہن کو جلاتی رہتی ہے۔ ہر مالدار اپنے سے اُوپر کے مالدار سے جلتا رہتا ہے۔ اور یہ آگ ذاتی ملکیّت کو بڑھانے کے لمبے لمبے ارادوں اور لمبی لمبی آرزوؤں میں چھپی ہوئی ناہموار معاشرہ کے ہر ہر فرد کو جلا رہی ہے ـــــ یہ تو ہُوئی دُنیا کی نار، جو اُس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہو سکتی، جبتک ہموار معاشرہ قائم ہو کر ناہموار ذاتی املاک کا تصوّر ختم نہ ہو جائے۔ یعنی ہر چیز کے سرچشمے قومی ملکیّت ٹھہریں؛ اور ذاتی املاک ہموار ضروریاتِ زندگی تک محدود ہو جائیں۔ تقسیمِ رزق کی رُو سے نہ کوئی فردِ واحد پورے معاشرہ میں دُوسروں سے افضل پایا جائے۔ اور نہ دُوسروں کیلئے احساسِ کمتری کے جہنّم کا موجب بنے۔

باقی رہی اُخروی نار اور اُخروی جنّت! ـــــ قرآن کریم نے اُخروی جنّت کا نقشہ بھی بالکل اِسی انداز سے کھینچا ہے کہ میوہ جات و مشروبات، اور رہنے کے پُرفضا مسکن، بیٹھنے کے اطلس و زربفت کے فرش، مرصّع تخت اور صوفے، سیر و تفریح کیلئے باغات اور چشمے، جُملہ اہلِ جنّت کو مساویانہ انداز سے میسّر آئینگے۔ اب تقابلِ ضدّین کے اصُول کے مطابق کہ نار، جنّت کی ضد ہے۔ نار کی تعریف کھُل کر عیاں ہو رہی ہے کہ وہاں نہ باغوں کے سائے اور میوہ جات میسّر آئینگے۔ نہ وہاں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ مشروب ہونگے۔ نہ پُرفضا مسکن ہونگے، نہ سیر و تفریح کیلئے باغات اور چشمے۔ المختصر! اہلِ جنّت کو ایسے کمرہ جات میں جگہ دیجائیگی، جن کی آب و ہوا لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۷۶/۱۳ کی مصداق ہوگی، نہ شدّت کی گرمی نہ شدّت کی سردی، نعمائے خداوندی کی بہتات ہوگی۔ اور اہلِ نار کو ایسے کمروں میں رکھا جائیگا، جن کی آب و ہوا جھلس دینے والی شدید گرم، نہ وہ

زمین باغات کی حامل ہوسکیگی، اور نہ وہاں ٹھنڈا پانی میسر آئیگا۔ ہرطرف دھول اڑتی اور لوچلتی ہوگی۔ گرمی اسقدر شدید کہ گویا جلدیں پگھل رہی ہوں اور پانی اتنا گرم کہ پینے والے کی گویا انتڑیاں کٹ کر بہہ جائیں۔ جہنم اور نار کے متعلق جو انتہائی خوفناک الفاظ آئے ہیں، انکی تفسیر اپنے اپنے مقام پر آیاتِ متعلقہ کے ضمن میں آگے آتی چلی جائیگی۔ یہاں مختصر تھا کہ ضمناً پیش خدمت کردیا گیا ہے۔

عَوْدٌ اِلَی الْمَقْصُوْد آئت ماسبق میں بتایا گیا ہے کہ مخالفین کی ساری تگ وتاز کی غرض صرف یہ ہے کہ ایمان والوں کو اُن کے ربوبیتِ عامہ کے ضامن دین سے پھیر دیں لیکن جو لوگ اِس امن بدوش روش سے پھر جائیں اُنکے جملہ اعمال، جو انہوں نے کچھ عرصہ مومن رہکر انجام دیئے تھے، سب ضائع ہو جائینگے۔ اِسکے برعکس، اگلی آئت مجیدہ میں دین اللہ پر دوام کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا
تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور جن لوگوں نے وطن
وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ
چھوڑا اور جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے یہ لوگ امیدوار ہیں مہربانی
رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۲۱۸
خدا کی کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیشک جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے، اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا[۲] ۔ یہ لوگ وہ ہیں جو (دنیا اور آخرت دونوں میں) اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ (انہیں دنیا و آخرت کے عذاب سے) بچانیوالا مہربان ہے۔

صحابہ کرام کو ہجرت و جہاد سے غلبہ و اقتدار میسر آیا آئت بالا میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی خبر دیگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کرنا نبیوں کی سنت اور کامیابی کا زینہ ہے۔ چنانچہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے :۔
وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ $\frac{16}{41}$ = اور جن لوگوں نے ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، ہم انہیں ضرور ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ عطا فرمائینگے۔ اور اُنکا اُخروی اجر بہت بڑا ہو گا۔۔۔ اِنہی کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہوا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ $\frac{22}{39}$ = جن لوگوں پر لڑائی ٹھونسی گئی ہے، انہیں لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اسلئے کہ بیشک اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے (یعنی دشمنوں پر غالب کرنے) کا قانون بنانیوالا ہے۔
آیات مذکورۃ الصدر سے عیاں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت آئی۔ وہ غالب و کامران ہوگئے۔ اور قرآنی معاشرہ قائم ہوگیا۔

خمر و میسر

اس طرح جب اسلامی معاشرہ عالم وجود میں آجائے، تو دو چیزوں خمر و میسر کی ممانعت سر فہرست رکھدی گئی ہے۔ خمر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔ اور میسر، جو مادہ ی۔س۔ر = یسر سے مشتق ہے، ہر اس مال کو کہا جاتا ہے، جو بلا مشقت حاصل ہوتا ہو۔ خمر کے دائرہ میں شراب، بھنگ، گانجہ اور چرس افیون وغیرہ سب شامل ہیں، اور میسر میں سرکاری عمّال کی بڑی بڑی تنخواہیں، مکانوں کے کرائے، ناجائز نفع اندوزی، سمگل اور بلیک، علماء و مشائخ کے حضور میں پیش کی جانیوالی نذر نیازیں، اور مریدوں کی فصلوں اور مویشیوں میں مقررہ حصّے، کارخانہ داروں کا مزدوروں کی، اور زمینداروں کا مزارعوں کی خون پسینے کی کمائی کا سمیٹنا۔ وغیرہ، سب میسر میں داخل ہے، جو بلا مشقت میسر آتا ہے۔ جوئے کا مال بھی چونکہ جیتنے والوں کو بلا مشقت حاصل ہوتا ہے اس لئے یہ بھی میسر میں داخل ہے ـــ میسر کا معنی صرف جوا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ خمر و میسر دونوں چیزیں قوموں کی تباہی کا موجب ہیں۔ خمر کے استعمال سے قوائے عملیہ مضمحل و بیکار ہوجاتے ہیں۔ اور میسر جس کی بدولت مزدوروں اور کاشتکاروں کے خون پسینے کی کمائی شبانہ روز، کارخانہ داروں، زمینداروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاں بلا مشقت پہنچتی رہتی ہے، معاشرہ کے داخلی بغض کا موجب ہے۔ جو کبھی تو مذہب کے پیش کردہ نظریۂ قسمت و تقدیر کے خلاف لادینی کمیونزم کے لاوے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے۔ اور کبھی محروم ربوبیّت افراد کے احتجاجوں کی صورت میں توڑ پھوڑ کرتا ہوا، معاشرہ کے امن کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں خمر و میسر ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ
سوال کرتے ہیں تجھ کو شراب سے اور جوئے سے ۔ کہہ
فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ
بیچ ان دونوں کے گناہ ہے بڑا اور فائدہ ہے واسطے لوگوں
أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ
کے اور گناہ ان دونوں کا بہت بڑا ہے نفع ان دونوں کے سے
قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَٰتِ
اور سوال کرتے ہیں تجھکو کیا خرچ کریں۔ کہہ زیادہ حاجت سے
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ ۲۱۹
اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ واسطے تمہارے نشانیاں تو کہ تم فکر کرو۔

(اے رسولؐ! لوگ آپ سے نشہ آور چیزوں، اور بلا مشقت میسّر ہونیوالے مال کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ یہ دونوں کبیرے گناہ ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔ لیکن ان کا نقصان، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔ نیز لوگ آپ سے سوال کرینگے کہ وہ کتنا مال خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم حقیقتِ حال پر تفکّر کیا کرو۔

ضرورت سے زائد سب کچھ دیدو

آیت بالا میں قُلِ الْعَفْوَ کے خداوندی ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا جائز

حق ضروریاتِ زندگی کے دائرہ ہی میں محدود ہے۔ اور اسکے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ یعنی وضاحت کردی گئی ہے، کہ تم غور کرو، کیا ضروریاتِ زندگی چند بالادست افراد ہی کا حق ہے یا پورے عوام کا؟ اور جب پورے عوام کا حق ہے تو ضرورت سے زائد مال جو محرومِ ربوبیت افراد کا حصہ میسر کے انداز میں تمہارے تصرف میں آگیا ہے۔ اسے اسکے حقداروں کیلئے مرکزی نظام کے حوالے کردو۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اسی تفکر کو دنیا اور آخرت دونوں پر پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے:۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَیَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ
بیچ دنیا کے اور آخرت کے اور سوال کرتے ہیں تجھ کو
الْیَتٰمٰی ۗ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوْ
یتیموں سے، کہ سنوارنا واسطے اُن کے بہتر ہے اور اگر
هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ
ملالو تم اُن کو پس بھائی ہیں تمہارے اور اللہ جانتا ہے بگاڑنے
الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ
والے کو سنوارنے والے سے۔ اور اگر چاہتا اللہ البتہ محنت دیتا
عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ ۲۲۰
تم کو تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا۔

(چاہیئے کہ تم صرف دنیا ہی پر نگاہ نہ رکھو، بلکہ دنیا اور آخرت، دونوں پر تفکر کیا کرو۔ نیز اے رسول! لوگ آپ سے بے سہارا لوگوں کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجئیگا کہ انکی اصلاح (یعنی اُنکی کمیاں پوری کرنا) بہتر ہے اور اگر تم اُنہیں (اپنے اپنے خاندانوں میں) مخلوط کرلو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسد کو مصلح سے (الگ کرکے) ظاہر کردیتا ہے۔ اور اگر اللہ کے قانونِ مشیت میں ایسا ہوتا، تو وہ تمہیں (نا ہموار قانون دیکر) مشکل میں ڈال دیتا۔ (لیکن اُس نے ربوبیت بدوش قانون نازل کرکے تمہاری مشکلوں کا حل پیش کردیا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

یتیموں کی اصلاح

آیتِ بالا میں یتیموں کی اصلاح کا حکم عام دیا گیا ہے۔ یتیم کا مطلق معنیٰ ہے بے سہارہ ہوجانا اس طرح معاشرہ کا ہر بے سہارہ فرد یتیم ہے۔ جن بچوں کے باپ فوت ہوجائیں انہیں اسلئے یتیم کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بے سہارہ ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح جن عورتوں کے شوہر فوت ہوجائیں، انہیں بھی یَتٰمَی النِّسَآءِ ۴/۱۲۷ کہا گیا ہے۔ ان سب کی اصلاح اسلامی معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لفظ اصلاح کا ایک مفہوم، حضرت زکریا کے ذکر میں بتایا گیا ہے کمی پوری کرنا۔ آپکے ہاں اولاد نہیں تھی، جو آپکے علم کی وارث ہوتی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجہ محترمہ میں نسائیت کی رُو سے کسی قسم کی کمی ہوچکی تھی۔ آپنے وارث کیلئے دُعا فرمائی۔ تو اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۲۱/۹۰ ۔ پس ہم نے زکریا کی دُعا قبول فرمائی اور اُسے یحییٰ عطا فرمایا، یعنی ہم نے اُسکی بیوی کی وہ کمی پوری کردی جو اولاد کی راہ میں حائل تھی۔ پس اصلاح یتامیٰ سے مراد، معاشرہ کے ہر بے سہارا فرد کی کمی پوری کرنا ہے۔ اس طرح بیوہ عورتوں کی اصلاح یہ ہے کہ انکے نکاح کرکے انکی اس کمی

کو پورا کیا جائے جو سابقہ شوہر کے فوت ہونے سے واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں نکاح کے متعلق بنیادی اہم ہدایات دیدی گئی ہیں:۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ
اور مت نکاح کرو شرک کرنے والیوں کو یہاں تک
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ
کہ ایمان لاویں اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى
شرک کرنے والی سے اور اگرچہ خوش لگے تم کو اور مت نکاح
يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
کر دو شرک کرنے والوں کو یہاں تک کہ ایمان لاویں اور البتہ
مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ
غلام ایمان والا بہتر ہے شرک کرنیوالے سے اور اگرچہ
اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ
خوش لگے تم کو یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کے اور اللہ بلاتا
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
ہے طرف بہشت کے اور بخشش کے ساتھ حکم اپنے کے اور بیان
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۞ ٢٢١
کرتا ہے نشانیاں اپنی واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

ع ۲۷

اور مشرکہ عورتوں سے اُسوقت تک نکاح نہ کرنا جبتک کہ وہ مومنہ نہ ہو جائیں۔ قرآنی نظام سے باقبل کی لونڈی جو ایمان لاچکی ہے مشرکہ خاندانی عورت سے بہتر ہے، اگرچہ تمہیں اس مشرکہ کا سلیقہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ اور اسی طرح مومنہ خواتین کا نکاح مشرکوں کیساتھ نہ کرنا، جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں سابقہ غلام جو ایمان لے آیا ہے مشرک خاندانی مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ مشرک مرد اور مشرکہ عورتیں (ناہموار قانون کے ذریعہ) جہنم کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے (ہموار) قانون کے ساتھ جنت دعافیت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آئتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے: تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

● آئتِ بالا میں ازدواجی زندگی کو فریقین کی ایمانی ہم آہنگی کیساتھ مشروط کر دیا ہے۔ تاکہ پورا گھر جنت دعافیت کی جیتی جاگتی تصویر بنا رہے۔ بصورتِ دیگر میاں بیوی کا نظریاتی اختلاف پورے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیگا۔ اس طرح نکاح کے بعد سوال آتا ہے جنسی مقاربت کا۔ اس ضمن کی ضروری ہدائت اگلی آئت میں دیگئی ہے:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى
اور سوال کرتے ہیں تجھکو حیض سے کہہ کہ وہ ناپاکی ہے

اے رسول! لوگ آپ سے عورتوں کی ماہواری کی حالت کے متعلق سوال کرینگے۔ آپ کہہ دیجیئگا کہ وہ بیماری

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْ
پس کنارہ کرو عورتوں کو بیچ حیض کے اور مت نزدیک
هُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ
جاؤ اُن کے یہاں تک کہ پاک ہوں پس جب نہا لیں۔
فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ
پس جاؤ اُن کے پاس اس جگہ سے کہ حکم کیا تم کو اللہ نے
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ
تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور
الْمُتَطَهِّرِیْنَ ○ ۲۲۲
دوست رکھتا ہے پاکی کرنیوالوں کو۔

کے دن میں۔ پس تم بیویوں کی ماہواری کی حالت میں اُن سے الگ رہا کرو۔ اور جبتک شفایاب نہ ہوجائیں اُنکے قریب نہ جایا کرو۔ پھر جب وہ شفایاب ہوجائیں، تو اُن کے پاس اُس فطری طریقے سے آؤ، جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (اگر تم اس سے پہلے غلط کاری کے مرتکب رہے ہو تو۔ باز آجاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ
بی بیاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس جاؤ
اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا
کھیت اپنے میں جسطرح چاہو تم اور آگے بھیجو واسطے جانوں
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ
اپنی کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ تم ملنے والے ہو اُس
الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ۲۲۳
سے اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس تم اپنی کھیتوں میں آیا کرو، (زچگی، ماہواری، اور حمل کے سوا) جب تم چاہو۔ اور اپنی جانوں کیلئے (طلب اولاد کی غرض کو) مقدم رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (بیویوں کو محض کھلونے تصور نہ کرنا)، اور جانے رہو کہ تم (اِس عمل سمیت ہر عمل کی جوابدہی کیلئے) اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونیوالے ہو۔ اور اے رسول! (ہمارے احکام پر ایمان لانے (اور اُن پر عمل کرنے) والوں کو (ہماری خوشنودی) کی خوشخبری دے دیجئیگا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ
اور مت کرو اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے
اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ
یہ کہ بھلائی نہ کرو اور پرہیزگاری اور صلح کرو درمیان لوگوں کے

اور ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا بہانہ نہ بنالو کہ تم نیکی، خداخوفی اور لوگوں میں صلح نہ کراؤگے۔ اور (صلح کرانے میں تمہیں فریقین کی جو سخت سُست باتیں سُننی پڑتی ہیں) اللہ تعالیٰ اُنہیں سُننے والا ہے (اور اِس سلسلے

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ ۲۲۴
اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔

میں تمہیں جو کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے) اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (تمہیں اسکا اجر ضرور دیا جائیگا)

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی ضمن کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے :-

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ بے قصد کے بیچ قسموں تمہاری
وَلٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ
کے ولیکن پکڑتا ہے تمکو ساتھ اس چیز کے کہ کماتے ہیں دل تمہارے
وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ○ ۲۲۵
اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں (یعنی جو بھلائی نہ کرنے اور صلح نہ کرانے کیلئے کھائی جائیں۔ اُنکے توڑ دینے) پر نہیں پکڑیگا۔ لیکن اُن قسموں پر پکڑلیگا، جو نیک کاموں کے خلاف قصد و ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ (یعنی کسی شوری کی بدولت نیک کاموں کے خلاف کھائی گئی قسموں کے توڑنے کا تمہیں کوئی کفارہ نہیں پڑیگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

● اس سے اگلی آیت میں اُس قسم کا ذکر ہے جو شوہر اپنی بیویوں سے ناراضگی کیلئے کھا لیتے ہیں کہ اُن سے کبھی راضی نہیں ہونگے :-

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ
واسطے اُن لوگوں کے کہ قسم کھاتے ہیں عورتوں اپنی
أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ
سے انتظار کرنا ہے چار مہینے کا پس اگر پھر آویں پس تحقیق اللہ
رَّحِيمٌ ○ ۲۲۶
بخشنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ بیویوں سے ناراضگی کی قسم کھا لیتے ہیں اُنکے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اگر اس مہلت میں لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

عہ ایلا کا مطلق معنی قسم کھانا ہے۔ خواہ کسی قسم کی ہو۔ (دیکھئے المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی صفحہ ۲۲)

ایلاء کا معنی ناراضگی کی قسم ہے جنسی علیحدگی نہیں

سباقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایلاء محض ناراضگی کی قسم ہے، جنسی علیحدگی نہیں۔ کیونکہ جس جوڑے کی جنسی علیحدگی، اہتمامِ قسم کیساتھ چار ماہ کیلئے واقع ہو چکی ہو۔ اب اگر اُنکے درمیان طلاق ہو جائے۔ تو عدّت کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ تین قروء یا تین ماہ کی عدّت اظہارِ حمل کیلئے ہے۔ لیکن اگر ایلاء سے مُراد جنسی علیحدگی ہو تو چار ماہ کی علیحدگی سے اظہارِ حمل ہو چکتا ہے، اور مزید تین قروء کی عدّت عبث محض ٹھہرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اگرچہ حاملہ کی عدّت تا وضعِ حمل الگ مذکور ہے ۶۵ لیکن حمل کی حالت میں جنسی علیحدگی چونکہ حکماً لازم آتی ہے۔ اسلئے آیتِ بالا میں شوہر سے یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ قسم توڑ کر جنسی رجعت کرلے تو اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ بلکہ اب تو اُسے حاملہ کے نزدیک نہ جانے کی قسم کو مزید پکا کرنا

چاہیئے ۔ لہٰذا ان حقائق و شواہد کی روشنی میں ایلاء کا معنیٰ صرف ناراضگی ہے، جنسی علیحدگی نہیں۔ چنانچہ ناراضگی ہی کی قسم کھانے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور اگر قصد کریں طلاق کا پس تحقیق اللہ سننے والا
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۲۷
جاننے والا ہے۔

اور اگر عورتوں سے ناراضگی کی قسم کھانیوالے طلاق کا ارادہ کر لیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

● آیتِ بالا کے آخری جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ طلاق جائز دی جا رہی ہے یا ناجائز۔ پس طلاق دہندہ کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ کسی نئی نویلی دلہن کے ناجائز شوق میں بگینا بیوی کو طلاق دینا انتہائی ظلم ہے۔ کیونکہ کسی عورت کیلئے اُسکی ہم جھولیوں اور خوش لبستی سہیلیوں میں طلاق کا طعنہ ہی ذلت کیلئے کچھ کم نہیں۔ اگرچہ اُسے طلاق بے قصور ہی کیوں نہ دی گئی ہو۔

طلاق کیا ہے؟

مادہ ط۔ل۔ق = طلق کا بنیادی معنیٰ ہے کسی بندھن سے آزاد ہو جانا۔ گرامر کی رُو سے لفظ طلاق کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو طَلَق مصدر ہے بمعنی آزاد ہو جانا اور دُوسرے یہ لفظ طَلَّقَ سے اسم ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ موخر الذکر انداز میں باب تفعیل متعدی بدو مفعول سے آیا ہے۔ کیونکہ طلاق دی گئی عورتوں کو مطلوقات نہیں بلکہ مطلّقات کہا گیا ہے۔ اِس لحاظ سے قرآنی طلاق کا مفہوم منکوحہ عورت کو قیدِ نکاح سے آزاد کرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے کوئی طلاق دہندہ، محکمہ عائلی قوانین کے دخل کے بغیر از خود طلاق نہیں دے سکتا۔ قرآن کریم نے اِس قضیئے کو مقام ذیل سے شروع کیا ہے :۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۴/۳۵ = اور (اے جماعت مومنین!) اگر تمہیں اِن دونوں (میاں بیوی) میں عداوت کا خوف ہو تو ایک شخص کو شوہر کے کُنبے سے منصف مقرر کر لو اور ایک کو بیوی کے کُنبے سے۔ پھر اگر یہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں میں صلح کی توفیق ارزانی فرمائیگا۔ یعنی شوہر اپنے ارادۂ طلاق سے شعبہ طلاق کے افسر متعلقہ کو مطلع کریگا۔ اور وُہ فریقین کے کنبوں سے حکمین کے تقرر کا حکم دیگا۔ پھر اگر فریقین کے حکمین صلح کی کوشش میں ناکام رہ جائیں تو وُہ اپنی رپورٹ افسر متعلقہ کو بھیجینگے۔ اور طلاق کا فیصلہ افسر متعلقہ کی طرف سے نافذ ہوگا۔ جیسے کہ سورۂ طلاق میں آنحضور سلام علیہ کو سربراہِ نظام کی حیثیت سے حکم ہُوا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۶۵/۱ = اے نبی! جب آپ مومنوں کی بیویوں کو (فریقین کے حکمین کیساتھ ملکر) طلاق دلوائیں۔ یعنی انھیں اُنکے شوہروں سے جُدا کرائیں تو اُن کی عدت کیلئے جُدا

کرائیں۔ اور عدّت کا صحیح شمار کریں ـــــ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ کا خطاب بصیغۂ واحد آیا ہے۔ مگر طَلِّقُوْا کا حکم بصیغۂ جمع وارد ہُوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملۂ طلاق کے حکمین کیساتھ مل کر طلاق کا فیصلہ دینے کا حکم آنحضور کو دیا گیا ہے۔ پس آیت مجیدہ ۶۵/۱ کی رُو سے اکیلے شوہر کو طلاق دینے کے اختیار کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ فیصلہ فریقین کے حالات کے مطابق ہی دیا جائیگا۔ افسر متعلقہ کی طرف سے فریقین میں سے کسی پر حالات کے خلاف دباؤ ڈالا ہی نہیں جاسکتا۔

عدّت کے ایّام میں مطلّقہ کو گھر سے نکالا نہیں جائیگا

اب چونکہ عدّت کے اندر مطلّقہ کسی اور شخص سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اسلئے اس مدّت کا نان نفقہ سابقہ شوہر کے ذمّہ رکھ کر ارشاد ہُوا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۶۵/۱ = اور اللہ (کے قانونِ ربوبیّت کی مخالفت) سے بچتے رہنا۔ مطلّقہ عورتوں کو اُنکے سابقہ گھروں سے نہ نکالنا۔ اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔ سوائے اِس صُورت کے کہ وہ بیحیائی کی مرتکب ہوں (ایسی صورت میں اُن کا نان نفقے کا حق ضائع ہوجائے گا۔ اور اُنہیں گھروں سے نکال دیا جائیگا)

ــــ بُیُوْتِھِنَّ میں اضافت بادنیٰ تعلق ہے۔ اِسلئے اِسکا معنیٰ لکھا گیا ہے اُنکے سابقہ گھر۔

مختلف عورتوں کی عدّت مختلف ہے

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم نہ ہُوا ہو اُنکی عدت تین قروء ہے ۲/۲۲۸

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم ہوچکا ہو۔ یا جنہیں مطلقاً آتا ہی نہ ہو۔ اُنکی عدّت تین ماہ ہے ۶۵/۴۔

● حاملہ عورتوں کی عدّت تا وضعِ حمل ہے۔ خواہ وہ وقفہ تین ماہ سے زائد ہو یا کم ۶۵/۴۔ اور:ـ

● جن عورتوں سے خلوت ہوئی نہ ہو۔ اُنکی عدّت مطلقاً کوئی نہیں ۳۳/۴۹ ـــ عدم خلوت کی حالت میں عدم عدّت کے خداوندی فیصلے سے ثابت ہوتا ہے کہ تین مرتبہ کی ماہواری کے انتظار کی غرض صرف اظہارِ حمل ہے۔

عود الی المقصود

مطلّقہ عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کے شبہ کو دور کرنے کیلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت نمبر ۲۲۸ میں انتہائی کھلے لفظوں میں ارشاد ہُوا ہے:ـ

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ
اور طلاق والیاں انتظار کریں ساتھ جانوں اپنی کے تین
قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا یَحِلُّ لَھُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ
حیض تک اور نہیں حلال واسطے اُنکے یہ کہ چھپادیں جو کچھ پیدا کیا
فِیْٓ اَرْحَامِھِنَّ اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
ہے اللہ نے بیچ رحموں اُنکے کے اگر ہیں ایمان لاتی ساتھ اللہ کے

اور مطلّقہ عورتیں اپنے لئے تین قروء (تین ماہواریوں) کا انتظار کریں۔ اور اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔ تو اُنکے لئے اُس بچے کو چھپانا حلال نہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُنکے رحموں میں پیدا کر دیا ہے۔ اور اُنکے شوہر اُنکی مذکورہ حالتِ حمل میں (غیر حاملہ عورتوں کی نسبت) لوٹا لینے کے زیادہ

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ
اور دن پھیلنے کے اور خاوند انکے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے انکے

اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ
کے بیچ اسکے اگر چاہیں صلح کرنا اور واسطے انکے ہے ماننداس کے

بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ
جو اُوپر انکے ہے ساتھ اچھی طرح کے اور واسطے مردوں کے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۸
اُوپر انکے درجہ ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

حقدار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور اگر طلاق کی محرک عورت ہو تو) عورتوں کو بھی شوہروں کو لوٹا لینے کا اُسی طرح کا حق ہے۔ جس طرح انہیں لوٹا لینے کا مردوں کو حق ہے۔ لیکن مردوں کو اُن پر ایک درجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

● آیت بالا میں طلاق دہندہ کو غیر حاملہ مطلقہ عورتوں کی نسبت حاملہ مطلقہ عورتوں کو لوٹا لینے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ انکے پاس اُنکی نسلی امانت موجود ہے۔ نیز اس آیت میں عورتوں پر مردوں کے جس درجہ کی خبر دیگئی ہے اُسکی وضاحت ۴/۳۴ میں درج ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ = مرد عورتوں کے قوّام یعنی اُنکی ضروریاتِ زندگی کے ضامن ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دُوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (ان میں سے) مردوں کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ اُن پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت میں فریقین کو اپنے اپنے مقام پر افضل بتایا گیا ہے جو کام خدا تعالیٰ نے مرد کے ذمّہ لگائے ہیں اُنہیں عورت سرانجام نہیں کر سکتی۔ اور جو کام عورت کے سپرد کئے ہیں، وہ مرد کے بس کے نہیں۔ دونوں ایک دُوسرے سے افضل ہیں۔ نوعِ انسانی ہونے کی بدولت عورت اور مرد کے مدارج میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی عورت کا اس صنف سے ہونا وجہ کمتری ہے کہ اُسے اولاد پیدا کرنے کی ذمّہ داری سونپی گئی اور اس پر نسوانی عوارضات لازم کر دیئے گئے ہیں۔

دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو لوٹایا جاسکتا ہے تیسری مرتبہ کے بعد نہیں

آیت ماقبل ۲۲۸ میں عدّت کے اندر جو فریقین کو لوٹا لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جو لوگ عدّت کے اندر بلانکاح رجعت کے قائل ہیں اُنکا نظریہ بھی غلط ہے۔ اور جو لوگ عدّت کے اندر نکاح کی اجازت نہیں دیتے اُنکا نظریہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اگر فریقین طلاق کے بعد ایک ہی مہینے میں تجدید نکاح پر رضامند ہو جائیں تو اُنہیں بلا ضرورت تین قروء کی طویل انتظار میں مبتلا کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن رجعت، تجدید نکاح ہی کیساتھ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق نکاح کی ضد ہے۔ جب افسر متعلقہ تک کی طرف سے حکمین کی کوششوں کے بعد بھی طلاق ہی کا فیصلہ ہو گیا تو نکاح کے بغیر لوٹا لینے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوگا۔ اگلی آیت مجیدہ میں روایات کے پیدا کردہ اس بحران کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ کہ اگر عدّت گزر جائے تو پھر حلالہ کے بغیر نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

یہ طلاق دو بار ہے پس بند کر رکھنا ساتھ اچھی طرح کے یا

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

نکال دینا ساتھ اچھی طرح کے اور نہیں حلال واسطے تمہارے یہ کہ

مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا

لے لو اس چیز سے کہ دیا ہے تم نے انکو کچھ مگر یہ کہ ڈریں دونوں یہ کہ نہ

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

قائم رکھیں گے حدوں اللہ کی کو پس اگر ڈرو تم یہ کہ نہ قائم رکھیں گے حدیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ

اللہ کی کو پس نہیں گناہ اوپر ان دونوں کے بیچ اس چیز کے بدلہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ

دے عورت ساتھ اسکے ۔ یہ ہیں حدیں اللہ کی پس مت گزرو ان سے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۲۹

اور جو کوئی گزر جاوے حدوں اللہ کی سے پس یہ لوگ وہی ہیں ظالم۔

اَلطَّلَاقُ دو مرتبہ ہے۔ پس (دو مرتبہ کی طلاق کے بعد) یا تو مطلقہ کو معروف طریقہ (تجدید نکاح) کیساتھ روک لینا ہے۔ اور یا حسن کارادانہ کیساتھ (یعنی انکے حقوق و واجبات ادا کرکے) رخصت کر دینا ہے۔ اور جو مال تم نے بیویوں کو دیا ہوا ہے۔ (اگرچہ وہ کوئی خزانہ بھی ہو ہے اگر جدائی کے محرک تم ہو تو) اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں سوائے اسکے کہ اگر ان میاں بیوی کو یہ خوف لاحق ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ازدواجی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ عورت شوہر کا مال فدیۃً (بطور تاوان) واپس کر دے ۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ پس جو لوگ اللہ کی حدوں کو پھاندتے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔

● اللہ کی حدیں یہ ہیں کہ میاں بیوی بن کر رہیں۔ اب اگر طلاق شوہر دے تو ارشاد ہوا ہے کہ جو کچھ بیوی کو دیا ہوا ہے سب کچھ چھوڑنا پڑیگا۔ اور اگر طلاق کی طلبگار بیوی ہے تو تاوان کے طور پر اُسے شوہر کا دیا ہوا سارا مال واپس کرنا ہوگا۔ نیز افتدت بہ میں ضمیر کا مرجع مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی وہ مال ہے جو شوہر نے بیوی کو خانہ آبادی کیلئے دیا ہوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر خانہ بربادی کی محرک بیوی ہے تو اُسے اسکا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن شوہر کو اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد مانگنے اور طلاق کو سودابازی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں۔ قانونی اور عدالتی طور پر وہ اپنے دیئے ہوئے مال ہی کی واپسی کا حقدار ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم نے میاں بیوی، دونوں کیلئے حدیں مقرر کر دی ہیں۔ اس ضمن کی یہ صورت بھی آیت بالا کے ماتحت آجاتی ہے کہ اگر شوہر نے محبت میں آکر بیوی کے نام ساری جائیداد لگوادی ہے لیکن اب اسکی بیوی اس خیال کے مطابق کہ جائیداد میرے نام ہے، طلاق نہیں مانگتی لیکن خاوند کو ناجائز تنگ کرتی ہے۔ تو شوہر کو حق دیا گیا ہے کہ اقرار منسلکہ طلاق کے ہاں طلاق کی تحریک کیساتھ ساتھ اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ آیت بالا ایسی بیوی سے شوہر کا مال فدیۃً واپس دلاتی ہے۔

(نوٹ) سطور ذیل میں آپ کو حق تجدید نکاح بلافصل، اور حق تجدید نکاح بالفصل کے الفاظ ملینگے۔ مطلقہ کے حق تجدید نکاح

بلا فصل سے یہ مُراد ہے کہ اُسے طلاق کی عدّت گزر جانے کے متصل مابعد بھی سابقہ شوہر سے تجدیدِ نکاح کا حق حاصل ہو۔ اور حقِ تجدیدِ نکاح بالفصل سے یہ مُراد ہے کہ طلاق کے بعد سابقہ شوہر سے اُسوقت تک تجدیدِ نکاح کا حق حاصل نہ ہو، جبتک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور وہ اُسے طلاق نہ دیدے، یا وہ مر جائے۔

تین طلاق کا قرآنی خاکہ

● اِسلامی فقہوں میں تین طلاق کا یہ طریقہ درج ہے کہ اگر کوئی شوہر بیک وقت تین تین طلاق کہہ دے۔ تو بعض کے ہاں یہ تین طلاقیں متصور ہوتی ہیں۔ لیکن بعض اسے ایک ہی طلاق شمار کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں تین طلاق کا یہ انداز ہے کہ ہر ماہ ایک طلاق دی جائے، اور تین طلاقیں تین مہینوں میں ختم کی جائیں۔ لیکن قرآن کریم کی رُو سے یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔

● تین طلاق کی صحیح صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد پہلی مرتبہ کی طلاق پہلی اور ایک ہے اگرچہ لفظ طلاق کی گردان تین مرتبہ نہیں بلکہ سَو مرتبہ بھی کیوں نہ کیگئی ہو۔ طلاق کی عدّت تین ماہواریاں ہے۔ اب اگر یہ جوڑا بلا فصل یا بالفصل پھر تجدیدِ نکاح کرکے دوسری مرتبہ میاں بیوی بن جائے اور پھر دوبارہ طلاق ہو جائے تو یہ دوسری طلاق ہوگی۔ پھر اگر دوسری طلاق کے بعد اُس جوڑے کا پھر بلا فصل یا بالفصل تیسرا نکاح ہو جائے اور اسکے بعد پھر طلاق ہو جائے تو یہ تیسری طلاق ہو گی۔ جس کے بعد اِس جوڑے کو حقِ نکاح بلا فصل حاصل نہیں، جبتک کہ وہ تین مرتبہ کی مطلقہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ، طلاق نہ دیدے یا مر نہ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ
پس اگر طلاق دی اُسکو پس نہیں حلال ہوتی واسطے
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
اُسکے پیچھے اُسکے یہاں تک کہ نکاح کرے اور خصم سے سوائے
جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ
اُسکے پس اگر طلاق دے وہ اُسکو پس نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے
يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
یہ کہ پھر آویں آپس میں اگر جانیں یہ کہ قائم رکھیں حدیں اللہ کی
يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ ۲۳۰
اور یہ ہیں حدیں اللہ کی بیان کرتا ہے اُسکو واسطے اُس قوم کے کہ جانتی ہے۔

پھر (اگر ایسا ہو کہ کوئی جوڑا دو مرتبہ کے طلاق کا حقِ رجعت بلا فصل یا بالفصل استعمال کرکے تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد میاں بیوی بن چکا ہے تو پھر) اگر شوہر تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو وہ عورت اُسکے لئے اُسوقت تک حلال نہیں، جبتک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ (یعنی تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد کسی جوڑے کو حقِ نکاح بلا فصل حاصل نہیں)، پھر اگر اسکا نیا شوہر اُسے (اِسی متعلقہ کے ذریعہ مذکورہ قرآنی طریقہ سے) طلاق دیدے تو اِس سابقہ جوڑے پر کوئی حرج نہیں اگر وہ رجعت کرلیں۔ بشرطیکہ وہ گمان کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھینگے۔ پس یہ ہیں (مسئلہ طلاق کے متعلق) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں جنہیں وہ اس قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں (کہ اللہ اپنی کتاب کی تبیین بھی آپ ہی کرتا ہے)

قرآن کریم میں حلالہ جیسے غیرت کش نکاح کی اجازت ہرگز ہرگز موجود نہیں

● روائتی فقہوں میں ایک ایسے نکاح کی اجازت بھی موجود ہے جس پر کوئی غیرت مند باپ اپنی بیٹی کیلئے، اور کوئی غیور بھائی اپنی بہن کیلئے رضا مند ہو ہی نہیں سکتا، کہ اُسکی بیٹی یا بہن کا نکاح صرف ایک مرتبہ کے خلوت و اختلاط کیلئے باندھا جائے۔ اور منکوحہ کو ایک مرتبہ کے جنسی اختلاط کے عوض دی جا رہی ہو مہر کی رقم، خواہ وہ روائتی مقدار کے مطابق صرف بتیس روپے ہی کیوں نہ ہو۔ ۳۲ روپے۔

واضح رہے

نکاح کی ضد ہے طلاق؛ اور قرآن کریم کی رُو سے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے تین نہیں ہیں۔ تین طلاقیں تین نکاحوں کی متقاضی ہیں۔ اب چونکہ ایک وقت پر صرف ایک ہی نکاح ہو سکتا ہے۔ اِسلئے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے اور ایک طلاق کے بعد تین قروء کی عدّت لازم ہے۔ نیز سابقہ شوہر اور سابقہ بیوی کو $\frac{۲}{۲۲۹}$ کے فیصلہ کے مطابق عدّت کے اندر اور عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے ——————— اِسطرح اگر طلاق کی عدّت کے بعد سابقہ جوڑا دوسری مرتبہ نکاح کر کے پھر سے میاں بیوی بن چکا ہے تو اب ایک طلاق مکمل ہو چکی ہے۔ اور اِس دوسرے نکاح کے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ جائے، اور طلاق کی عدّت بھی گزر جائے تو یہاں پہنچکر دو طلاقیں مکمل ہونگی۔ اور اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ $\frac{۲}{۲۲۹}$ کے مطابق، کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد دو مرتبہ تک امساک کی اجازت ہے یعنی سابقہ شوہر مذکورہ بالا قرآنی طریقے کے مطابق دو مرتبہ کی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کیساتھ اپنی مطلّقہ کو روک سکتا ہے۔ تو اِس طرح اگر اِس قرآنی رعائت سے دو مرتبہ فائدہ اُٹھایا جا چکا ہے۔ کہ پہلی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کر لیا۔ اور اسکے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ گئی۔ اور دوسری طلاق کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کر کے امساک کی آخری رعائت حاصل کر لی گئی ہے۔ تو اب اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ کی حد ختم ہو چکی ہے۔ یعنی اب اگر کسی وقت پر شوہر تیسری مرتبہ بھی طلاق دیدے تو اب اِس جوڑے کو حقِّ نکاح بِلا فصل حاصل نہیں۔ جبتک کہ مطلّقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور اُس سے نکاح کرنیوالا بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔

لیکن روائتی تفاسیر نے پہلے تو اِس تین طلاق کے قرآنی تصوّر کو، جو عملی طور پر کئی برسوں کے بعد حدِّ تکمیل کو پہنچتا ہے، شوہر کی زبان سے طلاق طلاق طلاق کی تین مرتبہ کی گردان، اور عرضی نویس کے لکھے ہوئے **تین طلاق** کے الفاظ میں ختم کر دیا گیا ہے۔ یعنی شوہر نے طلاق طلاق طلاق کی گردان کر دی اور عرضی نویس نے تین طلاق کے الفاظ لکھ دیئے تو تین طلاقیں ختم ہو گئیں لیکن اُدھر اگر حالات یہ ہوں کہ اِس جوڑے کی علیحدگی سے کئی خاندانوں میں عداوت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہو۔ دوسری طرف اِس جوڑے کے تین چار بچے ہوں۔ جن کے تاریک مستقبل کا تصوّر فریقین کو مجبور کرتا ہو کہ تجدیدِ نکاح ہو جائے تو قرآن حکیم نے اِنہی مشکلات کے حل کے طور پر اِس قضیئے کو تین مرتبہ کے نکاح اور دو مرتبہ کی طلاق پر اِس طرح پھیلا دیا ہوا ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو حقِّ نکاح بِلا فصل اور بِلا فصل عطا کر رکھا ہے اور تیسری طلاق کے بعد صرف حقِّ بالفصل دیا ہے لیکن " ایا " نے پہلی ایک طلاق کو شوہر کی تین مرتبہ

کی طلاق طلاق کی گردان کیساتھ تین قرار دیکر، پھر چوتھے نکاح بالفعل کی اجازت کو نئے جوڑے کے صرف ایک مرتبہ کی خلوت واختلاط کیساتھ مشروط کر کے، آیاتِ قرآنیہ کا وہ مذاق اڑایا ہے، جسکی مثال ممکن نہیں۔ روائتی تفاسیر کی زبان میں اِسے حلالہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچکر روائتی تصوّر کے سامنے پھر ایک مشکل آکھڑی ہوئی۔ کہ حلالہ کے طور پر جس شخص کیساتھ مطلّقہ کا نکاح اِس غرض سے کیا جائیگا کہ وہ خلوت واختلاط کے بعد طلاق دیدے، تاکہ سابقہ شوہر کیساتھ تجدید نکاح کا دروازہ کھل سکے۔ اب اگر نیا شوہر طلاق نہ دے تو حلالہ کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ اسلئے نکاح حلالہ میں یہ غیرت کُش شرط لازم رکھی گئی کہ یہ ایک رات کا نکاح ہوگا۔ اور نئے خاوند یعنی ایک رات کے شوہر کو ایک رات کی خلوت واختلاط کے بعد لازماً طلاق دینا ہوگی۔ العیاذ باللہ! قرآن کہتا ہے:۔ وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۲/۲۳۱ = اللہ تعالیٰ کی آیات کریمات کیساتھ مذاق مت کرو۔ یہ ہے قرآنی مفہوم کو اُسکے اپنے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ سمجھنے کا نتیجہ، کہ حلالہ جیسی بے غیرتی تک روایات کے ذریعہ اسلام میں درآمد ہو چکی ہوئی ہے۔

تکرار تاکیدی

آیتِ بالا کے اخیر پر نکاح بالفعل سے متعلقہ ہدایات کی وضاحت کے بعد اگلی آیت کریمہ میں تکرار تاکیدی کے انداز میں پھر اُسی رعائت کا اعادہ کیا گیا ہے، جو اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے الفاظ میں عام مطلّقہ عورتوں کو دیگئی ہے:۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں وقت اپنے کو
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ
پس بند رکھو اُن کو ساتھ اچھی طرح کے یا نکال دو اُن کو
بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا
ساتھ اچھی طرح کے اور مت بند رکھو اُن کو ایذا دینے کو تو کہ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ
زیادتی کرو اور جو کوئی کریگا یہ پس تحقیق ظلم کیا اُس نے جان اپنی کو
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا
اور مت پکڑو آیتوں اللہ کی کو ٹھٹھا اور یاد کرو نعمت اللہ
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
کی کو اوپر اپنے اور جو کچھ اُتارا ہے اوپر تمہارے
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ
کتاب سے اور حکمت سے نصیحت کرتا ہے تمکو ساتھ اسکے

اور (پھر سُن لو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وُہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عدّت پوری کر لیں)، تو پھر اُنہیں یا تو معروف طریقے کیساتھ (یعنی تجدید نکاح کیساتھ روک لیا کرو، اور یا معروف طریقے کیساتھ (یعنی اُنکا جملہ مال اسباب حوالے کر کے) رُخصت کر دیا کرو۔ لیکن اُنہیں تکلیف پہنچانے کیلئے نہ روکنا، کہ اُن پر زیادتی کرو۔ اور جو کوئی ایسا کریگا، پس وُہ بلا شُبہ اپنے آپ پر خود ظلم کریگا۔ (آئندہ کیلئے اُسے رشتہ ملنا مشکل ہو جائیگا)، اور ایمان والو! اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ اُڑایا کرو۔ اور اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی یعنی اس نے تم پر جو حکمت والی کتاب نازل کی ہے۔ (القرآن الحکیم ۳۶ کے قوانین) کو یاد رکھو۔ وُہ تمہیں اِسی اکلوتی کتاب کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو، اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہت اچھی طرح

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۲۳۱ ○
اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے ۔ جانتا ہے ۔ ع ۲۹

● آیت مجیدہ کے آخری الفاظ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ طلاق کے ضمن میں تم جو ظلم و زیادتی، عوام سے چھپا کر بھی کرو گے، اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ۔ پس اگر تم دُنیا میں اُسکی سزا سے بچ جاؤ تو آخرت کو ہرگز نہیں بچ سکو گے ۔ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر مذکورہ بالا الفاظ کو سہ گانہ تکرار کیساتھ دُہرایا گیا ہے ۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جاویں وقت اپنے
تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا
کو پس مت منع کرو اُن کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے
بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے یہ بات نصیحت کیا جاتا ہے
كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
ساتھ اُسکے جو کوئی ہو تم میں سے ایمان لاتا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ
کے یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے تمہارے اور بہت پاک ہے اور اللہ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۳۲ ○
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

اور (تیسری مرتبہ پھر سُن لو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عِدّت کو بھی پہنچ جائیں (یعنی عِدّت بھی پوری کرلیں)، تو پھر (ایمان والو!) اگر وہ سابقہ میاں بیوی معروف طریقہ (یعنی تجدیدِ نکاح) پہ باہم راضی ہو جائیں، تو مطلقہ عورتوں کو سابقہ شوہر کیساتھ نکاح کرنے سے منع نہ کرنا۔ تم میں سے جو، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ انہیں مذکورہ بالا امر کی نصیحت کرتا ہے۔ تمہارے لئے یہی چیز بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ نیز جان لو کہ عنوانِ طلاق کے فائدہ مند گوشوں کو) اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (اسلئے اللہ کے احکام ہی کی پیروی کیا کرو)۔

عہ ازکیٰ کا معنیٰ لکھا گیا ہے" بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر" یہ لفظ مادہ ز۔ک۔و = زکو سے اسم تفضیل ہے اِس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا۔ زَکَا اَلْمَالُ کا معنیٰ ہے مال بڑھا۔ زَکَا الزَّرعُ کا معنیٰ ہے کھیتی بڑھی پھولی اور زَکَا الرَّجُلُ کا معنیٰ ہے، آدمی بڑھا پھولا خوشحال ہوا۔

● آیت بالا کے مضمون پر شاہد ہیں، کہ طلاق کے سلسلے میں فریقین اپنی اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ اصلاحِ احوال اور تقاضائے وقت کے مطابق، عِدّت کے اندر اور عِدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے ۔ یعنی اِس قضیئے کا وُہ حل ہی بہتر ہے جس کی تاکید متصل مسلسل آیات کریمات میں سہ گانہ تکرار کیساتھ کیگئی ہے ۔ کیونکہ اگر گرما گرمی میں عِدّت بھی گزر گئی ہے ۔ تو اب اگر عِدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت نہ ہو تو ممکن ہے کہ فریقین کی اِس علیحدگی کی بدولت میاں بیوی سے متعلقہ متعدّد خاندانوں میں بغض و عداوت قائم ہو جائے، اور وُہ ہمیشہ کیلئے موجبِ فساد بنی رہے ۔ دُوسری طرف اس جوڑے کی اولاد کا مستقبل

تاریک ہو جاتا ہے۔ بچے بچارے ناکردہ گناہ کے عوض سوتیلی ماں کی معاندانہ روش کے جہنّم میں جا گرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تین مرتبہ کے مسلسل تکرار کیساتھ ذیل کے مختلف انداز میں وضاحت کیگئی ہے کہ:-

- اگر عدّت گزر گئی ہے تو کیا ہوا، اس جوڑے کا اب بھی نکاح ہو سکتا ہے ۲/۲۳۱ + ۲/۲۳۲
- اور یہ ایک مرتبہ کی طلاق کی عدّت گزر جانے پر ہی نہیں۔ اگر کبھی دوسری مرتبہ بھی طلاق ہو جائے اور عدّت بھی گزر جائے، تو پھر بھی نکاح ہو سکتا ہے ۲/۲۲۹۔
- اگر مطلقہ عورتیں اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو انہیں تنگ نہ کرو۔ روکو مت ۲/۲۳۲
- اگر یہ جوڑا اپنی رضا اور رغبت کیساتھ تجدید نکاح کرنا چاہتا ہے تو مطلّقہ عورتوں کو اس سے منع نہ کرو ۲/۲۳۲ یعنی انہیں طعنے مت دو کہ اب تو کس منہ سے اُسکے گھر آباد ہوگی جس نے تجھے طلاق دیدی ہے وغیرہ وغیرہ:-

مسئلہ رضاعت اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ اگر عدّت کے بعد تجدید نکاح نہ ہو سکے۔ اور مطلّقہ کی گود میں بچّہ ہو، تو اُس بچّے کا حق رضاعت بتایا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچّوں کو دو سال کامل دُودھ پلائیں لیکن اب جبکہ طلاق اور علیحدگی ہو چکی ہے۔ تو دُودھ پلائی کی اُجرت بچّے کا باپ ادا کریگا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

اور بچّے والیاں دُودھ پلادیں اولاد اپنی کو دو

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّ

برس پُورے واسطے اس شخص کے جو ارادہ کرے یہ کہ پُورا

ضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

کرے دُودھ پلانا اور اُوپر اس شخص کے کہ لڑکا ہے اُس کا

بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا

کھلانا اُنکا اور پہنانا اُنکا ساتھ اچھی طرح کے نہیں تکلیف دیا جاتا

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ

ہے کوئی جی مگر طاقت اپنی یہ نہ ضرر دی جائے ماں ساتھ بچے

بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ

اپنے کے، اور نہ بچّے والا۔ اور اُوپر وارث کے ہے مثل اُسکی پھر اگر

اور ماؤں کو چاہیئے کہ اُس شخص کیلئے، جو مدّتِ رضاعت کو پُورا کرنا چاہے، اپنے بچّوں کو دو سال کامل دُودھ پلائیں۔ اور جس کا بچّہ ہے، دُودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا اُسکے ذمّہ ہے۔ (یہ کھانا کپڑا اُسکی بساط کے عین مطابق ہونا چاہیئے کیونکہ ہمارے قانون میں) کوئی نفس وُسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیا جاتا۔ (پس چاہیئے کہ) نہ بساط سے کم درجے کا روٹی کپڑا دے کر بیٹے کیلئے ماں کو تکلیف دی جائے، اور نہ باپ سے اُسکی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کرکے، بیٹے کیلئے اُسے تکلیف دی جائے۔ اور (اگر بچّے کا باپ فوت ہو جائے) تو بچے کے وارث پر بھی دُودھ پلائی کی اُجرت بساط کے مطابق کھانا کپڑا ہے۔ پھر اگر (دو سال کے اندر دُودھ پلوانے والا، اور دُودھ پلانے والی) دونوں باہمی رضا و مشورہ کیساتھ دُودھ چھڑانے

اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
ارادہ کریں دودھ چھڑانا رضامندی سے آپس اور مصلحت سے
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا
پس نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے اور اگر ارادہ کرو تم یہ کہ دودھ
أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ
پلاؤ تم اولاد اپنی کو پس نہیں گناہ اوپر تمہارے جب سونپ دو
آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا
تم جو کچھ دینا کیا ہے ساتھ اچھی طرح کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو
أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۲۳۳
یہ کہ اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

کا ارادہ کریں تو اُن دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ اور (ایمان والو) تم جب بھی اپنے بچوں کو کسی عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو جب وہ اُجرت جو دستور کے مطابق دینی ہو تسلیم کرلو تو تم پر دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔ اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ، تمہارے اعمال کو جو تم بجا لاتے ہو دیکھنے والا ہے۔

● دیکھئے! دودھ چھڑانے کو باہمی رضا و مشورہ پر موقوف رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ دو سال سے کم وقفہ میں بھی اگر بچے کی صحت متقاضی ہو تو، دودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ دو سال کی عمر تک بچے کے دانت نکل آتے ہیں اور معدہ دوسری غذائیں ہضم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسلئے رضاعت کا زیادہ سے زیادہ وقفہ دو سال مقرر کیا گیا ہے۔

مسئلہ طلاق کا ملخص

● اعلانِ طلاق کے بعد عدّت کے اندر اندر بھی اور عدّت کے بعد بھی تجدید نکاح کی اجازت ہے، لیکن یہ اجازت بلافصل دو مرتبہ کی طلاق تک کی ہے۔ تیسری مرتبہ کیلئے بلافصل نہیں ——— بالفاظ دیگر مطلقہ عورت کو دو مرتبہ کی طلاق کی عدّت کے بعد سابقہ شوہر کیساتھ تجدید نکاح کا حق بلافصل یا بالفصل حاصل ہے یعنی وہ کسی اور کیساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے اور سابقہ شوہر کیساتھ بھی۔

● طلاق دینے والا شوہر بیوی سے زرِ مہر اور مزید دیا ہوا مال واپس نہیں لے سکتا۔ خواہ وہ ایک خزانہ ہی کیوں نہ ہو $\frac{۲}{۲۰}$ سوائے اس صورت کے کہ شوہر اپنی بیوی کو آباد رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن بیوی طلاق کی طلبگار رہے۔ اور یا وہ طلاق تو نہیں مانگتی، لیکن شوہر کو تنگ کرتی ہے۔ اِن حالات میں شوہر اپنا مال واپس لے سکتا ہے، جو اُس نے خانہ آبادی کیلئے بیوی کو دیا ہوا تھا لیکن وہ سودا بازی کے طور پر، اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد طلب کرنے کا مجاز نہیں $\frac{۲}{۲۲۹}$۔

● اگر کبھی ایسا ہو کہ شوہر کی پوری جائیداد مکان اور زمین وغیرہ بیوی کا مہر مقرر ہو چکا ہو۔ اور یا شوہر نے نکاح کے بعد بیوی کے نام ہبہ کر دیا ہو تو ایسی حالت میں بیوی، اس خیال سے سرکشی اختیار کرتی ہے کہ شوہر اُسے طلاق دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر طلاق دے تو قلاش ہو جائیگا۔ قرآن کریم میں سرکش بیوی کو طلاق دینے کے ساتھ ساتھ طلاق دہندہ کو قانوناً حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسی بیوی کو طلاق بھی دے سکتا ہے اور اپنا مال بھی واپس لے سکتا

ہے۔

● تین طلاقیں نہ شوہر کی زبان کی تین مرتبہ کی گردان سے وارد ہوتی ہیں، نہ عرضی نویس کے تین طلاق لکھنے سے، بلکہ تین ماہواری کورس ہر طلاق کی الگ الگ عدّت ہے۔ لیکن یہ رعائت دو مرتبہ کی طلاق تک ہے۔ بالفاظِ دیگر دو مرتبہ کی طلاق تک فریقین کو تجدیدِ نکاح کا حق بالفصل بھی حاصل ہے اور بلافصل بھی۔ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے تجدیدِ نکاح کے بعد طلاق ہو جائے تو اب سابقہ شوہر سے نکاح بلافصل نہیں ہوسکتا، جبتک کہ مطلّقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے! اور وہ بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔ غیرحاملہ مطلّقہ کی عدّت تین ماہواریاں ہیں اُسکا نان نفقہ سابقہ شوہر پر ہوگا! اور اسیطرح حاملہ مطلّقہ کا نان و نفقہ وضع حمل تک سابقہ شوہر پر ہوگا۔ اور وضعِ حمل کے بعد اگر بچّے کا باپ دُودھ پلوانا چاہیے تو خرچ ادا کر کے پلوا سکتا ہے۔

● اگر کوئی مطلّقہ پہلی ہی طلاق کی عدّت گزارنے کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح کرنا چاہیے تو بھی کرسکتی ہے۔ اور اگر دُوسری طلاق کی عدّت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی کرسکتی ہے۔ سابقہ شوہر سے اُسکا دو مرتبہ کی طلاق تک تجدیدِ نکاح بلافصل کیساتھ ساتھ، حقِّ تجدیدِ نکاح بالفصل بھی محفوظ ہے، خواہ اُس نے پہلی یا دُوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرلیا ہو۔ اب اگر اُسکا نیا خاوند اُسے طلاق دیدے، یا مرجائے تو سابقہ شوہر سے اُسکا نکاح ہوسکتا ہے $\frac{2}{229}$ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد بھی طلاق ہوجائے تو یہ تیسری طلاق ہے اب اِس جوڑے کو صرف نکاح بالفصل کا حق حاصل ہے لیکن اِس قانونی وسعت سے حلالہ جیسے یک شبی نکاح کا جواز اخذ کرنا آیاتِ قرآنیہ کیساتھ مذاق محض ہے۔ اُدھر حکم ہوتا ہے لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا $\frac{2}{231}$۔

● اگر مطلّقہ کی گود میں بچہ ہے۔ اور عدّت کے بعد بھی تجدیدِ نکاح نہیں ہوسکا، اور یا تیسری مرتبہ طلاق ہوگئی ہے۔ لیکن سابقہ شوہر اپنے بچّے کو دودھ پلوانا چاہتا ہے۔ تو عورت پر لازم کیا گیا ہے کہ کم ازکم دو سال تک بچّے کو دُودھ پلائے۔ اور نفقۂ رضاعت میں دُودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا بچّے کے باپ کے ذِمّہ ہوگا۔ مگر فریقین پر لازم ہے کہ نہ اپنے بچّے کو دُودھ پلوانے والا، اپنی بساط سے گھٹیا درجے کا کھانا کپڑا دے۔ اور نہ دُودھ پلانیوالی اُس سے اُسکی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کرے۔ دو سال کے اندر باہمی رضا و مشورہ کیساتھ بچّے کا دُودھ چھڑایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ بچّے کی صحت اِس امر کی اجازت دیتی ہو۔

بیوہ کی عدّت

آیاتِ بالا میں چونکہ مطلّقہ کی عدّت کا تعیّن گزرچکا ہے۔ اِس لئے قرآن کریم نے اگلی آئت مجید میں اپنے اسلوبِ بیان کے مطابق ساتھ ہی بیوہ کی عدّت کی وضاحت بھی کردی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

اور جو لوگ کہ مرجاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بی بیاں

اور جو لوگ تم میں سے فوت ہوجائیں اور بیویاں پیچھے چھوڑ جائیں۔ وُہ بیوائیں اپنی جانوں کیلئے چار ماہ اور دس راتوں کا

أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ
اپنی انتظار دیویں جانوں اپنی کو چار مہینے اور دس دن کا
وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ
پس جب پہنچیں وقت اپنے کو پس نہیں گناہ اوپر تمہارے
عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
بیچ اس چیز کے کہ کرتی ہیں بیچ جانوں اپنی کے ساتھ اچھی
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ ۲۳۴
طرح کے اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

انتظار کریں۔ پھر جب وہ مذکورہ بالا عدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عدت پوری کر لیں) تو پھر تم پر اس امر میں کوئی ہرج نہیں، جو وہ اپنے لئے معروف طریقے کیساتھ کریں (یعنی نکاح کر لیں) اور تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

● بیوہ کی عدت مطلقہ سے چالیس دن زیادہ مقرر کیگئی ہے۔ عدت کی غرض ہے اظہارِ حمل، جو تین ماہ میں یقیناً ہو جاتا ہے اب بیوہ کو چونکہ شوہر کی موت کا صدمہ ہوتا ہے اسلئے صدمے کے دنوں میں پیٹ کے بچے کی نشوونما یقیناً رک جاتی ہے اسلئے صدمے کے چالیس دن اصل عدت پر بڑھا دیئے گئے ہیں تاکہ اصل عدت قائم رہے۔ اور اگر بیوہ حاملہ ہے تو حمل اچھی طرح نمایاں ہو جائے۔

● آیت مجیدہ کے آخری جملہ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ بیوہ عورتیں جس جگہ اپنی رضا و رغبت سے نکاح کرنا چاہیں، تو اگر تم انہیں انکی رضا کے خلاف تنگ کرو گے تو تمہارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم ہو گے۔

نکاح کا سلسلہ باقاعدہ منگنی سے شروع کیا کرو

اس سے اگلی آیت میں کنواری اور بیوہ سب لڑکیوں کی شادی کا سلسلہ منگنی سے شروع کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے:۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ
اور نہیں گناہ اوپر تمہارے بیچ اس چیز کے کہ ظاہر کیا
مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ
تم نے ساتھ اسکے منگنے عورتوں کے یا چھپا رکھا تم نے بیچ جانو
عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن
اپنی کے جانتا ہے اللہ کہ تم البتہ ذکر کرو گے انکا اور لیکن
لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا
وعدہ دو ان کو چھپے ہوئے مگر یہ کہ کہو ان کو ایک بات

اور اس امر میں تمہارے لئے کوئی ہرج نہیں جو تم عورتوں کی منگنی کو ظاہر کر دیتے ہو یا (تقاضائے حالات کے مطابق کچھ عرصہ کیلئے) چھپا رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر ظاہر کرتا ہے کہ تم ضرور ضرور ان عورتوں سے بھی ذکر کرو گے (جن کی منگنی طے کر رہے ہو) ولیکن اے نکاح کے طلبگارو! تم ان عورتوں کیساتھ شادی کا چھپا وعدہ نہ کرنا۔ سوائے اسکے کہ ان کے وارثوں کیساتھ دستور کے مطابق منگنی کی بات چیت کیا کرو۔ اور جبتک بیوہ عورت کی عدت پوری

مَّعْرُوفًاۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
اچھی طرح سے اور مت حکم کرو گرہ نکاح کی یہاں تک کہ پہنچے
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
لکھا ہوا حکم خدا کا وقت اپنے کو اور جانو کہ تحقیق اللہ جانتا ہے
يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُۚ وَاعْلَمُوا
جو کچھ بیچ جی تمہارے کے ہے پس ڈرو اُس سے اور جانو
أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ ۲۳۵
یہ کہ اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

نہ ہو جائے۔ اُس وقت تک نکاح کا ارادہ نہ کرنا۔ اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے ذہنوں میں چھپا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے۔ پس اُسکے قانون کی مخالفت سے ڈر جاؤ۔ اور جانے رہو کہ (اگر تم بُرے ارادوں سے باز آجاؤ تو) اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بُردبار ہے۔

● اِس آیت مجیدہ میں منگنی کو جائز قرار دینے کیساتھ ساتھ یہ بھی تاکید کیگئی ہے کہ جس لڑکی کی منگنی کی جارہی ہو اُسے بھی اس سے مطلع کیا جانا ضروری ہے۔ نیز اِس آیت میں لڑکی کے والدین سے الگ شادی کے چھپے وعدوں، یعنی کورٹ میرج سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ ناتجربہ کار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی نسبت اُنکے والدین اُنکے لئے یقیناً یقیناً، زندگی کا بہتر ساتھی تلاش کر سکتے ہیں۔

طلاق بلا مس خداوند علیم وخبیر سے نوعِ انسانی کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اِنکے ہاں ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ نکاح ہوتے ہی دُولہا اور دُلہن کے دُرمیان میں اختلاف پیدا ہو جائیں، اور دُلہن کی رخصتی کے بغیر ہی طلاق تک نوبت پہنچ جائے۔ چنانچہ اگلی آیت مسئلہ طلاق کے اِس گوشہ کی وضاحت کرتی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
نہیں گناہ اوپر تمہارے یہ کہ طلاق دو تم عورتوں کو
مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةًۚ
جبتک کہ نہ ہاتھ لگایا اُن کو یا نہیں مقرر کیا واسطے اُنکے مقرر
وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ
کرنا اور فائدہ دو اُن کو اوپر کشائش والے کے ہے قدر اُسکی
قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِۖ حَقًّا عَلَى
اور اوپر تنگی والے کے ہے قدر اُسکی فائدہ دینا ساتھ اچھی طرح
الْمُحْسِنِينَ ۝ ۲۳۶
کے حق ہوا اوپر نیکی کرنیوالوں کے۔

تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم عورتوں کو اِس حالت میں طلاق دو کہ تم نے اُن سے مس نہیں کی اور مہر مقرر نہیں کیا۔ تو اُنہیں کچھ فائدہ دیدیا کرو۔ یہ امر زیادہ مال والے پر اُسکی بساط کے مطابق فرض ہے اور کم مال والے پر اُسکی حیثیت کے مطابق۔ یہ فائدہ معروف قاعدے کیمطابق دیا جانا، معاشرہ میں حسن و توازن قائم رکھنے والوں پر فرض ہے۔

اس آیت میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے، جب نکاح ہوا مگر مہر کا تعیّن نہیں ہوا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ اگلی آیت میں اُس حالت کی تصریح درج ہے کہ نکاح ہوا، مہر بھی بندھا لیکن بلا مس طلاق ہو گئی۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡ
اور اگر طلاق دو اُن کو پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ اُنکو

هُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ
اور تحقیق مقرر کر لیا واسطے اُن کے کچھ مقرر کرنا پس آدھا اس

مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ
چیز کا کہ مقرر کیا ہے تم نے مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ یا معاف

بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ
کرے وہ شخص کہ بیچ ہاتھ اسکے ہے گرہ نکاح کی اور یہ کہ معاف

لِلتَّقۡوٰى‌ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّ
کرو تم نزدیک تر ہے واسطے پرہیز گاری کے اور مت بھول جاؤ

اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ‏ ۲۳۷
بزرگی درمیان اپنے تحقیق اللہ ساتھ اسچیز کے کہ کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔

اور اگر تم اُنہیں مس سے پہلے طلاق دو اور تم نے مہر مقرر کیا ہے، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے، اُسکا نصف اُنکا حق ہے۔ سوائے اسکے کہ وہ مطلقہ عورتیں (اپنے نصف مہر کا حق برضا و رغبت) معاف کر دیں۔ اور یا (شوہر) جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (وہ اپنا نصف حق) معاف کر دے۔ (یعنی پورا مہر ادا کر دے)۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پورا مہر ادا کرنا تقوٰی سے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں اپنے بزرگوں کی فضیلت کو نہ بھولنا۔ بلاشبہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُنہیں دیکھنے والا ہے۔

● آیت بالا میں "وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ" کا جملہ بہت غور طلب ہے۔ طلاق کی مجلسوں میں جذبات کا بے قابو ہو جانا لازمی امر ہے۔ لیکن فریقین کے افراد پر اُنکے بڑے بزرگوں ہی کا اثر ہو سکتا ہے، جو اُنکے جذبات کو مشتعل نہ ہونے دیں لیکن یہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ مسئلہ طلاق جیسی تلخ مجلسوں میں بھی بزرگوں کا ادب و احترام بدستور ملحوظ رکھا جائے۔ اسی لئے ارشاد ہوا ہے کہ اپنے بزرگوں کی فضیلت اور ادب و احترام کو نہ بھولنا۔ اور اسکا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ جذبات بھڑکنے پائینگے اور نہ مسائل زیر بحث سلجھنے کی بجائے اُلجھتے چلے جائینگے۔

صلوٰۃ موقّت کی حفاظت کرو

اسی ضمن میں عین مسائل طلاق کے دوران، اگلی آیت مجیدہ میں حفاظت صلوٰۃ کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ اسکی حکمت بھی یہی ہے۔ کہ جب طلاق کی تلخ مجلس گرم ہے۔ فریقین میں کسی پہلو بات طے نہیں ہو پاتی۔ مزاج میں دونوں طرف تلخی اور گرمی ہے۔ اور اُدھر صلوٰۃ موقّت کا وقت آ گیا ہے۔ تو اب اس فریضۂ خداوندی کو مقدّم جانو۔ نتیجہ یہ ہوگا، اُٹھو گے، مسجد میں آؤ گے، وضو کر کے ٹھنڈے ہو گے۔ حضورِ خداوندی میں حاضر ہو کر دست بستہ اقرار کرو گے اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ = ہم تیری

ہی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو اب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ادائے صلوٰۃ کے بعد یہ صلوٰۃ گزار مومن واپس آئینگے، تو مجلس طلاق کا رنگ ہی بدلا ہوا ہوگا۔ مزاج میں سکون و متانت ہوگی اور اُلجھا ہوا مسئلہ فوراً سلجھ جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ
محافظت کرو اُوپر نمازوں کے اور اُوپر نماز
الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ ۲۳۸
بیچ والی کے ــــ اور کھڑے ہو واسطے اللہ کے چپکے۔

اور سب صلوٰتوں کی حفاظت کرو، خصوصاً صلوٰۃ وسطٰی کی[1]۔ اور قیام صلوٰۃ میں اللہ کے حضور دُعا کرتے ہوئے کھڑے ہوا کرو۔

[1] صلوٰۃ وسطٰی فجر کی نماز ہے۔ کیونکہ یہی قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۱۷/۷۸ کی تخصیص اسی پر عائد ہوئی ہے۔

[2] قٰنِتِيْنَ کا معنی لُغت کی رُو سے دُعا کرتے ہوئے بھی صحیح ہے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے بھی ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں چونکہ قیام صلوٰۃ کی قید موجود ہے، جو بجائے خود فرمانبرداری میں داخل ہے۔ اسلئے یہاں قٰنِتِيْنَ کا معنی دُعا کرتے ہوئے ہی لگ سکتا ہے جو مقتضی مقام کے بھی عین مطابق ہے۔

صلوٰۃ موقّت کی قضا کوئی نہیں

آیات نمبر ۲/۱۸۴-۱۸۵ میں روزہ کے متعلق گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار یا مسافر ہو تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ لیکن صلوٰۃ موقت یعنی نماز کی قضا کوئی نہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ
پس اگر ڈرو تم پس پیادہ پڑھ لو یا سواری پر پس جب
اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ
امن میں آؤ پس یاد کرو اللہ کو جیسا سکھایا ہے تمکو جو کچھ
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۳۹
نہیں تھے تم جانتے۔

پھر اگر تمہیں ادائے صلوٰۃ میں کوئی خوف لاحق ہوجائے تو اگر تم پیادہ پا سفر کر رہے ہو تو پیادہ پا چلتے چلتے ادا کر لیا کرو اور اگر سواری پر ہو تو سواری پر بیٹھے بیٹھے۔ پھر جب تم امن میں آجاؤ تو (پورے آداب و شرائط کیساتھ) اُس طرح اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح اُس نے تمہیں تعلیم دی ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔

دیکھیئگا! اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب دورانِ سفر یہ حالت ہو کہ اگر سفر ترک کرکے پورے آداب و شرائط کیساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں تو کسی دشمن یا موذی جانور درندہ وغیرہ کا خوف ہے۔ اور اگر منزل تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں تو صلوٰۃ ضائع ہوتی ہے۔ تو ایسے وقت پر آداب و شرائط تو معاف ہو سکتے ہیں، صلوٰۃ کا وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ۴/۱۰۱ تا ۱۰۳ میں میدانِ جنگ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ صلوٰۃ میں قصر یعنی کمی تو کیجا سکتی ہے لیکن صلوٰۃ قضا نہیں ہوسکتی۔ جبتک ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی اور فوجیں آمنے سامنے پڑی ہیں۔ اُسوقت تک کیلئے فوج کو دو حصوں

میں تقسیم ہونے، اور باری باری سے امام صلوٰۃ کیساتھ قصر صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے تو صلوٰۃ کا وقت آنے پر، ہر مجاہد اپنی اپنی جگہ پر کھڑے بیٹھے یا لیٹے جس حالت میں ہو اللہ کا ذکر کر لیا کرے۔ اور آخر پر وضاحت کر دیگئی ہے کہ اتنے تکلفات اسلئے لازم قرار دیئے گئے ہیں: ۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ اپنے اپنے مقررہ وقتوں پر فرض قرار دیگئی ہے۔

گمشدہ شوہر کی بیوی ایک سال انتظار کرے

آیت نمبر ۲۳۴ میں متوفی شوہر کی بیوی کی عدت بیان ہوئی ہے چار ماہ دس راتیں۔ اور متوفی شوہروں کیلئے الفاظ آئے ہیں وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا..... ۲/۲۳۴ = اور جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو انکی بیویاں چار ماہ دس راتوں کا انتظار کریں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ ۲/۲۴۰ میں پھر یہی الفاظ آئے ہیں وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، لیکن اسکے بعد اس آیت میں متوفی کی بیوی کے لیئے ایک سال تک نان نفقہ ادا کرنے اور گھر سے نہ نکالنے کا حکم ہوا ہے۔ اس پر سابقہ تفسیروں نے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال کے فرق کو نظر انداز کر کے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ۲/۲۴۰ میں بیوہ کی عدت ایک سال مقرر فرمائی تھی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس حکم کو واپس لیا، یعنی آیت نمبر ۲/۲۴۰ کو منسوخ کر کے ۲/۲۳۴ میں بیوہ کی عدت ایک سال کی بجائے چار ماہ دس دن مقرر فرمائی۔ العجب!

● تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر سابقہ تفسیروں کا یہ تصور ایک سیکنڈ کیلئے صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ناسخ آیت کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ آیت سے پہلے نازل فرمایا تھا جو ابھی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نازل ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی؟ اور اگر وہ نزول سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی تو اسکے نازل کرنے کا فائدہ؟

● اور اسکے برعکس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے آیت نمبر ۲۳۴، اور بعد میں آیت نمبر ۲۴۰ نازل فرمائی تھی تو ماننا پڑیگا کہ معاذ اللہ رسولِ مقبول نے قرآن حکیم کے اپنے نسخۂ امام میں ناسخ آیت کو آگے اور منسوخ کو پیچھے کر دیا تھا۔ اور یا پھر نظریۂ روایات کے مطابق آنحضور سلام علیہ تو قرآن حکیم کی الگ الگ آیتوں کو ہڈیوں پتوں پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع تو کر دیا مگر اس طرح کہ ناسخ آیت کو آگے کر دیا۔ اور منسوخ کو پیچھے! العیاذ باللہ! دیباچہ کے عنوان نمبر ۲، ناسخ و منسوخ میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں! اور ناسخ و منسوخ کا نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔

حقیقتِ حال

جیسے کہ پیش لفظ کے عنوان نمبر ۴ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآن کریم میں الفاظ کا استعمال حقیقت اور مجاز دونوں صورتوں میں ہوا ہے۔ لہٰذا آیت نمبر ۲۳۴ میں یُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور حقیقت آئے ہیں۔ اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس راتیں بیان ہوئی ہیں۔ لیکن آیت نمبر ۲۴۰ میں وہی یُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور مجاز آئے ہیں۔ یہاں جن

شوہروں کا ذکر ہے وہ فی الحقیقت فوت نہیں ہوئے لیکن وُہ اپنی بیویوں کیلئے متوفی شوہروں کی مانند ہو چکے ہیں یعنی جس طرح حقیقی متوفی شوہر کی بیوی کو شوہر کی طرف سے جنسی حقوق اور ضروریاتِ زندگی میسر نہیں آتیں۔ یہی حالت لاپتہ یعنی مجازی متوفی شوہر کی بیوی کی ہوتی ہے۔ پس آیت نمبر ۲۴۰ میں لاپتہ شوہروں کو اسی طرح بطورِ مجاز متوفی کہا گیا ہے۔ جسطرح ہر سوئے ہوئے آدمی کو بطورِ مجاز متوفی قرار دیا گیا ہے ؛۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ ۶۰/۶ = اور وُہ اللہ ہی ہے، جو تمہیں رات کیوقت فوت کر دیتا ہے۔ پس جسطرح ہر سویا ہوا آدمی زندہ ہوتے ہوئے مُردوں کی مانند ہوتا ہے۔ اُسیطرح لاپتہ شوہر زندہ ہوتے ہوئے، بیوی کیلئے مُردوں کی مانند ہو جاتا ہے۔ جسطرح متوفی کی بیوی شوہر کے جنسی حق اور حقِ نان نفقہ سے محروم ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح لاپتہ شوہر کی بیوی کو بھی شوہر کا جنسی حق اور حقِ نان نفقہ میسر نہیں آتا۔

ربطِ آیات اب یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۲۳۹ میں صلوٰۃ موقت (نماز) کا ذکر ہے اور ۲۴۰ میں گمشدہ شوہر کی بیوی کی عدت بیان کیگئی ہے۔ اِن دونوں آیتوں میں باہم ربط کیا ہے؟ یعنی کہاں نماز اور کہاں گم شدہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ۔۔ واضح رہے کہ آیت نمبر ۲۳۹ میں نماز کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اگر دورانِ سفر کسی موذی جانور یا دُشمن کا خطرہ ہو تو چلتے چلتے نماز ادا کر لیا کرو۔ اور اُسکے بعد آیا ہے فَإِذَا أَمِنتُمْ، پھر جب تم امن میں آ جاؤ تو پوری ہدایات کے مطابق نماز ادا کیا کرو۔ اب أَمِنتُمْ کے اُلٹ ممکن صورت یہ ہے کہ اگر خطرہ وارد ہو چکا ہے۔ یعنی کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہے، یا کسی دشمن نے مار ڈالا ہے یا قید کر دیا ہے اور کسی کو حقیقتِ حال کی خبر نہیں ہو سکی۔ تو اُسے مجازی متوفّیٰ قرار دیکر، اُسکی بیوی کی ایک سال عدّت مقرر کر دیگئی ہے۔

لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے فقہوں کے فیصلے لاپتہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ معاشرہ کا انتہائی اہم مسئلہ ہے جسمیں صنفِ نازک کے جنسی حق اور ضروریاتِ زندگی کے پیدائشی حقوق کا سوال ہے لیکن اس ضمن میں امام اعظم علیہ الرحمتہ کی طرف منسوب ہے کہ آپنے فیصلہ دیا کہ وہ نوّے سال کیلئے لاپتہ شوہر کا انتظار کرے۔ حالانکہ اگر کسی عورت کا بیسؔ سال کی عمر میں شوہر لاپتہ ہو جائے۔ اور اُس پر نوّے سال کا انتظار لازم کر دیا جائے تو اُسے ایک سو دس برس کی عمر میں پہنچ کر، نکاحِ ثانی کی اجازت اُسوقت دی جا رہی ہوتی ہے، جب اُسے شوہر کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔ امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کہ آپنے چار سال کی انتظار لازم ٹھرائی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے لاپتہ شوہر کو مجازی متوفی قرار دیکر ارشاد فرمایا ہے ؛۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ
اور جو لوگ کہ مر جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے
أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ
ہیں بیبیاں وصیت کر جاویں اسطے بیبیوں اپنی کے فائدہ دینا ایک

اور تم میں سے جو لوگ روک لئے جائیں (یعنی لاپتہ ہو جائیں) اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں۔ اُنکی بیویوں کیلئے حکم ہے کہ اُنہیں ایک سال تک ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں اور اُنہیں اُنکے گھروں سے نکالا نہ جائے۔ پھر اگر ایک سال کے بعد

غَیْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
برس تک نہ نکال دینا پس اگر نکل جاویں پس نہیں گناہ اوپر
فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ
تمہارے بیچ اس چیز کے کہ کیا انہوں نے بیچ جانوں اپنی کے
وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ ۲۴۰
اچھی طرح سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اگر وہ نکل جائیں تو تم پر کوئی حرج نہیں جو وہ اپنی جانوں کیلئے معروف طریقہ کیساتھ (نکاح ثانی) کرلیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

● واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی ایک سال تک شوہر کے مال سے نان نفقہ حاصل کریگی۔ لیکن اگر شوہر کا مال کوئی نہ ہو تو شوہر کے ورثاء ایک سال کا بوجھ اُٹھائینگے۔ اگر وارث کوئی نہ ہو یا بوجھ اُٹھانے قابل نہ ہوں تو اس ایک سال کا نان نفقہ مرکز کے ذمہ ہوگا۔ غرض یہ کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے ایک سال کا انتظار فرض ہے۔

(نوٹ) بخاری شریف مترجم مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم کے صفحہ نمبر ۱۸۱ پر بھی لکھا ہے :۔ "اور ابن مسیب نے کہا کہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں گم ہوجائے تو اسکی بیوی ایک سال تک انتظار کرے"۔ خدا جانے اس روایت کی موجودگی کے باوجود لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے ائمہ رحمت اللہ علیہم کی طرف نوّے سال تک کی انتظار کیوں منسوب ہے؟

ربطِ کلام واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کا تذکرہ مطلقہ اور بیوہ کی الگ الگ عدّتوں کے فیصلہ کے عین متصل مابعد، اس ربط کے مطابق وارد ہوا ہے کہ جس طرح نکاح ثانی کیلئے مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی الگ الگ عدّتیں لازم ہیں۔ اسی طرح لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے بھی اُسکے جنسی حقوق، اور ضروریاتِ زندگی کے تحفظ کیلئے اُسکے ایامِ تجرد کی عدّت مقرر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ لاپتہ شوہر کو مجازاً متوفیٰ قرار دیکر اُسکی بیوی کیلئے ایک سال کی عدّت مقرر کردیتی ہے: تاکہ اُسکو اس عدّت کے بعد نکاح ثانی کا قانونی حق میسّر آجائے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر مطلقہ عورتوں کو رخصت کرنے وقت اُنکے ساتھ حسنِ سلوک کا چہارگانہ تکراری حکم دیا گیا ہے:۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا
اور واسطے طلاق والیوں کے فائدہ دینا ہے ساتھ اچھی
عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ۝ ۲۴۱
طرح کے لازم ہوا اوپر پرہیزگاروں کے۔

اور مطلقہ عورتوں کو قرآنی معروف طریقہ کے مطابق مال و متاع دینا، اور دیا ہوا مال واپس نہ لینا لازم ہے! اور یہ حکم اُن لوگوں پر فرض ہے جو خدا تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ
اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے نشانیاں اپنی

اور اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

تَعْقِلُوْنَ ۝ ۲۴۲ ع (یعنی بے عقلوں کا اس کتاب کیساتھ کوئی تعلق نہیں)
تو کہ تم سمجھو۔

عقل سے کام لیا کرو آیت مجیدہ کے آخری جملہ میں عقل سے کام لینے کے تاکیدی حکم پر غور کرنے سے یہ امر نکھر کر سامنے آرہا ہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کو نوّے سال کی انتظار کا پابند کرنا، جب یقینًا یقینًا خلافِ عقل ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ نہ تو اس حکم کو رسُولِ مقبول کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ اور نہ کسی ایسے شخص کی طرف، جسکے دماغ میں معمولی سی عقل بھی موجود ہو۔

اِس سے اگلی آیات کریمات کا ربط۔ زندہ رہنے کیلئے عسکری طاقت لازم ہے اِس سے اگلی آیتوں میں زمانہ داؤد سلام علیہ کے بنی اسرائیل کا واقعہ درج ہے، جنہیں دشمنوں نے، اُنکے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت اُنہیں دشمن قوم سے جہاد کرنے، اور اپنے مکان واپس لینے کا حکم دیا۔ اِسی طرح محمد رسُولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی دشمنوں نے گھروں سے نکال دیا تھا۔ حضور معہ صحابہ کرام مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ اور ۲/۱۴۴ کے مطابق آنحضور مکہ معظمہ کی بازیابی کیلئے ملتجی نگاہوں کیساتھ اپنے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھایا کرتے تھے:۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۔ اور اِسکے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم آپ کو ضرور ضرور اُس قبلہ مرکز کی تولیت عطا فرمائینگے، جسے آپنے ہمارے حکم کیمطابق پسند فرمایا ہے:۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۲/۱۴۴ اب چونکہ اِس بازیابی کیلئے ۸/۶۰ کے مطابق انتہائی فوجی طاقت کی ضرورت تھی۔ اِسلئے حضور فوجی قوت کی فراہمی کے اہم فریضہ کی ادائیگی میں مصرُوف ہونے کیساتھ ساتھ ہر آن حضورِ الٰہی میں فتح و نصرت کیلئے مجسم دُعا بھی بنے ہوئے تھے۔ حتّٰی کہ آپ کو خواب بھی مکہ معظمہ کی فتح اور بازیابی ہی کے آتے تھے جنہیں اللہ نے سچا کر دکھایا:۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۴۸/۲۷

● نیز اگلی آیات کریمات میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کرکے قیامت تک کی قوموں کی رہنمائی کردیگئی ہے کہ اگر عسکری طاقت فراہم نہ کروگے تو دشمن تمہیں گھروں سے نکال دیا کرینگے۔ اور اگر تمہاری مجبوری یا کمزوری کے باعث کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو اپنے ملک بستیوں اور گھروں کی بازیابی کیلئے پھر فوجی قوت کی فراہمی اور اُسکے استعمال ہی کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ جہاد کے اہم حکم سے غافل اُن بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے دشمن کے خوف سے گھر چھوڑ کر نکل گئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ نکلے گھروں
دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
اپنے سے اور تھے وہ ہزاروں ڈر موت کے سے

اے مخاطب! کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف غور نہیں کیا۔ (یعنی تجھے اُن پر غور کرنا چاہیئے) جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل بھاگے۔ حالانکہ وہ ہزاروں کی گنتی میں تھے پھر اللہ نے انھیں (اپنے نبی کی معرفت) کہا کہ (شرم کے

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
پس کہا واسطے اُن کے اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پھر جلا دیا اُن کو تحقیق
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اللہ البتہ صاحب فضل کا ہے اوپر لوگوں کے ولیکن اکثر لوگ
لَا يَشْكُرُوْنَ ○ ۲۴۳
نہیں شکر کرتے۔

مارے) مرجاؤ۔ اس پر (اُنہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کرکے گھر واپس لے لئے تو) اللہ نے اُنہیں زندہ کر دیا۔ (یعنی اُنہیں پھر سے عزت کی زندگی عطا ہوئی) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کرنیوالا ہے لیکن اکثر لوگ (اُسکے قوانین کی مخالفت کرکے) اُسکی ناشکری کرتے ہیں۔

● سے یاد رہے کہ وہ مُوْتُوْا کے حکم سے طبعی موت مر گئے تھے۔ اور نہ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ کی خبر میں وہ طبعی طور پر زندہ کئے گئے تھے۔ بلکہ یہاں باعزت قومی زندگی کا ذکر ہے جسے وہ کھو بیٹھے تھے۔

● اس سے اگلی دو آیتوں میں اُنکو دیگئی ہدایات کا اجمالی تذکرہ بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ
اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اور جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۴۴
والا جاننے والا ہے۔

اور اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اور جانتے رہو کہ (اِس حکم کے حق میں، یا اِسکی مخالفت میں تم جو کچھ بھی کہو گے اُسے) اللہ سننے والا ہے۔ (اور جو کچھ تمہارے ذہنوں میں پوشیدہ ہے اُسے) جاننے والا ہے۔

● قتال فی سبیل اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے چونکہ عسکری قوت مہیا کرنا فرض ہے ۔ اور قوت چونکہ روپے پیسے کے بغیر مہیا نہیں ہوتی۔ اِسلئے ارشاد ہوا ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
کون شخص ہے وہ جو قرض دے اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۚ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ
پس دوگنا کرے اسکو واسطے اُسکے دوگنا بہت اور اللہ
وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ۲۴۵
بند کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور طرف اُسکی پھیر جاؤ گے۔

جو شخص کہ (دشمن کے مقابلے پر قوت مہیا کرنے کیلئے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دیگا۔ اللہ تعالیٰ اُسکے لئے (فتح کے بعد اُس مال کو) کئی گنا زیادہ کر دیگا۔ اور اللہ تعالیٰ (جنگی ضرورتوں کیلئے مال دینے والوں میں سے منافقوں کے مال) قبض کرتا اور مومنوں کے مال زیادہ کرتا ہے۔ اور تم نے آخرت کی جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

● دیکھئے! آیت بالا میں جنگی ضرورتوں کیلئے قرضہ دینے والوں کے متعلق قبض و بسط کے دو قانون بیان ہوئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ جس شخص نے جنگی قرضہ دینے کے ساتھ ساتھ ہر لحاظ سے دین کی فتح اور غلبہ کیلئے کوشش کی ہے۔ وہ اضافے کا حقدار ہے۔ لیکن جس کسی نے اِدھر قرضہ بھی دیا ہے اور اُدھر دشمن قوم کیلئے جاسوسی کے فرائض بھی ادا کر رہا ہے۔ اُسکا دیا ہوا مال، اور جملہ خدمات ضائع ہو جاتی ہیں۔

اجمال کے بعد تفصیل آیات بالا میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ موت کے ڈر سے گھر چھوڑ کر بھاگ جانیوالے کون تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کیساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُن کو فتح کے بعد عزت کی زندگی عطا فرمائی۔ اگلی آیات کریمات میں بتایا گیا ہے کہ یہ زمانۂ داؤد علیہ السلام کے بنی اسرائیل تھے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف سرداروں کے بنی اسرائیل سے پیچھے

بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
موسیٰ کے جب کہا انہوں نے واسطے نبی اپنے کے مقرر کر واسطے

مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ
ہمارے بادشاہ کہ لڑیں ہم بیچ راہ اللہ کے کہا آیا نزدیک ہو

اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا
تم اگر لکھا جاوے اوپر تمہارے لڑنا یہ کہ نہ لڑو تم کہا انہوں نے

وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ
اور کیا ہے ہمکو یہ کہ نہ لڑینگے ہم بیچ راہ اللہ کے اور تحقیق

اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىٕنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ
نکالے گئے ہم گھروں اپنے سے اور بیٹوں اپنے سے پس جب

عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْؕ وَ اللّٰهُ
لکھا گیا اوپر اُنکے لڑنا پھر گئے مگر تھوڑے ان میں سے اور

عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ ۲۴۶
اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔

اے مخاطب! کیا تو نے موسیٰ کے بعد والے بنی اسرائیل کے سرداروں کے حالات پر غور نہیں کیا، جب اُنہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک سپہ سالار مقرر فرمایئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں۔ نبی نے فرمایا، ہو سکتا ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا جائے تو تم لڑائی نہ کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اس حالت میں اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں کہ ہم اپنے گھروں اور اولادوں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ لیکن جب اُن پر لڑائی فرض کیگئی تو اُن کی اکثریت اپنے عہد سے پھر گئی۔ مگر اُن میں سے تھوڑے سے ثابت قدم رہے، حقیقت یہ ہے کہ (اپنے عہد سے پھر جانیوالے) ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ
اور کہا واسطے اُن کے نبی اُن کے نے تحقیق اللہ نے مقرر

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًاؕ قَالُوْۤا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ
کیا ہے واسطے تمہارے طالوت کو بادشاہ کہا انہوں نے کیونکر ہوگی

الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
واسطے اُسکے بادشاہی اوپر ہمارے اور ہم بہت حقدار ہیں ساتھ

اور اُنکے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے مَلِكُ الْقِتَال (سپہ سالار) مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ اُسے ہم پر حکومت کا حق کس طرح ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اُسکی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ اُسے مالی وسعت نہیں دیگئی۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے پر اُسے اسلئے پسند فرمایا

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ
بادشاہی کے اس سے اور نہ دیا گیا وہ کشائش مال
إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ
بے کہا تحقیق اللہ نے پسند کیا اس کو اوپر تمہارے
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ
اور زیادہ دی اسکو کشادگی بیچ علم کے اور بدن کے
يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہتا ہے۔اور اللہ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ ۲۴۷
کشائش والا جاننے والا ہے

ہے کہ اُسے جنگی معلومات اور جسمانی طاقت میں تم سے زیادہ پایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے قانونِ مشیئت کے مطابق ہی ملک (حکم) عطا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ (قانونِ مشیت کے مطابق ہی) وسعت دینے والا ہے۔(اور) خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔

ع۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا استفہام انکاری ہے یعنی بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ طالوت کو ہم پر حاکمیت کا حق نہیں لیکن نبی نے کہا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ
اور کہا واسطے انکے نبی اُن کے نے تحقیق
مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ
نشانی بادشاہی اُسکی کی یہ کہ آوے تمہارے پاس صندوق
سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا
بیچ اُسکے تسکین ہے پروردگار تمہارے سے اور باقی سے
تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ
اُس چیز سے کہ چھوڑ گئی قوم موسیٰ کی اور قوم ہارون کی اٹھا
الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
لاویں اسکو فرشتے تحقیق بیچ اسکے البتہ نشانی ہے واسطے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۴۸ ۳۲ ع
تمہارے اگر ہو تم ایمان والے

اور اُن کے نبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ طالوتؔ کی حکومت کا نشان یہ ہو گا کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا۔ (یعنی ایک محفوظ مُلک تمہارے قبضہ میں آجائیگا) جس میں تمہارے ربوبیت کرنیوالے کیطرف سے (پورے عوام کیلئے) تسکین ہوگی اور وہ (ساری سابقہ حکومت بھی تمہارے پاس واپس) آجائیگی جو آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ نے پیچھے چھوڑی تھی۔ اُس (صندوق کیطرح محفوظ حکومت) کو ملائکہ (صفت نیک عمال) اٹھائینگے (چلائینگے) بلا شبہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے (طالوت کے) اس تقرر میں (اُسکی خوبیوں کا) ایک واضح نشان ہے۔

تابوت سکینہ | • تابوت کا معنیٰ ہے صندوق۔اور سکینہ کا معنیٰ ہے اطمینان، تسکین اور تسلّی۔ جس

حکومت کی سرحدیں مضبوط ہوں، اور وہ دشمن کے جارحانہ حملوں سے محفوظ ہو اُسے اصطلاحاً صندوق کہا گیا ہے۔ اور اگر اُسکا داخلی نظام عوام کے حقوقِ ربوبیتِ عامہ کی بنیادوں پر قائم کیا گیا ہو تو یہ ہے اُس صندوق کا داخلی سکون (سکینہ) اور ایسی ہی حکومت کیلئے، جو اِن داخلی اور خارجی خوبیوں سے معمور ہو اصطلاحی طور پر لایا گیا ہے یَاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ تمہارے لئے خارجی طور پر مضبوط حکومت قائم ہوجائیگی۔ اور داخلی طور پر اس میں تمہارے رب کیطرف سے (یعنی سامانِ ربوبیت کے لحاظ سے) پوری تسکین میسر ہوگی۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰئِکَةُ

• ایسی حکومت اُسوقت تک قائم نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکے عمال نیچے سے اُوپر تک سب کے سب ذاتی منفعت کوشیوں کے بہیمانہ اوصاف سے مبرا نہ ہوں۔ ایسے ہی عمال کو آئت بالا میں ملائکہ صفت ہونے کی بدولت ملائکہ کہا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عمال حکومت ہی کسی حکومت کو حکومتِ الٰہیہ بھی بنا دیتے ہیں اور شیطانی حکومت بھی بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ المختصر آئتِ بالا میں حضرتِ طالوت کی جنگی قابلیت کی بدولت حکومت کی سرحدوں کے صندوق کیطرح مضبوط ہوجانے کی وضاحت کیگئی ہے۔ اور حضرتِ موسیٰ اور ہارون کے اُن مفتوحہ علاقوں کی واپسی کی خبر بھی دیگئی ہے جو بعد والوں کی نااہلی کی بدولت بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل چکے تھے۔

روائتی مفہوم

اب آئتِ بالا کے الفاظ تابوت سکینہ، بقیہ آلِ موسیٰ و ہارون اور حمل ملائکہ کا روائتی مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مظہری کے صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے "بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے صندوق جو شمشاد کی لکڑی کا تھا اور اُس پر سنہرا کام ہوا تھا۔ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ یہ روائت ابنِ منذر نے وہب بن منبہ سے نقل کی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر ایک تابوت نازل کیا تھا جس میں انبیاء کی تصویریں تھیں پہلے تو وہ حضرت آدمؑ کے پاس رہا پھر حضرت شیثؑ کے پاس۔ اور پھر انبیاء میں میراث در میراث ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا پھر موسیٰ نے توراۃ اور اپنا کچھ سامان اُس میں رکھدیا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو انبیاء بنی اسرائیل میں ایک کے بعد دوسرے کو ملتا رہا۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ توراۃ ہی کا ایک صندوق تھا۔ بنی اسرائیل جب کہیں لڑائی میں جاتے تو اُسے اپنے آگے رکھتے تھے۔ اِسکی برکت سے اُنکی فتح ہوجاتی تھی۔ اور جب یہ صندوق چلتا تو یہ بھی چلتے تھے اور جب وہ ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے"۔

• یہاں پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ صندوق خود بخود کسطرح چلتا تھا۔ اور خود بخود کسطرح ٹھہر جاتا تھا۔ اسکا جواب بھی تفسیر مظہری کے اسی صفحہ پر بالفاظ ذیل درج ہے۔ "ابنِ عساکر نے کلبی سے، انہوں نے ابی صالح سے انہوں نے ابنِ عباسؓ سے روائت کی ہے کہ سکینہ زبرجد یا یاقوت کی ایک تصویر تھی جو تابوت میں رکھی ہوئی تھی۔ اسکا سر اور دُم شکل بلی کے سر اور دُم کے تھے اور اُسکے دو بازو تھے۔ وہ روتی چیختی تھی تو تابوت دشمن کیطرف دوڑتا تھا۔ اور لوگ اِسکے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ اور جب تابوت ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے۔ اور پھر مددِ (الٰہی) نازل ہوتی .... بعض کا قول ہے کہ اِس صندوق میں دو تختیاں توراۃ پوری اور

اُن تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا، اور آپکے دونوں جُوتے، اور ہارون کا عمامہ اور اُنکی لاٹھی اور اُس مَنّ کا ایک قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوتا تھا"۔۔۔ یہ ہے روائتی تفسیر جس کی رُو سے یہ فیصلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں کہ تابوت کے اندر کی سکینہ کیا تھی کیا وُہ بلّی کی چیخنے چلّانے والی تصویر تھی، تورات کی تختیاں تھیں یا حضرات موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہما کے کپڑے جوتے اور لاٹھیاں تھیں؟ ● تعجب انگیز یہ امر ہے کہ ان تفسیروں کو رسولی التفاسیر قرار دیدیا گیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک آیت کی رسولی تفسیر صرف ایک ہو سکتی ہے یا متعدد؟ کیا رسولی تفسیر میں بعض بعض کے اقوال کی گنجائش بھی باقی رہ جاتی ہے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ:- ● قرآن کریم قوموں کے عروج و زوال کی وضاحت کرتا اور اُن اصول و قواعد سے نوعِ انسانی کو روشناس کراتا ہے، جو عروج و زوال کا باعث بنتے ہیں سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں آپ دیکھینگے کہ حضرتِ طالوتؑ کی سپہ سالاری کے ضمن میں کسطرح ہر قسم کے جنگی اصول اُجاگر کیئے گئے ہیں۔ تاکہ قیامت تک کی اُمت اُن پر عمل کرکے کامیاب و کامران ہوتی رہے لیکن جیسے کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ روائتی تفسیر نے معاذ اللہ معاذ اللہ حضراتِ موسیٰ و ہارون اور داؤد و سلیمان سلامٌ علیہم کی کامیابیوں کا سہرا تابوتِ سکینہ کے سر باندھ رکھا ہے یعنی یہ کہ اُن میں کوئی قابلیت نہیں تھی العیاذ باللہ! فتح و نصرت تابوتِ سکینہ میں چیخنے چلّانے والی بلّی کی تصویر کی بدولت آتی تھی اب نہ اس اُمت کے پاس تابوتِ سکینہ ہو، نہ یہ قوم، اقوام عالم کے مقابلے پر کامیاب ہو سکے لیکن اس روائتی نظریہ کے برعکس اگلی آیات کریمات میں حقیقتِ حال ملاحظہ فرمائیں کہ جب حضرت طالوت بنی اسرائیل کی اُس فوج کو لیکر روانہ ہوئے جو عدۂ قتال پر قائم رہی تو ارشاد ہوا ہے:۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ
پس جب جدا ہوا طالوت ساتھ لشکروں کے کہا تحقیق اللہ
مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ
آزمانیوالا ہے تم کو ساتھ ایک نہر کے پس جو کوئی پیئیگا اُس میں سے پس نہیں
وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ
مجھ سے اور جو کوئی نہ چکھیگا اُسکو پس تحقیق وُہ مجھ سے ہے مگر جو کوئی بھر
غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ
لے ایک چلّو ساتھ ہاتھ اپنے کے پس پی گئے اُس میں سے مگر تھوڑے اُن میں سے
فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا
پس جب پار اترا اُس سے وُہ اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے ساتھ اُسکے کہنے لگے

پھر جب طالوت بنی اسرائیل کے لشکروں کو لیکر روانہ ہوئے تو آپنے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالےٰ تمہیں ایک نہر کے متعلق ایک امتناعی حکم کے ساتھ ظاہر کرنے والا ہے کہ تم میں سے کون اپنے امیر جہاد کا فرماں بردار ہے اور کون نافرمان ہے) پھر جس نے اس نہر میں سے ایک چلّو سے زائد پانی پی لیا۔ وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا۔ (اُسے الگ کر دُونگا) لیکن اُن میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے (جی بھر کر) پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور اُن کے مومن ساتھی (نہر) پار کر گئے تو (اُن میں سے) اُنہوں (یعنی پانی پی جانے والوں) نے کہا کہ

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹

نہیں طاقت ہم کو آج کے دن ساتھ جالوت کے اور لشکروں اسکے کے کہا انہی لوگوں نے جو جانتے تھے یہ کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ کے بہت بڑا کہ جماعت تھوڑی غالب آئی ہے جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ ساتھ صبر کرنیوالوں کے ہے

آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکروں کے ساتھ (جنگ کرنے کی) طاقت نہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا یقین کامل تھا (یعنی جنہوں نے نہر سے متعلقہ حکم میں طالوت کی نافرمانی نہیں کی تھی) انہوں نے کہا کہ بہت سے چھوٹے لشکر اللہ تعالیٰ کے قانون[1] (ثبات قدمی) کے ذریعہ کثیر لشکروں پر غالب آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے[2] والوں کے ساتھ ہے۔

[1] اِذن بمعنی قانون کیلئے دیکھئے آیت مجیدہ ۷/۵۸ ۔ [2] صبر بمعنی ثابت قدمی کیلئے دیکھئے آیت مجیدہ ۳/۱۴۶ ۔

بزدلوں کی دو مرتبہ کی چھانٹی

• آیات بالا سے عیاں ہو چکا ہے کہ اُس جارح قوم کے مقابلہ کیلئے جو بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئی تھی اور یہ موت کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ۲/۲۴۳، جب اللہ کے نبی نے انہیں تیار کیا تو بعض وہ تھے کہ جنگ کا حکم ملتے ہی وعدہ قتال سے پھر گئے ۲/۲۴۶ انہیں الگ کر دیا گیا۔ یہ تھی بزدلوں کی پہلی چھانٹی۔ اسکے بعد جن لوگوں نے نہر کا پانی پی کر اپنے سپہ سالار کی نافرمانی کی، جو جنگی علوم میں ماہر تھا (بسطۃً فی العلم)۔ تو جب نہر پار اُترے تو اُنکے پیٹ بوجھل ہو گئے! اوّل تو نہروں اور دریاؤں کے پانی میں مٹی کی کثرت موجود ہوتی ہے جو پیٹ میں گرانی پیدا کر دیتی ہے۔ دُوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن نے اُس میں کچھ ملا دیا ہو۔ اسلئے پانی پینے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت کے لشکروں کیساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ انہیں بھی الگ کر دیا گیا۔ یہ دُوسری چھانٹی تھی۔ لیکن مستقل مزاج مجاہدوں کے پائے ثبات میں لغزش کوئی نہ آئی۔ پس یہ ثابت قدمی ہی فتح و کامرانی کا عظیم ترین راز ہے۔ دو مرتبہ کی چھانٹی کی بدولت فوج میں لغا ہر پڑے رہنے کی سوجھا مانع حقیقت میں فتح و نصرت کو یقینی بنا تا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ اگلی آیات کریمات میں طالوت[3] اور جالوت کے جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے:-

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰

اور جب ظاہر ہوئے واسطے جالوت کے اور لشکروں اسکے کے کہا انہوں نے اے پروردگار ہمارے ڈال اُوپر ہمارے صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو اُوپر قوم کافروں کے۔

اور جب طالوت اور اُنکے لشکر، جالوت اور اُسکے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو سب نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہماری ربوبیت کرنیوالے ہمیں ثابت قدمی کیلئے وقف کر دے! اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلہ پر ثابت کر دے۔ اور (ضابطۂ ربوبیت کا) انکار کرنیوالی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرما۔

دعائے استقامت

● خداوندِ عالم نے اِس کائنات کو چونکہ عالم اسباب پیدا کیا ہے۔ اسلئے ہر مقام پر مادی اسباب کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اسی لئے خود صحابۂ رسول کو بھی حکم ہوا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت مہیا کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ تمہارے اور اللہ کے دشمن تمہاری فوجی طاقت سے گھر بیٹھے لرزہ براندام رہیں ۸ پس قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تو مادی اسباب کو نظرانداز کرنا ہی جائز ہے اور نہ ہر طرح کی مادی تیاری پر من کل الوجوہ بھروسہ کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ کسی نہ کسی گوشے میں کمی رہ جانا بالبشری تقاضا ہے۔ اسی لئے حضرت طالوت نے جہاں فوجی سامان تیر تفنگ نیزے بھالے اور تلواریں وغیرہ اُس وقت کے مکمل فوجی ہتھیار مہیا فرمائے تھے وہاں فوج میں سے بزدلوں اور حکم عدولوں کی پوری طرح چھانٹی بھی کردی تھی۔ لیکن اس پوری تیاری کے باوجود حضورِ الٰہی میں یہ دعا بھی فرمائی تھی :-

● رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ —— غور فرمائیں! یہ دُعا ربّنا کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرت طالوت کی یہ جنگ ربوبیتِ عامہ کے قیام کیلئے تھی۔ اور مدِّمقابل یعنی جالوت غاصب ربوبیت تھا جس نے بنی اسرائیل کے گھروں تک پر قبضہ کر رکھا تھا۔

● ایسی جنگیں ہی وہ جنگیں ہیں جنہیں قرآنِ کریم جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے ۴/۷۵ ۲۲/۹ ۳۹-۴۰ ۔ مذکورہ بالا جنگ میں جہاں ایکطرف طاغوتی لشکروں کی کثرت اور ربّانی فوجوں کی قلت تھی۔ اگلی آیت مجیدہ میں اِس جنگ کا نتیجہ بالفاظ ذیل بیان ہوا ہے :-

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ
پس شکست دی انکو ساتھ حکم اللہ کے اور قتل کیا داؤد نے

جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ
جالوت کو اور دی اسکو اللہ نے پادشاہی اور حکمت اور سکھایا

مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
اسکو جو کچھ چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو بعضے انکے کو

بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ
ساتھ بعضے کے البتہ بگڑ جاتی زمین ولیکن اللہ صاحب

فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ۲۵۱
فضل کا ہے اوپر عالموں کے۔

پس اُن (قلیل ربّانی) لشکروں نے، اُن (کثیر طاغوتی فوجوں) کو شکست فاش دیدی۔ اور جالوت کو داؤد نے قتل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ اور اُسے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق تعلیم دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض (یعنی ظالموں) کو، بعض کے ذریعہ (یعنی اُن سے طاقتوروں یا مستقل مزاجوں) کے ذریعہ دفع کرنے کا دستور نہ ہو تو زمین فساد سے بھرپور ہو جائے۔ ولیکن اللہ تعالیٰ جملہ اہلِ عالم کے لئے صاحب فضل ہے۔

● واضح رہے کہ اس قصّہ کی غرضِ نزول، اقوامِ عالم پر اس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ اگرچہ قوانینِ مشیّت کیمطابق ہر قوم کو مادی طاقت کیساتھ حکومت میسر آجاتی ہے لیکن یہ بھی قانونِ مشیّت ہے کہ جب کسی قوم کا پیمانۂ ظلم لبریز ہو جاتا ہے تو کسی اور قوم کے

ذریعہ اُسے الگ کردیا جاتا ہے ۔ اب اِس سے اگلی اور عنوان زیر نظر کی آخری آئت مجیدہ میں خود آنحضور کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ
یہ نشانیاں ہیں اللہ کی پڑھتے ہیں ہم انکو اوپر تیرے ساتھ حق کے
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۲۵۲
اور تحقیق تو البتہ بھیجے ہوؤں سے ہے۔

اے رسول! یہ اللہ تعالیٰ کی آئتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کیساتھ (یعنی صحیح واقعات اور صحیح قوانین کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔

● واضح رہے کہ آئت نمبر ۲۴۳ تا ۲۵۲ میں قتال فی سبیل اللہ کا عنوان تھا۔ جسکی آخری آئت میں چونکہ آنحضور کے متعلق ارشاد ہوا ہے

اللہ تعالیٰ کے جملہ رسول ایک سے ایک افضل ہیں

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اسلئے اگلی آئت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر اپنے رسولوں کے مدارج کی وضاحت فرمادی ہے کہ وُہ سب ایک سے ایک افضل تھے۔ اُن میں سے گھٹیا قسم کا رسول ہرگز ہرگز کوئی نہیں تھا۔ حضرات ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ سلامٌ علیہم کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آیات نمبر ۵۳ تا ۱۴۰ میں پیچھے گزر چکا ہے۔ اور حضرات موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم کا ذکر عین متصل آیاتِ بالا میں موجود ہے۔ اب انسانی ذہن میں جو یہ سوال پیدا ہونا ممکن ہے کہ اللہ کے رسولوں میں مدارج کے لحاظ سے کونسا رسول افضل اور کونسا کمتر ہے معاذ اللہ۔ اس کا جواب دیا جارہا ہے:-

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
یہ پیغمبر بزرگی دی ہم نے بعضے اُن کو اوپر بعض
عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
کے۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں کہ باتیں کی اللہ نے اُن سے اور بلند
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
کیا بعضے اُنکے کو درجوں میں۔ اور دی ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کے کو
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ
دلیلیں ظاہر اور قوت دی ہم نے اس کو ساتھ جان پاک کے اور اگر
شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ
چاہتا اللہ نہ لڑتے وہ لوگ کہ پیچھے اُن سے تھے پیچھے اسکے کہ

(وقف لازم)

مذکورہ بالا سب (ہمارے ہی) رسول ہیں۔ ہم نے اُن میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمائی۔ اور بعض کو (دوسرے طریقوں سے) درجوں میں بلند کیا۔ خصوصاً عیسیٰ ابن مریم کو بھی واضح دلائل عطا فرمائے۔ یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کے ساتھ اُن کی مدد فرمائی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (لوگوں سے زبردستی فرمانبرداری کرانا) چاہتا، تو (ان رسولوں سے) بعد والے لوگ آپس میں (ہرگز) لڑائیاں نہ کرتے (خصوصاً

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا
آئیں اُن کے پاس دلیلیں ظاہر ولیکن اختلاف کیا انہوں نے
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
پس بعضے اُن میں سے وہ شخص ہے کہ ایمان لایا اور بعضے اُن میں سے وہ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
ہے کہ کافر ہوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے۔ اور لیکن اللہ
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۲۵۳ ع ۳۲
کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

واضح دلائل آ چکنے کے بعد۔ ولیکن رسولوں کے بعد والوں نے آپس میں خود اختلاف پیدا کر لیا۔ پھر اُن میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو ضابطۂ ربوبیت پر ایمان لائے اور بعض وُہ تھے جنہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی ہدایت دینا) چاہتا تو وُہ آپس میں نہ لڑتے۔ ولیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا دل چاہے مقرر کردہ قانونِ مشیت کے مطابق ہی) ارادہ کرتا ہے۔

• اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار وارادے کیساتھ اُسکی فرمانبرداری یا نافرمانی، جو چاہے خود کرے۔ چنانچہ نوعِ انسانی کو ارشاد ہوا ہے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱ = فرمانبرداری یا نافرمانی کے اچھے یا بُرے عمل جیسے بھی چاہو اپنے اختیار وارادہ کیساتھ خود کرو۔ (اللہ تعالیٰ نہ زبردستی فرمانبرداری کراتا ہے نہ نافرمانی)۔

انبیاء کے مدارج کُتبِ روایات کے آئینے میں

• آیت بالا کے الفاظ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا یہ معنیٰ اُوپر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے ایسی چیز کی تاید لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۲۸۵ کے الفاظ میں بزبانِ رسول کریم و صحابہ کرام موجود ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے لیکن کُتبِ روایات اِس آیہ جلیلہ سے یہ تصور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض سے افضل قرار دیا ہے اور بعض کو بعض سے کمتر معاذ اللہ استغفر اللہ

• چنانچہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ ام نسر ربع چہارم کے صفحہ نمبر ۲۱ پر فضیلتِ انبیاء کے باب میں بخاری مسلم کی متفق علیہ روایت درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضور نے فرمایا۔ لا اقول ان احد افضل من یونس بن متی = میں نہیں کہتا کہ یونس بن متی سے کوئی رسول بھی افضل ہے ــــ نیز اسی روایت میں درج ہے کہ آنحضور نے فرمایا۔ لا تخیّروا علٰی موسٰی = مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔

• دیکھئے! اس روایت میں بارشادِ رسول بتایا گیا ہے کہ آنحضور سے حضرت موسیٰ افضل تھے اور سب رسولوں سے حضرت یونس افضل تھے لیکن اسکے برعکس اہلِ روایات کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رسولِ عربی سب سے افضل ہیں۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف کی اسی روایت کے آخر میں آیا ہے لا تخیّروا بین الانبیاء = نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دینا۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

قتال و جہاد کیلئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو

• مذکورہ بالا جملہ معترضہ کے بعد پھر اصل مضمون قتال فی سبیل اللہ کی طرف رُخ کر کے بتایا گیا ہے کہ مال کے بغیر نہ سامانِ حرب مہیا کیا جا سکتا ہے نہ جنگ کامیاب ہو سکتی ہے۔

چنانچہ اگلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس چیز سے کہ دیا ہم نے تم کو
قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا
پہلے اس سے کہ آئے وہ دن کہ نہیں خرید و فروخت بیچ اُسکے اور نہیں دوستی
شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ ۲۵۴
اور نہ سفارش اور کافر وہی ہیں ظالم۔

ایمان والو! ہم نے جو تم کو رزق دیا ہے اُس میں سے (جہاد و قتال کیلئے بھی) اُس وقت کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر دو۔ کہ اُس میں نہ کوئی سودا بازی ہو سکیگی نہ کوئی دوستی کام آئیگی اور نہ کسی کی شفاعت فائدہ دے سکیگی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کر رہے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔

قیامت کی عدالت میں شفاعت کیوں فائدہ نہ دے سکیگی

● سفارش و شفاعت کی ضرورت اُس حاکم کو ہوتی ہے جو مقدمہ زیر سماعت کی حقیقت سے بیخبر ہو۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ ہر وقوعہ کا خود عینی گواہ ہے اسلئے اُسے کسی شفاعتی کی ضرورت نہیں جو اُسے یہ بتا سکے کہ عدالت میں حاضر ملزم کیطرف منسوب جرم کی حقیقت یوں نہیں یوں ہے۔ اسی لئے سورہ زمر میں ارشاد ہے:۔ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۳۹/۴۴ = اے رسول! اعلان کر دیجئے کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور یہ اسلئے ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ اسلئے وہ کسی بھی وقوعہ کی حقیقت سے بیخبر نہیں۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں اس خدشہ کو بھی دُور کر دیا ہے کہ نیند ہر حاضر کو بھی غافل کر دیتی ہے لیکن اللہ وہ ہے کہ اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اُونگھ!۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ
اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہ۔ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا
لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي
نہیں پکڑتی اسکو اونگھ اور نہ نیند۔ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بیچ
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي
آسمانوں کے اور جو کچھ بیچ زمین کے ہے۔ کون ہے وہ جو
يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
سفارش کرے نزدیک اُسکے مگر ساتھ حکم اُسکے کے۔ جانتا ہے جو کچھ
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ
آگے اُنکے ہے اور جو کچھ پیچھے اُن کے ہے۔ اور نہیں گھیرتے
بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ
ساتھ کسی چیز کے علم اُسکے سے مگر ساتھ اُس چیز کے، کہ چاہے

اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ از خود زندہ اور قائم بالذات ہے۔ (نیز ایسا گواہ کہ کبھی غافل نہیں ہوتا۔ کیونکہ) نہ اُسے اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اُسی ہی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اُسکے قانون کے بغیر اُسکے حضور کسی کی سفارش کر سکے (اُسے سفارش کی ضرورت ہی نہیں) کیونکہ وہ تو لوگوں کے آگے پیچھے کو (یعنی ہر کسی کے حالات کو) خود اچھی طرح جانتا ہے۔ (اُسکا علم سب پر محیط ہے) اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ سوائے اسکے کہ خود اللہ تعالیٰ نے جو (اپنے قانون مشیت کے مطابق نوع انسانی کو) دینا چاہا ہے۔ اُسکی

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ ۲۵۵

سما لیا ہے کرسی اسکی نے آسمانوں کو اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اسکو نگہبانی اُن دونوں کی اور وہ ہے بلند مرتبہ بڑا۔

کرسی (یعنی حکومت) آسمانوں اور زمین سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ (وہ آسمانوں اور زمین کی پوری پوری حفاظت کر رہا ہے) اُسکے لئے اِن دونوں کی حفاظت کچھ بھی گراں نہیں۔ اور وہی عالیشان اور عظمت والا ہے۔

؎ کرسی کا معنٰی ہے تخت۔ اور تخت چونکہ ہوتا ہے حکومت کا۔ اِسلئے یہاں کرسی بمعنی حکومت لکھا گیا ہے۔ نیز اللہ کی کرسی بمعنی تخت، یعنی بیٹھنے کی چیز اِسلئے بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم نہیں جسے تخت یا کرسی وغیرہ کی ضرورت ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ امرتسر ربع چہارم کے صفحہ ۲۲۱ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تخت اُونٹ کے کوہان کی شکل کا سات آسمانوں سے اُوپر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے سے چرچراتا ہے جیسے اُونٹ کا کجاوا اپنے سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔

● آیتِ بالا میں، لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شفاعتیوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے۔ کہ وہ اللہ کے علم میں سے صرف اُتنے ہی کے مالک ہو سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق اُنہیں میسّر آسکتا ہے۔ اِس سے شفاعت کا معنٰی اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کو خبر دینا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جو واقعہ خود دیکھا، اُسی کے متعلق شفاعت کر سکتے ہیں کہ بارِ الہا! واقعہ یُوں ہُوا تھا۔ لیکن چونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں ہے۔ اِسلئے اُس اللہ کے حضور میں جو خود علیم و علاّم اور حاضر و ناظر ہے کوئی بھی شفیع نہیں بن سکتا۔ باقی رہا شفاعت کا یہ روائتی مفہوم، کہ رسولِ مقبول قیامت کی عدالتِ عالیہ میں مجرموں کو بخشوا لینگے، اِن معنوں میں شفاعت عدل کی ضد ٹھہرتی ہے۔ یعنی شفاعت ہوگی تو عدل اُڑ جائیگا۔ اور عدل ہوگا تو شفاعت غائب۔ اِسلئے چونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور لوگوں کو بھی عدل ہی کا حکم دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۱۶/۹۰ پس ثابت ہُوا کہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں عدل ہوگا شفاعت بمعنی مجرموں کو بخشوا لینا ہرگز نہیں ہوگا۔

شفاعت کا سہ حرفی مادہ ش۔ف۔ع۔ شفع ہے۔ اِسکا بنیادی معنٰی ہے جوڑہ۔ ۸۹/۳ میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ یعنی جُفت اور طاق کے تقابل کیساتھ انہی معنوں کی وضاحت کردیگئی ہے۔ شفع الشیٔ کا معنٰی ہے جوڑا بنایا۔ عَیْنٌ شَافِعَۃٌ کا معنٰی ہے ایک چیز کو دو دیکھنے والی آنکھ۔ ہر پڑوسی پر اُسکے پڑوسی کا حقِ شفع مسلّم ہے۔ یعنی پڑوسی پڑوسی اپنے مقام کی رُو سے ایک ہی سطح کے جوڑے شمار ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی سطح کا کوئی فرد و بشر ہے ہی نہیں۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کو حقِ شفع حاصل نہیں کہ کسی کا شفیع بن کر اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آسکے۔ اور اُسے بتا سکے کہ فلاں ملزم پر لگایا گیا الزام غلط ہے۔ واقعہ چونکہ یُوں نہیں بلکہ یُوں ہے۔ اِسلئے ملزم کو سزا نہیں دی جانی چاہیئے۔ اور یا شفاعت کے روائتی مفہوم کے مطابق شفیع یہ کہے کہ یہ شخص ہے تو حقا سچا مجرم لیکن تو اپنے عدل و انصاف کا قانون توڑ کر اِسے سزا نہ دے۔ پس روایات کا پیش کردہ شفاعت کا مفہوم دونوں صورتوں میں غلط ہے کہ نہ کوئی فرد اُس علیم و علاّم اور حاضر و ناظر کو حقیقتِ واقعہ سے آگاہ کرنے

کیلئے شفیع ہو سکتا ہے۔ اور نہ سچے جھوٹے مجرم کو سزا سے بچانے، یعنی اللہ سے اُسکا قانونِ عدل و انصاف تُڑوانے کیلئے۔

● آنحضور سلام علیہ کو روایات نے شفیع ٹھہرایا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں آپکی متعدد صفات، رؤف، رحیم، کریم، خاتم النبیین وغیرہ تو آئی ہیں، لیکن قرآن بھر میں آپکے لئے شفیع کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ باقی رہا آیت بالا میں عنوانِ شفاعت کے ماتحت اِلَّا بِاِذْنِہٖ کی قرآنی تفسیر کا سوال۔ اِس کیلئے ۵/۱۱۶ میں حضرت مسیح کے متعلق مذکور ہے کہ قیامت کو اُن سے پوچھا جائیگا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ ساتھ دو اِلٰہ ادر ٹھہرالو۔ تو آپ کہینگے، میں نے نہیں کہا تھا۔ اِن لوگوں نے خود ہی تین خداؤں کا عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ اور اسی طرح جب آنحضور سے آپ کی اُمت کے متعلق پوچھا جائیگا تو آپ کہینگے۔ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = لے میرے پروردگار! میں نے انہیں قرآن چھوڑ دینے کو نہیں کہا تھا۔ میری اِس قوم نے خود ہی اِس قرآن کو اس طرح پکڑا ہُوا تھا جس طرح چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ ہے اپنی اپنی اُمت کے متعلق انبیاء سلام علیہم کی شفاعت، جس کی خبر قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ اور جس کے متعلق درج ہے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۷۸/۳۸ = وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کرینگے۔ اور بات صحیح صحیح کرینگے

اللہ کے دین میں زبردستی نہیں ہے

آیت بالا میں عدم شفاعت کے اعلان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اسکی وجہ بیان کیگئی ہے کہ اللہ کے دین میں جبر کوئی نہیں۔ ہم نے حق و باطل کو اپنی کتابوں کے ذریعہ نکھار کر رکھ دیا ہُوا ہے۔ جو چاہے خود ہدایت کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے خود گمراہ ہو جائے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ
نہیں زبردستی بیچ دین کے تحقیق ظاہر ہو گیا ہے راہ پانا
مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ
گمراہی سے پس جو کوئی کفر کرے ساتھ شیطان کے اور ایمان لاوے ساتھ
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
اللہ کے پس تحقیق پکڑ رکھا اُس نے کڑا مضبوط نہیں ٹوٹنا واسطے اُسکے
لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ۲۵۶
اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ کے دین میں جبر نہیں۔ گمراہی سے ہدایت نکھر کر عیاں ہو چکی ہے۔ پس جس نے خود باطل پیشوا کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اُس نے ایک مضبوط ہینڈل کو تھام لیا جس کیلئے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

یعنی باطل پیشوا طاغوت، جو جو کچھ اللہ اور اُسکے رسولوں کے ذمہ لگا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اُنہیں وہ سنتا ہے اور جو جو کرتوتیں وہ اِس سلسلے میں کرتے ہیں اُنہیں وہ خوب خوب جانتا ہے۔

لفظ طاغوت کا سہ حرفی مادہ ط۔غ۔و = طغو ہے۔ اس کا بنیادی معنی ہے قانونِ خداوندی کی سرکشی کرنا اُسکی حدیں توڑنا۔ اور طاغوت اُسے کہتے ہیں، جسے عوام پر اثر و اقتدار حاصل ہو۔ خواہ وہ ملکی حکومت کے ذریعہ ہو، یا عقیدۃً پیشوائیت

کے ذریعہ۔ لوگ اِن طاغوتوں کو اپنے حاجت روا اور مددگار تسلیم کرتے ہیں لیکن اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ ضابطہ خداوندی پر ایمان لے آئیں، اُنکا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، اُنہیں طاغوتوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
اللہ دوست دار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے نکالتا
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ
ہے اُن کو اندھیروں سے طرف روشنی کے اور جو لوگ کہ کافر ہوئے
الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى
دوست اُنکے شیطان ہیں نکالتے ہیں اُن کو روشنی سے طرف
الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا
اندھیروں کے یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے وہ بیچ اُس کے
خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵۷
ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ع ۳۴ ۲

جو لوگ (طاغوتوں سے منہ موڑ کر) ضابطۂ الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔ اُنکا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اُنہیں (ناہموار قوانین) کے اندھیروں سے نکالکر (اپنے ضابطہ کے) نور میں لے آتا ہے۔ اور جو لوگ (اس ضابطے کا) انکار کرتے ہیں، اُنکے مددگار (اُنہیں گمراہ کرنیوالے) طاغوت ہیں۔ وہ اُنہیں ضابطۂ الٰہی کے نور سے، ناہموار قوانین کے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ وہ (طاغوت اور اُن سے مدد مرادیں مانگنے والے) سب اہلِ نار ہیں۔ وہ اُنہیں ہمیشہ رہینگے۔

ناہموار معاشرہ النار ہے

قرآن کریم میں اَلنَّار، اَلْجَنَّۃ کی ضد بیان ہوئی ہے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ ۵۹/۲۰ = اہلِ نار اور اہلِ جنّت باہم برابر نہیں ہیں۔ اہلِ جنّت کامیاب ہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے اِس کامیابی وکامرانی کی وضاحت اہلِ جنّت کی تعریف کرتے ہوئے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں بیان کی ہے کہ، جنّت وہ ربانی نظام ہے، جسمیں ربوبیّتِ عامہ کی یہ حالت ہو کہ اُس میں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ پس اَلنَّار، اَلْجَنَّۃ کی ضد ہوتے ہوئے، وہ ناہموار ریاستی نظام ہے، جس میں بھوکے ننگے بے علاج اور بے مکان افراد موجود ہوں۔ چنانچہ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ربوبیّتِ عامہ کے ایک ڈاکو طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جسے حضرت ابراہیم سلام علیہ نے درسِ ربوبیت دیا، لیکن نشۂ اقتدار کی بدمستی میں اُس طاغوت پر اُنکی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف اس شخص کے کہ جھگڑا ابراہیم سے
رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ
بیچ پروردگار اُسکے کے اسواسطے کہ دی اُسکو اللہ نے بادشاہی جس وقت
الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ
کہا ابراہیم نے پروردگار میرا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے کہا میں جلاتا

اے رسول! کیا آپنے اُس شخص پر غور نہیں کیا جسے اللہ تعالیٰ نے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) حکومت دیا گیا پایا تھا، جس نے ابراہیم کیسا تھ اُسکے رب (کی ربوبیّتِ عامہ) کے بارے میں جھگڑا کیا۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ابراہیم نے اُس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ اُس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا اور موت

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ
ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے پس تحقیق اللہ لاتا ہے سورج کو
الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
مشرق سے پس لے آ تو اُسکو مغرب سے پس ہکا بکا ہوا وہ جو
الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
کافر تھا اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا قوم ظالموں
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۲۵۸
کو۔

دیتا ہوں (جسے چاہوں زندہ رکھوں، جسے چاہوں مردادوں) ابراہیم نے کہا، بلاشبہ اللہ (جو میرا رب ہے) سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ تو اُسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ اِس پر وہ جس نے (رب العلمین کی ربوبیت کا) انکار کیا تھا لاجواب ہوگیا۔ (اب اُسے نظریہ ربوبیت عامہ کو مان لینا چاہیئے تھا لیکن وہ نہ مانا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (ایسے) بے ٹھکانا کام کرنیوالوں کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● اِس طرح جب لاجواب ہو چکنے کے باوجود، اُس نے نظریہ ربوبیتِ عامہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو حضرت کی طرف سے اس کے بعد کی تبلیغ محذوف ہے، جو اگلی آیت مجیدہ سے عیاں ہے کہ آپ نے اُسے آگاہ کیا کہ اگر تجھے ربوبیت عامہ کی مخالفت کی سزا اِس دُنیا میں نہ مل سکی۔ تو یاد رکھ کہ تو مرنے کے بعد جوابدہی کیلئے اُٹھایا جائیگا۔ لیکن اُس نے دُوسری زندگی کا بھی انکار کردیا کہ ایسا کبھی ہو سکتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت چڑھ جائے۔ اِن محذوفات کا واضح جواب تو خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر نہیں دکھاتا۔ اپنے رسول یا کتاب ہی کے ذریعہ قیامت کی جوابدہی کی خبر دیتا ہے چنانچہ مذکورہ بادشاہ پر حضرتِ ابراہیم کے ذریعہ دلائل قاطعہ کیساتھ اتمام حجت کردی گئی، کہ اِس طرح اگر کوئی شخص لاجواب کر دینے والے دلائل کے بعد بھی رب العلمین کو نہ مانے، اور ربوبیتِ عامہ کی مخالفت کے اُخروی عذاب کیلئے دوبارہ زندہ کیئے جانے کو تسلیم نہ کرے۔ تو پھر بالآخر مذکورہ دلائل قاطعہ کیساتھ قیامت کی جوابدہی کیلئے دوبارہ زندہ کیا جانا منوایا جاسکتا ہے اور یا۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ
یا مانند اس شخص کے کہ گزرا اوپر ایک گاؤں کے اور وہ گرا
عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ
ہوا تھا اوپر چھتوں اپنی کے کہا کیونکر زندہ کریگا اسکو اللہ تعالیٰ
مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ
پیچھے موت اسکی کے پس مار ڈالا اسکو اللہ نے سو برس پھر جلایا اسکو
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ
کہا کتنی دیر رہا تو کہا رہا میں ایک دن یا تھوڑا دن سے۔

یا اُس شخص کی مانند ہو جو ایک ایسی بستی سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی ہو۔ وہ کہے کہ اس بستی کے اس طرح اُجڑ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اِسے دوبارہ کس طرح آباد کریگا پھر اُسے اللہ سو سال کیلئے مار ڈالے (اور اپنی قانونی رفتار کیساتھ سو سال میں اُس بستی کو آباد کرلے) پھر اسکے بعد اُسے زندہ کرے۔ اللہ اُس سے کہے تو کتنا عرصہ (مرا) رہا۔ وہ کہے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، اللہ کہے بلکہ تو سو سال مرا رہا ہے۔ دیکھ (اتنے عرصے میں بستی آباد ہو چکی ہے لیکن) تیرا کھانا

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ
کہا بلکہ رہا تو سو برس، پس دیکھ طرف کھانے اپنے کے اور پینے اپنے
وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ
کے کہ نہیں سڑا اور دیکھ طرف گدھے اپنے کے اور تو کہ
وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ
کریں ہم تجھ کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھ طرف ہڈیوں
كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا
کے کہ کیونکر چڑھاتے ہیں ہم اُن کو پھر پہناتے ہیں ہم اُن کو گوشت
تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
پس جب ظاہر ہوا واسطے اُسکے کہا جانتا ہوں میں تحقیق اللہ تو
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۵۹
اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور پانی بوسیدہ نہیں ہوا۔ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ تاکہ ہم تجھے لوگوں کیلئے ایک نشانی ٹھہرائیں، اور (گدھے کی پراگندہ) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح اُنہیں اکٹھا کرتے اور اُن پہ گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب (گدھے کی ہڈیوں کا اکٹھا ہونا اور اُن پر گوشت چڑھنا) اُسکے لئے عملاً واضح ہوجائے تو پھر وہ کہے میں نے جان لیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے اور پیمانے مقرر کرنیوالا ہے۔

ماضی برائے مضارع

آیت بالا، اَوْ كَالَّذِیْ حرفِ تشبیہ برائے مثال سے شروع ہوتی ہے۔ اور چونکہ مثال کا عطف مثال ہی پہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۱۳ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اس مثال کا عطف ۲/۱۹ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ .... الخ پر ہے۔ اور اُس مثال کا عطف ۲/۱۷ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا .... الخ کی مثال پر ہے۔ پس اِس آیت میں ربوبیت عامہ کی جزایئی کے مذکورہ بالا منکر کے انکار پر بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ یا تو مذکورہ طریقہ سے، جیسے کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ کیا گیا، کہ دلائل قاطعہ کیساتھ حقیقت ربوبیت نمایاں کی جائے۔ اور یا پھر کسی کو اس طرح سو سال کیلئے مار کر، پھر زندہ کرکے اور پھر اُسکی آنکھوں کے سامنے ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر منوایا جائے کہ منکر کافی عمل کیلئے اس طرح زندہ کرلیا جائیگا، لیکن یہ قانونِ خداوندی کے سو فیصدی خلاف ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہاں اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ فعل ماضی آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ اِسکا جواب یہ ہے، کہ فعل ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو اُسے مضارع بنا دیتا ہے۔ یہاں مَرَّ فعل ماضی پر اَلَّذِیْ اسم موصول داخل ہوا ہے۔ اسلئے یہ واقعہ نہیں بلکہ اُسی طرح کی مثال بیان ہو رہی ہے جیسے کہ اس آیت مجیدہ کے معطوف علیہ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۲/۱۷ میں اِسْتَوْقَدَ فعل ماضی پر اَلَّذِیْ اسم موصول داخل ہوا ہے۔ اور جس طرح وہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا کہ کسی نے آگ جلائی تھی جسے اللہ نے بجھا دیا تھا۔ اسی طرح یہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا کہ کوئی شخص مردہ بستی پر سے گزرا۔ اور اُسے اللہ نے اُس کے یہ کہنے پر کہ اللہ اِس بستی کو کس طرح زندہ کریگا، سو سال کیلئے مار ڈالا تھا۔ پھر زندہ کیا تھا۔ اور اُسکی آنکھوں کے سامنے گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو جمع کیا تھا۔ اُن پر گوشت چڑھایا

تھا۔ اور پھر اُس نے تسلیم کیا تھا کہ واقعی اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

روائتی تفسیر روائتی تفاسیر نے اِس آیت مجیدہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عُزیرؑ کسی اُجڑی ہوئی بستی پر سے گذرے۔ اور کہا کہ اِسے اللہ تعالیٰ کس طرح آباد کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سو سال کیلئے فوت کر دیا۔ پھر اُنہیں زندہ کر دیا۔ اور پُوچھا کہ آپ کتنا عرصہ مرے رہے ہیں۔ آپنے فرمایا ایک دِن یا دِن کا کوئی حصّہ۔ اللہ نے فرمایا نہیں آپ سو سال مرے رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے بستی آباد ہو چکی ہے۔ آپکا کھانا اور پانی سو سال میں خراب نہیں ہوا۔ آپکے گدھے کی ہڈیاں بکھر چکی ہیں۔ دیکھئے ہم آپکی نگاہوں کے سامنے اِن پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ آخر جب اللہ تعالیٰ نے ایسا کر کے دکھا دیا تو آپنے فرمایا کہ اب میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ قیامت کو ہمیں ضرور زندہ کریگا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں کو قیامت منوانے کیلئے اِس طرح ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ تو یہ عملی مشاہدہ، ربوبیّت اور قیامت کے ہر مُنکر کو بھی، اور اُس مُنکر بادشاہ کو خصوصاً دکھانا چاہیئے تھا۔ جس نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ لاجواب ہو چکنے کے باوجود اِنکار کر دیا تھا۔

● افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر نے حضرت عُزیرؑ ہی کیساتھ ایسا تصرّف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کیساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ منسوب کر رکھا ہے کہ آپنے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ بارِ الٰہا! تو مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا اِس پر تیرا ایمان نہیں۔ آپنے فرمایا ایمان تو ہے لیکن اطمینانِ قلب کیلئے سوال کیا ہے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لیجئے۔ پھر اُنہیں مار کر، اور اُنکا گوشت باہم ملا کر اُسے سب پہاڑوں پر رکھ دیجئے اور پھر اُنہیں آواز دیجئے۔ تو ہر پرندے کے گوشت کے ٹکڑے الگ الگ پہاڑ سے اُڑ کر، اور اکٹھے ہو کر زندہ ہو جائیں گے اور آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ چنانچہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اطمینانِ قلب کیلئے ایسا ہی کر کے دکھایا گیا تھا۔

● لیکن اِس پر بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں کے اطمینانِ قلب کیلئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ قیامت کو مُردے زندہ کریگا۔ عملی طور پر مُردوں کو زندہ کر کے دکھانے کی ضرورت ہے تو یہ عملی مشاہدہ ہر منکرِ قیامت کو قیامت منوانے کیلئے دکھایا جانا چاہیئے۔ اور ہر مومن کے سامانِ اطمینانِ قلب کیلئے سب کی آنکھوں کے سامنے مُردے زندہ کئے جانے چاہئیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ پر سے اتمامِ حجّت ختم ہو جائے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اِن آیاتِ کریمات کی روائتی تفاسیر سے انبیاء سلامٌ علیہم کی توہین ہوتی ہے کہ مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب میسّر نہیں آتا تھا۔ العیاذ باللہ!

حقیقتِ حال اب آئیے حقیقتِ حال کی طرف! آیت نمبر ۲۵۸ میں حضرت ابراہیمؑ، اور ربوبیّت عامہ اور قیامت کی باز پُرس کے مُنکر بادشاہ کا مکالمہ گزر چکا ہے کہ آپنے اُسے دلائلِ قاطعہ کیساتھ لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ اِس پر خدا تعالیٰ نے آیت نمبر ۲۵۹ میں بطور مثال بیان کیا ہے کہ ہمارا قانونِ تبلیغ تو صرف

دلائل قاطعہ کیساتھ لاجواب کرتا ہے۔ اور اگر یہ کافی نہیں تو پھر یہ ہو سکتا ہے کہ ہر کسی کی آنکھوں کے سامنے مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھایا جائے۔ تاکہ وہ قیامت پر ایمان لے آئے۔ لیکن اس طرح ربوبیّت اور قیامت منوانا اللہ کا قانون ہی نہیں اس ضمنی وضاحت کے بعد اس سے اگلی آیت مجیدہ نمبر ۲۶۰ میں حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی اُس مایوسی کا تذکرہ اور اُسکا حل بیان ہوا ہے۔ جو آپ پر اُسوقت وارد ہوئی، جب آپ قوم کے ستارہ پرستوں کو بھی لاجواب کر چکے کہ یہ سورج چاند ستارے جو طلوع و غروب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہر آن خود گردش میں ہیں یہ معبود نہیں ہو سکتے۔ اور قوم کے بُت پرستوں پر بُتوں کی بے بسی اس طرح عیاں کر دی کہ آپنے بڑے بُت کی موجودگی میں، اُسکے ماتحت عملے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور وہ انہیں بچا نہ سکا۔ لیکن قوم اس کے باوجود نہ ستارہ پرستی سے باز آئی نہ بُت پرستی سے۔ اِسکے بعد باری بھی مُلک کے بادشاہ کی، جو خود عوام کا رب بنا بیٹھا تھا۔ آپنے اُسے بھی لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ بھی ایمان نہ لایا۔ اور چاروں طرف آپکے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ایسے وقت پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے۔ اب یہ پوری قوم سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی مصداق ہو چکی، تو آپنے مایوسانہ انداز کیساتھ حضورِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارِ الٰہا! تو اِن ایمانی مُردوں کو کسطرح زندہ کریگا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ
اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے دکھلا دے مجھکو کیونکر
الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ
جِلاتا ہے مُردوں کو کہا کیا نہیں ایمان لایا تو کہا بلکہ لایا ہوں لیکن تو
قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ
کہ آرام پکڑے دِل میرا کہا پس لے چار جانوروں سے پس صورت
اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا
پہچان رکھو طرف اپنے پھر کرکے اوپر ہر پہاڑ کے اُن میں سے ایک
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
ٹکڑا بلا اُن کو چلے آوینگے تیرے پاس دوڑتے اور جان یہ کہ اللہ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۶۰ ع ۳۵
غالب ہے حکمت والا۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (پوری) قوم سے مایوس ہوکر) ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھے سمجھا کہ تو ایمانی مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ اللہ نے فرمایا کیا تو نہیں مانتا (کہ ایمانی مُردے زندہ ہو جائینگے) آپنے کہا ہاں مانتا ہوں اور لیکن (یہ سوال اسلئے کیا ہے کہ) میرا قلب مطمئن ہو جائے اللہ نے فرمایا (مثال کے طور پر) تو چار پرندے (غیر اللہ کی تقلید سے آزاد افراد) انتخاب کر۔ پھر اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لے (یعنی اُنہیں اپنی تعلیم دے) پھر اُن میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر (ایمانی مُردوں کے الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں) متعیّن کر۔ پھر اُنہیں بُلا۔ وُہ تیری طرف دوڑتے ہُوئے آئینگے۔ اور جانے رہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

تحفظ ناموس رسالت

اِس آیت کا آخری جملہ ہے :۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ جس سے ظاہر ہے حضرتِ ابراہیم کو تبلیغ کا پُرحکمت طریقہ سکھایا گیا ہے۔ اور آپکا سوال ایمانی مُردوں کو زندہ

کرنے کے متعلق تھا۔ قیامت کے طبعی مُردوں کے متعلق نہیں تھا۔ لیکن روایات نے جو تصوّر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قیامت کے مُردوں کے زندہ ہونے پر اطمینانِ قلب کیلئے چاہا تھا کہ اُنہیں مُردے زندہ کرکے دکھائے جائیں۔ یہ چیز تو ناموسِ رسالت ہی کے خلاف ہے کہ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کو قیامت کی بعثت پر قلبی اطمینان میسّر نہ ہو۔ اور آپ یہ چاہتے ہوں کہ جبتک اُنہیں مُردے زندہ کرکے نہ دکھائے جائیں اُنہیں اطمینانِ قلب میسّر نہیں آئیگا۔ اور ساتھ ہی روایات کا یہ تصوّر بھی انتہائی گھناؤنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کے خلاف حضرت ابراہیم سے چار پرندوں کا قیمہ بنوایا، اور باہم مخلوط کرواکے اُسے الگ الگ سر پہاڑ پر رکھوا کر آواز دلوائی تو وہ زندہ ہو کر آپکے پاس آگئے۔

● واضح رہے کہ نہ انبیاء سلامٌ علیہم کا ایمان اسقدر کمزور ہوتا ہے کہ جن غائب اُمور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، اُنہیں عملاً دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب ہی میسّر نہ ہو۔ یعنی جس قلبِ اطہر پر وحیٔ الٰہی کا نزول ہوتا ہو کیا یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ وہی قلب قیامت کے بارے میں تذبذب کا شکار رہا ہے؟ نیز یہ چیز بھی امکان سے باہر ہے کہ انبیاء سلامٌ علیہم مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے یعنی خدا تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کی مخالفت کے متمنّی ہوں۔ بلکہ انبیاءؑ کی بعثت کی اکلوتی غرض ایمانی مُردوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود رسولِ اکرمؐ کے فرضِ منصبی کی خبر بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۸/۲۴ = اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کی دعوت کو قبول کرو، جو اُس نے اپنے رسولؐ کی معرفت دی ہے، جسوقت کہ رسول تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہیں زندہ کردے — تو اب بتایئے یہ کونسی زندگی ہے، جو زندوں کو دی جا رہی ہے۔ یاد رہے کہ طبعی مُردوں کو ضابطۂ خداوندی کی رُو سے، قیامت سے پہلے زندہ کرنے کا تصوّر ہی باطل ہے۔ دنیا کے اندر زندہ انسانوں کو جونسی زندگی انبیاء سلامٌ علیہم اور اُنکی تعلیم کے ذریعہ دیجاتی ہے، وہ صرف ایمانی زندگی ہے، جو صرف اُن افراد کو میسّر آتی ہے، جو انبیاءؑ کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

ایک مخصوص اندازِ تبلیغ

ابراہیم سلامٌ علیہ نے اگرچہ قوم پر مشاہدۃً ثابت کر دیا کہ نہ اُنکے خود تراشیدہ بُت معبود ہو سکتے ہیں نہ چاند سورج اور ستارے وغیرہ لیکن قوم چڑ گئی، خود حضرت کے والد نے کہا کہ ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالینگے ۱۹/۴۶۔ جس زمانے میں حالات اِس حد تک پہنچ جائیں، کہ حقیقتاً اسلاف پرستی کی نذر ہو جائے۔ تو ایسے وقت پر اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ قوم کے وہ افراد، جو اسلاف کے باطل عقائد کی قید سے پرندوں کی طرح آزاد ہوں اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لیں۔ جو افراد آپ سے ہل مل جائینگے، وہ پرندوں کی طرح ایسے مانوس ہو جائینگے کہ بلائے جانے پر دُور دراز اور سنگلاخ مقامات سے بھی دوڑ کر آپکے پاس آجائینگے۔

● افراد کو ہلانے اور مانوس کرنے کا طریقہ ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہے، جیسے کہ پرندوں کو ہلانے کیلئے اُن کی خوراک اور باحفاظت رہائش کا انتظام کر دینا ہی کافی ہو جاتا ہے۔ جو شخص اُنہیں خوراک دیتا ہے۔ اُسکے ساتھ ایسے مانوس ہو جاتے ہیں کہ اُسکے

ہاتھوں پر آ بیٹھتے، اُسکے سر اور کندھوں کیساتھ کھیلتے، بلکہ اُسکے جسم کے ایک ایک حصّے کیساتھ اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔ یہی حالت انسان کی ہے جس شخص سے اُسکے ضروریات زندگی میسّر آئیں اُس سے ہل مل جاتا ہے۔ اُسکی ہر بات، خواہ وہ اُسکے آبائی عقیدہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، غور سے سُنتا ہے۔

● پس یاد رہے کہ وحی الٰہی کے پیغام کو بغور و توجّہ سُننا ہی ہدائت پانے کا پہلا قدم ہے جب کسی چیز پر غور کیا جائے تو اُسکی اچھائیاں اور بُرائیاں نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہیں۔ آئت زیر بحث میں حضرت ابراہیم کو اِس انداز تبلیغ کی تعلیم دی گئی ہے کہ قوم کے فائدوں کے سامان عام کر کے اُنہیں اپنے ساتھ ہِلا مِلا لیں۔ اس طرح جب وہ اپنے اپنے فائدوں کی خاطر آپکے قریب آجائینگے تو آپ کی ہر بات توجّہ سے سُنینگے۔ اور جب آپکی تبلیغ پر غور کرنے لگیں گے، تو راہِ ہدائت نمایاں ہو جائیگی۔

حضرت یوسف کی تبلیغ قید خانے میں

حضرتِ یوسؑف کو خواب کی تعبیروں کا ملکا حاصل تھا۔ آپکے جیل کے دو ساتھیوں کو جب اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کی غرض لاحق ہوئی۔ تو دونوں آپ کے قریب آئے۔ حصولِ مطلب کیلئے آپکی تعریف کی:۔ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۱۲/۳۶ = بیشک ہم آپکو احسان کرنیوالوں میں سے دیکھتے ہیں۔ آپنے اِس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے، کہ اب چونکہ اُنہیں ذاتی غرض لاحق ہے۔ اِسلئے اب یہ میری بات کو ضرور سنیں گے۔ خواہ وہ اُنکے آبائی متوارث عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپنے فرمایا کہ تمہاری خوابوں کی تعبیر تو میں کھانا آنے سے پہلے بتا دونگا۔ لیکن پہلے میری ایک بات سُن لو۔

یہ کہا اور بالفاظِ ذیل تبلیغ شروع کر دی کہ ذرا غور سے سُن لو:" میں نے اُن لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہوا ہے، جو اللہ کو نہیں مانتے اور قیامت کے منکر ہیں۔ میں اپنے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوبؑ کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لیئے یہ لائق نہیں کہ ہم اللہ کیساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں ...... ۱۲/۳۸ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا ہر کسی کے الگ الگ رب ہونا بہتر ہے یا سب کا ایک اللہ رب ہو یہ بہتر ہے ۱۲/۳۹۔ جن سے تم اللہ کے سوا مدد و مُرادیں مانگتے ہو وہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیئے ہوئے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں اُس نے حکم دیدیا ہوا ہے، کہ اُسکے سوا کسی سے مدد مُرادیں نہ مانگا کرو یہی دین قیّم ہے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے ۱۲/۴۰"

● اِس مکمل تبلیغ کے بعد آپنے اُن کی خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اب چونکہ اُن کی ذاتی غرض و منفعت خوابوں کی تعبیر معلوم کرنا تھا۔ اُسکے حصول سے ماقبل اُنہوں نے اُس تبلیغ کو، جو اُنکے باپ دادا کے دین کے خلاف تھی بصد غور و توجّہ سُنا۔ حضرتِ یوسؑف کی تبلیغ کامل طور پر اُسوقت کامیاب ہوئی جب آپنے تقسیم رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کیا۔ اور ہر نزدیک و دُور سے لوگ اپنی منفعت کے کیلئے آپکی طرف کھچے چلے آنے لگے۔ نیز سُنّتِ یوسفی تو آپ قید خانے کے دو ساتھیوں کی تعبیرِ خواب کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ آپنے اُنہیں تعبیریں بعد میں بتائیں اور تبلیغِ توحید کے فرائض پہلے انجام دیئے۔ اِسی طرح غلّہ کے دورِ کنٹرول میں بھی آپ

ہر قریب آنیوالے کو پہلے پیغام توحید پہنچا کر فرائض نبوت و رسالت ادا کرتے تھے۔ اور بعد میں غلہ دیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کے دور میں مبلغین توحید ہونے چاہئیں محکمہ خوراک کے افسر، خوراک کے ڈپو ہولڈر، پولیس کے افسر، اور یونین کونسلوں کے چیئرمین جن کیساتھ عوام کے مفاد وابستہ ہیں۔ اور عوام اُنکی تبلیغ کو بغور سن سکتے ہیں۔

● المختصر آیت بالا زیر نظر میں حضرت ابراہیم سلام علیہ پر تمثیلی انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ عوام کو مختلف قسم کے مفادات کے ذریعہ اپنے ساتھ ملالیں۔ لوگ آپکی بات غور سے سنیں گے۔ اور سننے والوں میں جن کے قلوب تعصب کی بیماری سے پاک ہیں وہ آپ کی دعوت قبول کرکے آپکے ساتھی بن جائینگے۔ آپ انہیں جب بھی بلائینگے تو وہ اگر کسی پہاڑ یا سنگلاخ وادی میں بھی ہونگے تو آپ کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچ جائینگے۔ روائتی تفاسیر نے اِس تمثیلی انداز کو واقعہ کا رنگ دیکر چار پرندوں مُرغ، مور، کوّا اور کبوتر کا قصّہ چسپاں کر رکھا ہے کہ آپ نے انہیں پکڑا، ذبح کیا، قیمہ بنایا پھر اُسے باہم مخلوط کرکے بہت سے غلولے تیار کیئے۔ اور الگ الگ سب پہاڑ پر رکھ کر آواز دی اور وہ زندہ ہوکر آپ کے پاس پہنچ گئے۔

غلطی کہاں لگی ہے؟

آخر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آیت زیر نظر میں نہ پرندوں کو ذبح کرلے کے الفاظ ہیں نہ قیمہ بنالے کے۔ تو مذکورہ روائتی مفہوم کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آیت مجیدہ میں فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ کے بعد ہے فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ = چار پرندے لے، پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلے۔ اِسکے بعد ہے ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا۔ لفظی ترجمہ یہ ہے :- پھر ٹھہرا اُن چاروں میں سے ایک ایک پرندہ ہر ایک پہاڑ پر۔ پھر انہیں آواز دے، تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئینگے —— یاد رہے کہ یہاں جُزْءًا اور كُلِّ جَبَلٍ کا مقامی مفہوم لینے میں روائتی تفاسیر کو غلطی لگی ہے۔

جُزْءًا۔ جُز کا معنیٰ ہے حصّہ۔ اگر کسی ایک سالم چیز کی جُز کا ذکر ہو، مثلاً خربوزہ وغیرہ۔ تو اُسکی قاشیں اُسکے جُز ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خربوزوں کے کسی ڈھیر کی جُزوں کا ذکر ہو تو ثابت خربوزے اُس ڈھیر کے حصّے یعنی جُز ہونگے۔ اِسی طرح اگر کسی ایک پرندے کے جُز، یعنی حصّے بنانا مطلوب ہو تو اُسے ذبح ہی کرکے حصّے کیئے جاسکتے ہیں لیکن اگر پرندوں کی کسی جماعت کے جُز بنانا مطلوب ہو تو سالم پرندے اُس جماعت کے جُز یا حصّے ہونگے۔ سورہ حجر میں اہلِ جہنم کے متعلق مذکور ہے کہ جہنم کے ہر دروازے کیلئے اہلِ جہنم میں سے ایک ایک جُز یعنی الگ الگ افراد کی ایک ایک جماعت ہوگی :- لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ [۱۵/۴۴] دیکھئے ! اہلِ جہنم کے قیمہ کیئے ہوئے الگ الگ غلولے، الگ الگ دروازوں کیلئے مخصوص نہیں کیئے جائینگے۔ بلکہ نافرمانوں کی قسمیں ہونگی جو ذبح اور قیمہ کرکے نہیں، بلکہ سالم افراد جہنم میں داخل کیئے جائینگے۔ اِسی طرح چار پرندوں کی جُزیں یا حصّے چار سالم پرندے ہوسکتے ہیں۔ قیمہ کوٹے ہوئے غلولے نہیں۔

كُلِّ جَبَلٍ۔ کُل اکائی کو کہتے ہیں جسکی وضاحت آگے آرہی ہے۔ روائتی تفاسیر میں غلطی كُلِّ جَبَلٍ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ تمام پہاڑوں پر۔ اب پرندے چار اور پہاڑ بے شمار۔ اِس طرح اگر چار سالم پرندے ایک ایک کرکے تمام پہاڑوں پر رکھے

جائیں تو پورے نہیں آتے۔ اسلئے چار پرندوں کو تمام پہاڑوں پر رکھنے کی خاطر روائتی تفاسیر کیلئے اسکے سوا چارہ نہیں تھا کہ پرندوں کا قیمہ بنائیں اور اسکا ایک ایک غلولہ دنیا کے ہر ایک پہاڑ پر رکھیں ـــ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا تمام براعظموں کے ہر ایک پہاڑ پر غلولے رکھے گئے تھے۔ کیا کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر بھی کوئی غلولہ رکھا گیا تھا؟ یا کم از کم حجاز و شام کے تمام پہاڑوں ہی پر رکھدیئے گئے ہوں؟ غور فرمائیں! کسقدر ناممکن العمل ہے یہ تصوّر، جو کُلِّ جَبَلٍ کے مفہوم سے لیا گیا ہے۔

پس دُنیا کے تمام پہاڑوں پر گوشت کے غلولے رکھنے کا تصوّر غلط ہے۔ آئت مجیدہ میں ذبح اور قیمہ کے نہ الفاظ موجود ہیں نہ اُنکے قرائن۔ تو خدا جانے ایسے چیستانی تصورات قرآن کریم کی طرف کس طرح منسوب کئے جا چکے ہیں۔ حالانکہ ایک چھٹی جماعت کا طالب علم بھی کُل یعنی اکائی جانتا ہے، جب وہ پرندوں کے سوالات حل کرتے ہوئے پہلی ہی سطر پر لکھتا ہے:۔

فرض کیا کل پرندے = اکائی

عِلم ریاضی کی شہادت کے مطابق یہ چیز عالمگیر مسلّمہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ کُل کو اکائی یا اکائی کو کُل کہا جاتا ہے۔ اس طرح جب کُل = چار پرندے ہوں تو اس اکائی کی جُزیں چار سالم پرندے ہونگے قیمہ کوٹے ہوئے نہیں ہونگے۔ نیز جب پرندوں کی اکائی یعنی کُل چار ہو تو کُلِّ جَبَلٍ کے الفاظ میں کُل پہاڑ بھی چار ہونگے ـــــــ اور اس طرح ایک ایک پہاڑ پر ایک ایک سالم پرندہ رکھنے کا تصوّر دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آئت مجیدہ میں چار پرندوں ہی کو اپنے ساتھ ہلانے اور چار پہاڑوں ہی پر رکھ کر بلانے کا حکم دیا گیا ہو۔ نبیوں کے فرائضِ منصبی انسانوں کی تبلیغ توحید ہوتی تھی۔ پرندوں کو ہلا کر، پہاڑوں پر رکھ کر، اور اپنی آواز کیساتھ حاضر کرکے دکھانا نہیں۔ المختصر آئتِ بالا میں طَیر سے مُراد اعتقاداتِ باطلہ کی قید سے آزاد افراد ہے۔ جن پر تبلیغ کا اثر ممکن ہوتا ہے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہلانا یعنی انہیں ضروریاتِ زندگی مہیا کرکے متبعِ بنانا، اور الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں جہاں دینِ حقّہ کی مخالفت میں لوگ پہاڑوں جیسے سخت ہوں تبلیغ کیلئے بھیجنا ہے۔ نیز چار کے عدد کے انتخاب کی حکمت بالغہ یہ ہے کہ چارسو فریضہ تبلیغ لازم ہے۔ تو گویا واضح کیا گیا ہے کہ چاروں طرف مبلغ بھیجکر فریضۂ تبلیغ ادا فرمائیں۔ جو لوگ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی ایمانی موت کی حد تک نہیں پہنچے، وہ ضرور ضرور ایمانی زندگی پائینگے۔ انہیں ہم آپکو ایمانی لحاظ سے زندہ کرکے دکھا دینگے۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیمؑ نے اسی طرح فریضۂ تبلیغ ادا فرمایا۔ اور ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دلوائی۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ حکمت ہے، اُسکے ہر حکم میں حکمت موجود ہے۔

عَودُ الی المقصود

آیاتِ بالا میں منکرینِ ربوبیّت کو قیامت کی بازپُرس سے متنبہ کرنے کیلئے اُس طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرتِ ابراہیمؑ کے دلائلِ قاطعہ کے ذریعہ لاجواب ہوچکنے کے باوجود نظریۂ ربوبیّتِ عامہ پر ایمان نہ لایا۔ اِسکے بعد ۲/۲۶۱ میں مذکورہ مخصوص تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اِسکے بعد جب اسلامی معاشرہ میں مومنوں کی شمولیت ہوجاتے

تو یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ مال خرچ کئے بغیر معاشرہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نیز یاد رہے کہ سورہ بقر کی ابتدائی آیات میں آنحضور پر واضح کیا گیا ہے کہ آپکو سلسلۂ تبلیغ کے دوران تین قسم کے لوگ ملیں گے:۔

۱- مومن ۲- کافر ۳- منافق

اور لف نشر غیر مرتب کیمطابق آیات نمبر ۲/۱۷ تا ۲۰ میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ آیات نمبر ۲/۱۷۱ و ۲۵۹ میں کافروں کی دو مثالیں لائی گئی ہیں۔ اسکے بعد باری تقی مومنوں کی سلسلۂ درس کی اگلی آیات نمبر ۲/۲۶۱ تا ۲۶۵ میں مومنوں کی دو مثالیں بیان کیگئی ہیں۔ جن کے متعلق پہلے نمبر پر ارشاد ہوا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راہ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ
اللہ کے جیسے مثال ایک دانہ کی کہ اُگا دے سات بالیں بیچ
سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ
ہر بال کے سو دانے اور اللہ تعالےٰ دونا کرتا ہے واسطے جس کے
یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ ۲۶۱
چاہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اُن کے خرچ کرنے کی مثال ایک دانے کی سی ہے۔ (جو زمین میں بویا جاتا ہے) وہ سات بالیں پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اُس فرد یا قوم کیلئے اضافہ کرتا ہے، جو خود چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا خوب جاننے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ
وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راہ اللہ
اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ
کے پھر نہیں لاتے پیچھے اس چیز کے کہ خرچ کرتے ہیں احسان
اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ
اور ایذا واسطے اُنکے ہے ثواب اُنکا نزدیک پروردگار اُنکے
عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ۲۶۲
کے اور نہیں خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جن پر مال خرچ کرتے ہیں، نہ اُن پر احسان دھرتے ہیں اور نہ اُنہیں طعنے دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور (اس انفاقِ مال کے عوض) نہ انہیں مستقبل میں ضیاعِ اجر کا خوف لاحق ہوگا۔ اور نہ ماضی میں کئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔

● سیاقِ کلام یہ ہے کہ پہلے تبلیغ توحید و تبلیغ ربوبیت عامہ کے ذریعہ مومنوں کی جماعت عالم وجود میں آئیگی۔ اور اُسکے بعد معاشرہ کی تشکیل شروع ہوگی۔ اب معاشرہ کی تشکیل کیلئے لازمی طور پر مالداروں کو اپنے مال خرچ کرنے ہونگے۔ اسلئے آیاتِ بالا میں مال خرچ کرنے والوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں تمہارے مال ضائع نہیں ہونگے

ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے بنیں گے ۔ جو لوگ اسلامی معاشرہ کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جائیں ۔ اور انہوں نے تشکیلِ معاشرہ کیلئے مال خرچ کیا ہو، تو اُنکا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہیگا ۔ جو انہیں دوسری زندگی میں ضرور ملیگا ۔ اور جو لوگ زندہ رہیں، انہیں قرآنی معاشرہ میں کسی بھی مقام پر نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا کہ گردشِ ایام کی زد میں نہ آجائیں ۔ اور نہ اللہ کی راہ میں دیئے ہوئے مال کا غم ہوگا کہ آج اگر وہی مال اپنے لئے محفوظ کیا گیا ہوتا تو کام آتا ۔ بالفاظِ دیگر قرآنی معاشرہ خواہ جس مقام پر بھی ہو، اُسکے حامِلین لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے مصداق ہوتے ہیں یعنی نہ انہیں آئندہ کیلئے کسی آنیوالے خطرے کا خوف ہوتا ہے نہ ماضی میں خرچ کئے گئے مال کا غم ۔ اُن پر معاشرہ کو جو کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ اُسکے عوض اُن پر نہ احسان دھرا جاتا ہے ۔ اور نہ انہیں غیر قرآنی معاشرہ کی طرح ہر آن طعنوں کا شکار ہونا پڑتا ہے ۔ اگر انفرادی طور پر انکی مدد ہوتی ہو تو خدمت کرنیوالے مومن، اِسے اُنکا حق جانتے ہیں ۔ اور اگر اجتماعی نظام قائم ہو چکا ہے تو پھر اُنکی ضروریاتِ زندگی مرکزی نظام کے ذمّہ آتی ہیں کہ اُنکے لئے بدستور کام و طعام مہیّا کرتا رہے ۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں انفرادی صدقہ دینے والوں کو صدقہ کی ادائیگی کے بعد احسان دھرنے اور طعنہ دینے کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اس سے مخاطب کی خودداری مجروح ہوتی ہے ۔ حالانکہ مخاطب کی خودی کو مجروح کر لینے سے بہتر تو یہ ہے کہ صدقہ نہ دیا جائے، بلکہ کوئی مفید مشورہ دینا ہی اُس سے کہیں بہتر ہے ۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن

بات اچھی اور بخشش دینا بہتر ہے اُس خیرات سے کہ

صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ ۲۶۳

پیچھے اس کے ہو ایذا اور اللہ بے پرواہ ہے تحمل والا ۔

ایسے صدقے سے، جسکے پیچھے طعنہ لگا ہوا ہو، اس سے بہتر ہے کہ (صدقہ دینے کی بجائے) کوئی معروف بات کہہ دی جائے ۔ اور (مخاطب کیلئے نقصانات سے) بچاؤ کے سامان کر دیئے جائیں ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور درگزر کرنیوالا ہے ۔

● یعنی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صدقہ دینے والے بے محتاج نہیں ۔ بے محتاج اللہ تعالیٰ ہے ۔ اُن کے پاس جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے ان کا نہیں ۔ نیز ناہموار معاشرہ میں وہ خود بھی آنیوالے خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ اور اُنکا صدقہ کے بعد طعنہ زنی کا فعل، اللہ تعالیٰ کے ہاں اِسقدر ناپسندیدہ ہے کہ اگر وہ درگزر کرنیوالا نہ ہو تو فوراً پکڑ لے ۔

اپنے صدقات کو ضائع نہ کر دیا کرو

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جبتک صدقات کا اجتماعی نظام $\frac{9}{114}$ قائم نہ ہو ۔ اُسوقت تک جو تم انفرادی صدقات ادا کرتے ہو، انہیں باطل نہ کر دیا ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت باطل کرو خیرات اپنی کو

ایمان والو! اپنے دیئے ہوئے صدقوں کو مخاطب پر احسان دھر کر اور اُسے طعنہ زنی کی ایذا دیکر اُس شخص کی طرح ضائع

بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ
ساتھ احسان اور ایذا کے مانند اُس شخص کے کہ خرچ کرتا ہے مال اپنے
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
کو واسطے دکھلانے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا ساتھ اللہ کے
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
اور دن پچھلے کے پس مثال ہے اسکی جیسے مثال صاف پتھر کی اوپر اسکے ہو
صَلْدًاؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَاللّٰهُ
مٹی پس پہنچے اسکو مینہ پس چھوڑ دے اسکو صاف نہیں قدرت پاتے اوپر
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۶۴
کسی چیز کے اس چیز سے جو کمایا انہوں نے اور اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم
کافروں کو۔

نہ کر دیا کرو۔ جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اُسکی مثال ایک پتھر جیسی ہے کہ اُس پر کچھ مٹی ہو۔ (وہ اُس مٹی میں کوئی بیج بوئے) پھر اُس پر بارش برسے (وہ مٹی مع بیج بہ جائے) پھر وہ اُسے چٹیل پتھر چھوڑ جائے۔ اُس مٹی پر اُنہوں نے جو محنت کی اُس میں سے وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنیوالوں کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آیت بالا میں دکھلاوے کیلئے مال خرچ کرنیوالوں، اور خرچ کرکے احسان جتانے والوں اور طعنہ دینے والوں کے متعلق وضاحت کیگئی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا جو ۲/۲۶۱ کے مطابق ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے بنتے ہیں لیکن ریا و ایذا کی بدولت یہ پورے اعمال اُس طرح ضائع ہو جاتے ہیں جیسے کہ پتھر پر کچھ مٹی ہو اُس میں بیج بو دیا جائے لیکن بارش جو رحمت باری بن کر کھیتوں کو سرسبز و شاداب کرتی ہے، جب اس پر برسے تو پوری مٹی کو مع بیج بہا لے جائے اور پیچھے پتھر کا پتھر باقی رہ جائے۔

صدقات کی غرض مخاطبوں کو اُنکے قدموں پر کھڑا کرنا ہے

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کی صفات مخصوصہ کے طور پر ادائے صدقات کی اصل غرض بیان ہوئی ہے:-

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
اور مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے واسطے
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
چاہنے رضامندی خدا کے اور ثابت کرنے کے جانوں اپنی سے جیسے
كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
مثال ایک باغ کی کہ بلندی پر ہو پہنچا اُس کو مینہ پس لایا

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اُسکی رضا کیلئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنے (معاشرہ کے) افراد کو اُنکے قدموں پر کھڑا کرتے ہیں۔ اُن (کے انفاق مال) کی مثال ایسے باغ کی ہے، جو اُونچے زرخیز ٹیلے پر واقع ہو۔ اُس باغ پر مینہ برسے تو وہ عام حالات سے دُگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر مینہ نہ برسے تو اُسکے لئے شبنم (کی نمی) ہی کافی

اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

میوہ اپنا دوگنا پس اگر نہ پہنچے اسکو مینہ پس شبنم کفایت ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۲۶۵

اور اللہ ساتھ اس چیز کو کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

ہوتی ہے۔ اور تم (تعمیرِ معاشرہ کیلئے) جو بھی عمل کرتے ہو اُسے اللہ دیکھنے والا ہے۔

● آیتِ بالا میں صحیح قرآنی معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی، اور اپنی رضا بتا دیگئی ہے۔ کہ اُسکی راہ میں خرچ کئے گئے مال سے ایسی جنت بنائی جانی چاہئیے جو تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کی مثال ہو یعنی اُس میں کوئی فرد بھی ایسا نہ ہو، جو اپنے قدموں پر قائم نہ ہو۔ یعنی کوئی کسی کا دستِ نگر نہ ہو اور انفاقِ مال فی سبیل اللہ یعنی ادائے صدقات سے جو کام انجام ہو رہا ہو۔ وہ یہی ہو کہ محروم و مجبور افراد کو اُنکے قدموں پر کھڑا کیا جا رہا ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کرنے جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ بالو جس میں اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ $\frac{۲۰}{۱۱۸-۱۱۹}$ کے خداوندی حکم کے مطابق نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں ناہموار معاشرہ کے لازمی خطرات کے پیشِ نظر بتایا گیا ہے کہ:-

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

کیا چاہتا ہے کوئی تم میں سے یہ کہ ہو واسطے اُسکے باغ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

کھجوروں سے اور انگوروں سے چلتی ہیں نیچے اُسکے سے نہریں۔

لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ

واسطے اُسکے ہے بیچ اُسکے سب میوؤں سے اور پہنچے اسکو

وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ

بڑھاپا اور واسطے اُسکے اولاد ہے ناتوان پس پہنچا اسکو بگولا

فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

بیچ اُسکے آگ تھی پس جل گیا اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۶۶ ع ۲۶

تمہارے نشانیاں تو کہ تم فکر کرو۔

کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اُسکا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو (کہ آبپاشی کیلئے) اُس کے اندر نہریں بہتی ہوں۔ اُسکے لئے اُس میں ہر قسم کے میوہ جات موجود ہوں۔ لیکن اُسے بڑھاپا آجائے، اور اُس کی اولاد (کم عمر) کمزور ہو۔ پھر اُس باغ کو ایسی لُو پہنچ جائے جس میں آگ ہو۔ پھر وہ اُسے جلا (کر راکھ کر) دے۔ اللہ تعالیٰ اسیطرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لیا کرو۔ (اور جب یقیناً یقیناً تم میں سے کوئی بھی ایسی حالت کو پسند نہیں کرتا۔ تو پھر جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ کا نظامِ ربوبیت کیوں قائم نہیں کرتے؟)

جنتی اور جہنمی معاشرہ کا تقابل

آیتِ بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام جس میں فرد فرد کی ضروریاتِ زندگی مرکز کی ذمہ داری میں داخل ہوں۔ وہ ایسے باغ کی مانند ہوتا ہے) جو ایک

زرخیز ٹیلے پر واقعہ ہو یعنی سطح کی بلندی کی بدولت سیلابوں اور طوفانوں سے بھی محفوظ ہو، اور لو کے جھلس دینے والے جھونکوں سے بھی۔ اگر مینہ برسے تو پھل دو گنا ہو جائے۔ اور اگر نہ برسے تو رات کی شبنم بھی اس کی سیرابی کیلئے کافی ہو۔ یعنی یہ اس نظام کی مثال پیش کیگئی ہے، جس میں ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی اسکے پیدائشی حق کے طور پر مسلمہ ہوں۔ اور ضروریاتِ زندگی کی کمی کا اُسے کبھی خطرہ ہی نہ ہو۔ اور اسکے برعکس انفرادی نظام کی مثال یہ دیگئی ہے کہ گزر اوقات کیلئے ایک باغ ہے۔ خود بوڑھا ہو گیا ہے، بچے کم عمر اور کمزور ہیں۔ لُو کے جھونکے نے باغ جھلس کر رکھدیا ہے۔ تو اب اُسکا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ لیکن جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ یعنی اجتماعی نظام میں تو نہ کسی بوڑھے کو خطرہ ہے کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں تباہ حال ٹھوکریں کھایا کریگا۔ اور نہ کمزور بچوں کو خوف ہے کہ پانچ سال کی عمر میں پنکھا کھینچنے کی مشقت کے بغیر روکھی روٹی بھی میسر نہیں آئیگی۔ پس بتایا گیا ہے کہ کون ہے جو ان یقینی حالات میں اجتماعی نظام سے منہ موڑ کر اپنے بڑھاپے اور اپنی کم عمر اولاد کو دَر دَر کی ٹھوکروں کے حوالے کرنا پسند کرے۔ اب غور کرکے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ تمہارے بڑھاپے اور تمہارے کمزور و ضعیف نابالغ بچوں کی ضروریات کے یقینی انتظام کیلئے ہموار و متوازن آئین نازل کر دیا ہے۔

ناہموار معاشرہ سے متعلق احکام اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کیگئی ہے کہ اگر تم ہموار اور صحت مند اجتماعی نظام تک ابھی نہیں پہنچے، یا ناہموار نظام پر مطمئن ہو چکے ہو تو، غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں نے جن افراد کو ان کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت سے محروم کر رکھا ہے۔ خصوصاً بوڑھے اور بچے اگر محروم ضروریات پائے جاتے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ کل کو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارے بچے کمزور و ضعیف ہوں۔ اور تمہارا ذریعہ معاش ختم ہو جائے۔ اسلئے آج ایسے بے بسوں اور بیکسوں کیلئے اُس مال میں سے خرچ کرو، جو تم کماتے اور ہم اُسے پیدا کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاکیزہ سے طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم جو کچھ کمایا تم نے اور اس چیز سے کہ نکالا ہے ہم نے مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ واسطے تمہارے زمین سے اور مت قصد کرو خبیث کا تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن اس میں سے کہ خرچ کرو اُسکو اور نہیں تم لینے والے اسکے مگر یہ کہ	ایمان والو! جو کچھ تم کسبِ حلال سے کماتے ہو۔ اور (مثلاً معدنیات اور اناج) ہر چیز جسے ہم تم سب کیلئے زمین سے نکالتے ہیں، اُن میں سے اچھی اور کارآمد چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اور اُن میں سے جو تم راہِ خدا میں دیتے ہو ردی (اور بیکار) چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر وہی چیزیں تمہیں دی جائیں تو تم انہیں لینے والے نہیں ہو، سوائے اسکے کہ تم ان کے لینے میں غفلت کر جاؤ اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور

تُنْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۲۶۷
آنکھ موند لو یعنی آنکھ ! اور جانو کہ اللہ تعالے بے پروا ہے تعریف کیا گیا۔

صاحب حمد ہے۔ (تم جو بھی خرچ کروگے، تمہارے اپنے ہی فائدے کیلئے ہوگا)

● آیتِ بالا میں ناہموار معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی ہے کہ باسی روٹی، پھٹا پرانا کپڑا، اور اُتار پھینکے ہوئے جُوتے راہِ خدا میں دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ انفرادی نظام کے ناہموار معاشرے میں کچھ بعید نہیں کہ یہی حالت تمہاری ہو جائے، اور یہی ردّی چیزیں تمہیں دی جا رہی ہوں۔ یہ تو ہوئی مَا کَسَبْتُمْ کی حالت۔ اور مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حکّام کے گھر مٹی کے تیل کے کنستر پہنچتے رہتے ہیں، اور عوام بچاروں کو ایک بوتل کیلئے گھنٹوں قطار میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ سرمایہ داروں کے ہاں سوئی گیس پرانی بھی ہو چکی ہے۔ مگر عوام اُسکے فوائد سے کیا، نام تک سے بے خبر پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے زمینداروں کے ٹیوب ویل چل رہے ہوتے ہیں، مگر چھوٹے بچارے رہٹ اور بیلوں ہی کے چکّر میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ انفرادی اور سرمایہ داری نظام ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان جملہ خرابیوں اور ناہمواریوں کا آخری حل 9/111 میں پیش کر دیا ہے کہ مَا کَسَبْتُمْ اور مِمَّآ اَخْرَجْنَا مِّنَ الْاَرْضِ، ہر چیز قومی ملکیت قرار دی جائے۔ اور بلا تمیز ہموار تقسیم کیساتھ معاشرہ کو ہمیشہ جنّت بدوش رکھا جائے۔

نفس کی شرارت

اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کو اُس کا نفسِ امّارہ (شیطان) اُسے بھوک ننگ کا وعدہ دیتا ہے:-

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ
شیطان وعدہ دیتا ہے تمکو فقر کا اور حکم کرتا ہے تمکو

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ
ساتھ بے حیائی کے اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو بخشش کا اپنی طرف

وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۲۶۸
سے اور فضل کا اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

(یاد رکھو کہ) شیطان تمہیں (اجتماعی نظام سے روک کر انفرادیت کے ذریعہ) محتاجی کا وعدہ دیتا ہے (اور تمہیں بخیلی ذاتی مفاد طلبی انفرادیت[عہ]) کا حکم کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں (اجتماعی نظام کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے محتاجی دمحرومی سے) محفوظ کرنے کا، اور اپنے فضل (یعنی غنی معاشرہ) کا وعدہ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا، خوب جاننے والا ہے۔

● آیتِ بالا کے آخری الفاظ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ میں واضح کیا گیا ہے کہ بلا تمیز ہر ایک کیلئے دائمی وسعت اُس اجتماعی نظام ہی میں مرکوز ہے، جو خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھکر جاننے والا ہے کہ انفرادی اور سرمایہ داری نظام میں امن و توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ حکّام اپنی جگہ آئین کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں اور عوام اپنی جگہ قانون کی دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں کیونکہ دونوں کی غرض الگ الگ ذاتی مفاد ہی ہوتی ہے۔

[عہ] الفحشا کا معنی لکھا گیا ہے بخیلی ذاتی مفاد طلبی۔ اسکا سہ حرفی مادہ ف ۔ ح ۔ ش ۔ فحش ہے جسکا بنیادی معنی

برائی بخیلی اور کمینگی ہے۔ یہ لفظ ہر ایک برائی کے لیئے استعمال ہوتا ہے، بُری باتوں کو فحش کلامی کہا جاتا ہے۔ ہر بُرے کام کو الفحشاء کہتے ہیں خصوصاً کنجوسی اور بخیلی بھی فحش کہلاتی ہے۔ بخیل کو فاحش کہا جاتا ہے۔ یہاں بُری چیزیں راہِ خدا میں دینے کو الفحشاء کہا گیا ہے۔ جو نفس کی انتہائی برائی اور کمینگی کی دلیل ہے۔ نفس انسانی ہمیشہ اجتماعی نظام کے خلاف ذاتی مفاد طلبی کا حکم کرتا ہے۔ جو حقیقت کی رُو سے انتہائی برائی ہے۔

ع۲ مغفرت کا معنی لکھا گیا ہے فقر و محتاجی سے محفوظ کرنا۔ اسکا سہ حرفی مادہ غ۔ف۔ر = غفر ہے۔ اسکا بنیادی معنی ہے بچانا، حفاظت کرنا، مغفر کہتے ہیں لوہے کی اُس ٹوپی کو جو لڑائی کے وقت سر کو بچانے اور محفوظ کرنے کیلئے پہن لیتے ہیں۔ یہاں چونکہ فقر کے مقابلے پر مغفرت اور فضل لایا گیا ہے۔ اِسلئے یہاں مغفرت کا معنیٰ ہے فقر و فاقہ سے بچانا، بھوک ننگ اور محتاجی سے محفوظ کرنا۔

● اِس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکمت بھرا ضابطہ ۳۶/۲ عطا فرمایا ہے، جس سے معاشرہ میں سے فقر و فاقہ ختم ہو جاتا اور ہر طرف خیر کثیر میسّر آتی ہے:۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ
دیتا ہے حکمت جس کو چاہے اور جو کوئی دیا گیا حکمت
الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ
پس تحقیق دیا گیا بھلائی بہت اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحب
اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۲۶۹
عقل کے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکمت بھرے ضابطہ ۳۶/۲ کے ذریعہ اُس قوم کو حکمت عطا کرتا ہے جو حکمت کی خود طلبگار ہو اور جس قوم کو حکمت دی جائے۔ بلا شبہ اُسے خیر کثیر دیدی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمت والے ضابطہ سے ارباب عقل و بصیرت ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

● دیکھیئے گا! آیت بالا میں اجتماعی نظام کو خیر کثیر اور اِسکے طلبگاروں کو عقلمند کہا گیا ہے۔ اور اِسکے برعکس انفرادی مفاد طلبی کو اسلئے بے عقلی اور بے وقوفی قرار دیا گیا ہے کہ انفرادی نظام میں اگر آج زید زبوں حالی کا شکار ہے، تو کل کو بکر پر ایسے ہی حالات آجاتے ہیں۔ خیر کثیر اُس قوم کو میسّر آتی ہے جس میں اجتماعی نظام قائم ہوتا اور ہر فرد و بشر زبوں حالی اور فقر و فاقہ سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جاتا ہے

بگڑے ہوئے معاشرے کو بتدریج سدھارتے چلے جاؤ آیاتِ بالا میں عوام کے علاوہ بوڑھوں اور بچّوں کی زبوں حالی کے خصوصی تذکرہ، اور اِسکے انسداد کی خاطر اجتماعی نظام کے قیام کیلئے انفاقِ مال یعنی مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور اگلی آیت مجیدہ میں بگڑے ہوئے معاشرہ کو انفاقِ مال کے ساتھ بتدریج سدھارتے چلے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں نذروں کا ذکر باندازِ خصوص وارد ہوا ہے:۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ
اور جو خرچ کرو تم کچھ خرچ کرنا یا منت مانو تم کچھ منت
مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ
سے پس تحقیق اللہ جانتا ہے اُسکو اور نہیں واسطے ظالموں کے
مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝۲۷۰
کوئی مدد دینے والا

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے خصوصاً نذروں کے مال میں سے جو بھی نذر تم پیش کرو گے (یعنی جو مال آنیوالے خطرات کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود لازم کر کے ادا کرو گے) اُنہیں اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیگا (یعنی وہ رفاہی امور پر خرچ ہو کر عملاً نمایاں ہو جائینگے) حقیقت یہ ہے کہ مال کو بے ٹھکانہ خرچ کرنیوالوں کا کوئی مددگار نہیں۔

علہ نذر کا معنی لکھا گیا ہے، آنیوالے خطرات کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود لازم کر کے مال پیش کرنا۔ اسکا سہ حرفی مادہ ن۔ ذ۔ ر = نذر ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے حفظ ما تقدّم کے طور پر آنیوالے خطرات سے ڈرنا، خوف کھانا۔ انذار کا معنی ہے آنیوالے خطرات سے ڈرانا، آگاہ کرنا۔ اس طرح نذر اُس مال کو کہتے ہیں جسے حفظ ما تقدّم کے طور پر کسی خطرے کی روک تھام کیلئے اپنے اُوپر خود واجب قرار دیا جائے۔ مثلاً محلّے میں کوئی گڑھا ہے جس میں بارش کا پانی بھر جانے سے بچوں کے گرنے کا خطرہ لاحق ہے۔ اس پر کوئی شخص اس خطرے کی روک تھام کیلئے اُس گڑھے کو بھرنے کا خرچ اپنے ذمّہ لیکر ادا کر دیتا ہے۔ ایسے نذر کہتے ہیں۔ یا اگر محلّے میں بچوں کا سکول یا ہسپتال موجود نہیں ہے۔ اسکے لئے زیادہ مال کی ضرورت ہے۔ یہ ایک شخص کی طاقت سے باہر ہے لیکن کوئی شخص اسکے لئے کچھ رقم اپنے اُوپر واجب کر کے رقم معہ تجویز پیش کرتا ہے ایسے نذر کہتے ہیں۔ اس پر باقی افراد بھی کچھ رقمیں خود بخود اپنے اوپر لازم قرار دے لیتے ہیں، اور بقایا خرچ بیت المال سے ادا کر کے سکول اور ڈسپنسری قائم کر دی جاتی ہے۔ یہ عوام کا اپنے اُوپر خود واجب کردہ مال نذر کہلاتا ہے۔ جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ظاہر کر دیگا یعنی جب سکول یا ڈسپنسری عالمِ وجود میں آجائیگی، تو عوام کے نذرانے بشکل مشہود ظاہر ہو کر سامنے آجائینگے۔

● افسوس ہے کہ نذر کا معنی خدا تعالیٰ کو پیش کیگئی رشوت قرار دیا جا چکا ہے۔ چور پکڑا جائے تو نذر مانتا ہے، یعنی اپنے اُوپر لازم کرتا ہے کہ اگر سزا سے بچ گیا تو اللہ کے نام کی دیگ چڑھاؤنگا۔ قاتل نذر مانتا ہے کہ بری ہو گیا تو ہزار روپیہ مسجد کو دونگا لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نہ رشوت لیکر چوری کی سزا معاف کرتا ہے نہ قاتلوں سے اپنا قانون واپس لیتا ہے، بلکہ اُسکا فیصلہ یہ ہے کہ چور کو چوری کی سزا دی جائے اور قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ سے اُسکا قانون بدلوانے کیلئے رشوت دینا نذر نہیں ہے۔ اس سے اور آگے بڑھیں تو اللہ تعالیٰ کو جو رشوت پیروں اور قبروں کے ذریعہ دی جائے اُسے نذرانے کہا جاتا ہے۔ یعنی عورتیں نذر مانتی ہیں کہ میرا بیٹا پاس ہو گیا تو فلاں مزار پر پراٹھے چڑھاؤنگی۔ مروجہ نذریں اور نذروں کا مفہوم نہ قرآن کریم کی رُو سے صحیح ہے نہ عربی زبان کی رُو سے۔

علہ ظالمین۔ ظلم کا مطلق معنی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ اور ظالم کہا جاتا ہے بے ٹھکانہ کام کرنیوالے کو۔ آیت بالا میں

چونکہ انفاق مال اور نذرانوں کا ذکر آیا ہے جس میں آنیوالے خطرات سے خوف کھانے اور بچنے کیلئے مال خرچ کرنا خود اپنے آپ پر لازم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسکے برخلاف جو لوگ فضول رسموں پر مال خرچ کرکے اپنے آپکو خود تباہ کر لیتے ہیں، آیت بالا میں انہیں ظالم قرار دیکر ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ فضولیات سے بچکر، اپنی مدد آپ نہیں کرتے ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

صدقہ کے مال کیساتھ حاجتمندوں کو انکے پیروں پر کھڑا کیا جائے

چونکہ صدیوں کا ناہموار معاشرہ، نہ آنا فانا درست ہو جاتا ہے اور نہ آنیوالے جملہ خطرات، جن میں معاشرہ کے بعض افراد کا حادثۃً بدحالی کا شکار ہو جانا بھی شامل ہے، کی روک تھام راتوں رات ہو سکتی ہے۔ اسلئے، جبتک آنیوالے خطرات کا مکمل انتظام نہیں ہو جاتا۔ اسوقت تک کیلئے حکم دیا گیا ہے کہ ضرورتمندوں کی فوری مدد صدقات کے مال کیساتھ کی جایا کرے۔ جو ظاہراً اور چھپا کر، دونوں طریقوں سے ادا کئے جا سکتے ہیں:۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ

اگر ظاہر کرو تم خیرات کو پس اچھا ہے وہ اور اگر چھپاؤ

تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

تم انکو اور دو اُسکو فقیروں کو پس وہ بہتر ہے واسطے تمہارے

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا

اور دور کریگا تم سے برائیاں تمہاری اور اللہ ساتھ اسچیز کے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ۲۷۱

کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

اگر تم (ضرورتمندوں کو) صدقات ظاہراً طور پر دو تو یہ بھی بہتر ہے۔ (تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو) اور اگر تم چھپا کر، اور براہِ راست خود محتاجوں کو دیدو تو یہ بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ (تاکہ چھپا کر دینے سے حاجتمندوں کی خودی مجروح نہ ہونے پائے) اسطرح اللہ تم سے تمہاری بدحالیاں دور کردیگا حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل بجا لاتے ہو اللہ اُن سے پورا پورا باخبر ہے۔

● دیکھئے! اس آیت میں صدقات کو معاشرہ کی بدحالیاں دور کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صدقات بھیک کے طور نہیں، بلکہ محتاجوں کی احتیاج دور کرنے، یعنی انہیں پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے ادا کئے جائینگے۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ میں سے جسقدر بھوک ننگ ختم ہو جائیگی، اُسی قدر جرائم ختم ہوتے چلے جائینگے اور معاشرہ بدحالیوں سے پاک ہوتا چلا جائیگا۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کی اس دلی تمنا کی خبر دیگئی ہے، کہ آپ چاہتے تھے، کہ سب کے سب لوگ ہدایت پالیں لیکن آپ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

نہیں اوپر تیرے ہدایت کرنا اُن کا ولیکن اللہ تعالیٰ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو تم مال سے پس

اے رسول! ان لوگوں کی ہدایت آپکے ذمہ نہیں۔ (آپکے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے $\frac{5}{99}$) اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود ہدایت لینا چاہتا ہے۔ اور (ایمان والو! حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے) تم جو

فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
نفع ہے واسطے جان تمہاری کے اور نہ خرچ کروگے تم مگر واسطے
وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ
چاہنے رضامندی اللہ کے اور جو کچھ خرچ کرو تم بھلائی سے
اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۲۷۲
پورا پہنچایا جاویگا طرف تمہارے اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے۔

مال خرچ کروگے، وہ تمہارے اپنے ہی (عوام کے) لئے ہے۔ اور نہ خرچ کیا کرو تم کچھ بھی۔ مگر اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کیا کرو۔ اور تم جو مال (نظام معاشرہ کو بطور قرضہ) ادا کروگے، وہ تمہیں پورا پورا واپس کر دیا جائیگا۔ اور تم ظلم نہیں کئے جاؤگے۔

● سے وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ میں تُنْفِقُوْنَ خبر بمعنی انشاء ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بڑائی اور نمود و نمائش کیلئے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے مال خرچ کیا کرو۔

● آیت بالا میں حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے ایک اجتماعی نظام کی خبر دی گئی ہے، جو اس مخصوص مہم کی انجام دہی کیلئے مالداروں سے قرضے لیتا اور انہیں پورے پورے واپس کرتا ہے۔ یعنی کسی بھی مال پر سود کا تصوّر غلط قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ مال حکومت سے عوام نے حاصل کیا ہو، خواہ عوام سے حکومت نے لیا ہو۔ اس کی واپسی پوری کی پوری ہوگی، نہ کم نہ زیادہ۔

حاجتمندی کا نشان گداگری نہیں

اس سے اگلی آیت مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ صدقات کے مال اُن لوگوں پر خرچ کئے جائینگے، جو دین اللہ کے کاموں میں رُکے ہوئے ہیں، وہ ان مصروفیات کی بدولت کاروبار نہیں کر سکتے۔ اُنکی حالت اُنکے چہروں سے عیاں ہے، کہ یہ حاجتمند ہیں۔ اگرچہ وہ دستِ سوال دراز نہ کرتے ہوں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
خیرات واسطے اُن فقیروں کے ہے جو بند کئے گئے ہیں بیچ راہ اللہ کے
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
نہیں سکتے چلنا بیچ زمین کے جانتا ہے اُن کو جاہل دولتمند بے سوالی
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا
سے پہچانتا ہے تو اُن کو ساتھ چہرے اُنکے کے نہیں مانگتے
يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کرو تم مال سے پس تحقیق اللہ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۲۷۳ ع
ساتھ اُسکے جاننے والا ہے۔

صدقوں کے مال اُن محتاجوں کیلئے بھی ہیں، جو اللہ کی راہ میں پابند ہو جائیں ـــ وہ روزی کمانے کیلئے زمین میں چل نہ سکتے ہوں۔ اُنکے سوال نہ کرنے کی بدولت بے خبر آدمی اُنہیں آسودہ حال گمان کرتا ہو۔ اے رسول! آپ انہیں اُنکے چہروں سے پہچان لینگے۔ (اگرچہ) وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور (ایمان والو!) تم جو بھی مال خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے :-

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ
جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے رات کو اور
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
دن کو چھپے اور ظاہر پس واسطے انکے ہے ثواب انکا
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ
نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور
یَحْزَنُوْنَ ○ ۲۷۴
نہ وہ غمگین ہونگے۔

اور جو لوگ اپنے مال (اصلاحِ معاشرہ کیلئے) شبانہ روز خرچ کرتے ہیں۔ (محتاجوں کی خودی کو مجروح نہ کرنے کیلئے اُنہیں براہِ راست تو) چھپا کر دیتے ہیں۔ اور (دوسروں کی ترغیب کیلئے) مرکزی نظام کو علانیہ ادا کرتے ہیں۔ اُن کیلئے اُنکا اجر اُنکے رب کے ہاں محفوظ ہے اور اُنہیں (اس متوازن نظام میں) نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ اپنے خرچ کئے ہوئے مال کے لئے غمگین ہونگے۔

صدقاتی اور سُودی معاشرہ کا تقابل

صدقات کے مال سے، چونکہ آئندہ آنیوالے ہر قسم کے خطرات کی روک تھام کا مکمل انتظام ہو جاتا ہے، یعنی ہر کسی کی ضروریات، بروقت اور باقاعدہ پُوری ہوتی ہیں اسلئے مستقبل کا خوف قرآنی معاشرہ کے ہر فرد کیلئے ختم ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اُنکے خرچ کئے ہوئے مال کا ثمرہ ہموار و متوازن معاشرہ کی صُورت میں ہر آن اُنکے سامنے موجود ہوتا ہے۔ اِسلئے ماضی کا غم بھی اُنکے قریب تک نہیں بھٹک سکتا۔ یہ ہے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کی عملی تفسیر، جو صدقاتی نظام کی رُو سے بروئے کار آتی ہے۔ لیکن سُودی نظام کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اُس میں پُورا معاشرہ محتاجی کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ بینکوں سے سُودی روپیہ لیکر کاروبار کرتے ہیں لیکن مستقبل کا خوف ہر آن دامنگیر رہتا ہے کہ کاروبار میں گھاٹا نہ پڑ جائے، مال کو آگ نہ لگ جائے، چور اور ڈاکو لوٹ کر نہ لے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جب ان خطرات میں سے کوئی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے تو ماضی کا غم بھی ستانے لگتا ہے کہ فلاں وقت پر فلاں قدم نہ اُٹھایا جاتا تو آج یہ حال نہ ہوتا۔ بینک والے قُرقی لے آتے ہیں، اور یہ دیوالہ نکالنے کیلئے وکلاء کیساتھ مشورے کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تو ہوئی مالداروں کی کیفیت، جو نہ مستقبل کے خوف سے محفوظ ہوتے ہیں نہ ماضی کے غم سے۔

● اب آیئے سُودی نظام میں بسنے والے غریبوں کی طرف جو قریبًا قریبًا ہر آن محتاجی ہی کے دائرے میں محدود رہ کر زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ جب بھی سو پچاس روپے کی نہ ٹلنے والی ضرورت پیش آئی، مثلاً ماں مر گئی یا والد انتقال کر گیا تو اب دفن کفن بھی پچاس ساٹھ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اِس پر سرمایہ دار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے لیکن وہ نہیں دیکھتا کہ یہ بیچارہ کس اہم ضرورت میں گرفتار ہے۔ بلکہ عام دستور سے زیادہ سُود کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ سود خور کی ایسی ہی ذہنی کیفیت کو اگلی آیت مجیدہ میں شیطانی خبط کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ
جو لوگ کہ کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہونگے
اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ
یعنی قبروں سے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص کہ باؤلا کرتا
الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ
ہے اسکو شیطان آسیب سے یہ اسواسطے ہے کہ کہا انہوں نے سوا
الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
اسکے نہیں کہ بیچنا ہے مانند سود کے اور حلال کیا اللہ نے بیچنا اور
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی
حرام کیا سود کو پس جو کوئی آوے اسکے پاس نصیحت رب اسکے سے
فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ
پس باز رہا پس واسطے اسکے ہے جو کچھ پہلے ہوچکا اور حکم اسکا طرف
عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا
اللہ کے ہے اور جو کوئی پھر کرے پس وہی ہیں رہنے والے آگ
خٰلِدُوْنَ ○ ۲۷۵
کے وہ بیچ اسکے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جو لوگ سُود کھاتے ہیں، وہ (زیادہ سے زیادہ شرح سود کے تقرر کیلئے) ہنیں کھڑے ہوتے مگر اُس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جسے نفس شیطان نے انگیخت دیکر (زیادہ سے زیادہ سود حاصل کرنے کیلئے) خبطی کر دیا ہو۔ یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہیں تجارت (کا نفع بھی تو) سُود کی مانند ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت (کے نفع) کو حلال ٹھہرایا ہے۔ اور (روپے کے نفع یعنی) سُود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر (سود خوروں میں سے) وہ شخص جس کے پاس اُسکے رب کی طرف سے اسکا نصیحت نامہ آچکا، اگر وُہ سُود خوری سے باز آیا۔ تو اُسکے لئے ہے جو گزر چکا۔ یعنی اُسکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (وہ اسکا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کریگا) اور جن لوگوں نے پھر سُود خوری کی۔ پس وُہی لوگ اہل نار (جہنمی معاشرے والے ہیں) وہ اُسکی سزا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

سے ربٰو کا لفظی معنیٰ ہے وہ بڑھوتی، جو کسی حاجتمند سے روپوں کے استعمال کے عوض حاصل کی جائے۔ ۳/۱۳۰ میں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ میں ربٰو کے معنے بتا دیئے گئے ہیں، بڑھوتی ہی بڑھوتی، جسے خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیدیا ہے۔ اسکی حرمت کی تین ظاہر وجہیں ہیں:۔

۱۔ تجارت کا نفع حلال اور سُود حرام اسلئے ہے کہ تجارت کے مال پر جو نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ اُس مال کو خرید لے، اُٹھانے، لانے، سنبھالنے اور بیچنے کی محنت کا عوض ہوتا ہے۔ لیکن روپوں کے نفع یعنی حصولِ سُود میں سود خور کو کوئی معمولی سی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۲۔ تجارت میں نفع کا امکان بھی ہوتا ہے اور نقصان کا بھی۔ یعنی تجارت کے مال کا بھاؤ گر جائے تو سرمایہ دار کو گھاٹا پڑ رہا ہوتا ہے اور غریب عوام کو چیزیں سستے داموں میسّر آرہی ہوتی ہیں۔ لیکن سُود کے معاملہ میں نقصان کا تصوّر تک موجود نہیں ہوتا۔ اور ہر حال میں اصل زر پر سود کی بڑھوتی حاجتمند مقروض بچارے ہی کو ادا کرنی ہوتی ہے

خواہ اُسکی ادائیگی میں اُسے گھر کے معمولی اثاثہ تک سے محروم ہونا پڑے۔

قرضہ بلا سُود کا انتظام کیا جائے

۳- تیسرے نمبر پر سُود کی حرمت کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ سُودی معاشرہ میں باہمی محبّت ہمدردی اور ایک دوسرے کی مصیبت کا احساس ختم ہو جاتا، اور انسان مقام انسانیت تک سے گر جاتا ہے۔ حالانکہ خداوندتعالیٰ نے قرآنی معاشرہ کے ابتدائی مراحل میں بھی غرباء کی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر اُنہیں سُود کے ذریعہ غریب سے غریب تر کرتے چلے جانے کے قلع قمع کیلئے سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام قائم کرنے کا حکم دیا ہے یعنی وضاحت کیگئی ہے کہ معاشرہ کے مالداروں سے صدقات وصُول کرکے ایک بیت المال قائم کیاجائے! اور جب کسی حاجتمند کو کوئی ضرورت لاحق ہو تو اُسے بلا سُود قرضہ میسّر آتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ ۲۷۶

اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہے ہر ایک کفر کرنیوالے گنہگار کو۔

اللہ تعالیٰ، سُود (کی بُنیادوں پر قائم نظام) کو ملیا میٹ کرتا، اور صدقات (کی بُنیادوں پر قائم نظام) کو بڑھاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (سُودی نظام کے حامی اور صدقاتی نظام کے) ہر شدید منکر اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

● دیکھئے! اِس آئت مجیدہ میں صدقات کو سُود کی، اور سُود کو صدقات کی ضد بتایا گیا ہے۔ اب چونکہ ظاہر ہے کہ سُود حاجتمندوں سے اُسوقت وصول کیاجاتا ہے جب وہ ضرورت واحتیاج کی بدولت قرضہ اُٹھانے پر مجبور ہو جاتے اور ناچار سُود دینا پڑتا ہے پس ثابت ہؤا کہ سُود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کی غرض یہ ہے۔ کہ ضرورتمندوں کو قرضے بلا سُود مہیا کرنے کیلئے سُودی نظام ختم کرکے، صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اگلی آئت مجیدہ میں سُودی نظام کے خاتمہ اور صدقاتی نظام کے قیام کو ایمان کے بعد اعمالِ صالح، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی ایک شق بیان کیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کیئے اچھے اور

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

قائم رکھا نماز کو اور دیا زکوٰۃ کو واسطے اُن کے ہے ثواب اُنکا

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور نہ

يَحْزَنُوْنَ ۝ ۲۷۷

وہ غمگین ہونگے۔

بیشک جو لوگ (سُودی کی بجائے صدقاتی نظام پر) ایمان لائینگے، اور اِس طرح معاشرہ کی اصلاح کرینگے یعنی (اپنی ادا کردہ) صلوٰۃ کو قائم کرینگے۔ اور محرومین ربوبیت کو اُنکا حقّ نشو و نما (حقّ زکوٰۃ) ادا کرینگے، اُنہیں مستقبل کے خطرات کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ ماضی میں کیئے ہوئے اعمال کیلئے غمگین ہونگے۔

● اِس اصولی وضاحت کے بعد پھر ناہموار معاشرہ کے ابتدائی اصلاحی پروگرام کی طرف رُخ کیا گیا ہے کہ:-

اب سُود کے بقایاجات سب چھوڑ دینے ہونگے

سابقہ سود خوروں کو، جو دائرہِ اسلام میں داخل ہوجائیں اور اُن کے قرضہ جات اصلِ زر معہ سُود مقروضین کے ذمّہ باقی ہوں

ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے ایمان کی شرطِ اول یہ ہے کہ بقایا سُود چھوڑ دو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۷۸
جو باقی رہا سُود سے اگر ہو تم ایمان والے۔

اے ایمان کے دعویدارو! اگر تم واقعتہً مومن ہو تو اللہ تعالیٰ (کے ضابطے کی) مخالفت سے بچ جاؤ، اور (مقروضین) کے ذمّہ) سُود میں سے جو کچھ باقی ہے وُہ انہیں چھوڑ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ
پس اگر نہ کرو گے تم پس خبردار ہو جاؤ ساتھ لڑائی کے
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اللہ سے اور رسول اُسکے سے اور اگر توبہ کرو تم پس واسطے تمہارے
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ۲۷۹
ہیں اصل مال تمہارے نہ ظلم کرو تم اور نہ ظلم کئے جاؤ گے۔

پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی باقی سود نہ چھوڑو) تو سُن لو کہ اللہ کا، اُسکے رسول کی معرفت تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اور اگر تم (سود لینے سے) توبہ کرو، تو تمہارے اصلِ زر تمہارے لئے محفوظ ہیں۔ نہ (اصل رقم پر بڑھوتی وصول کرکے) تم ظلم کرو۔ اور نہ (تمہاری اصل رقم ضائع ہونے سے) تم ظلم کئے جاؤ۔

قرضداروں کو تنگ نہ کیا کرو

اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ باقی سُود چھوڑ کر قرضداروں پر کوئی احسان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ظلم سے ہاتھ کھینچ لیا گیا ہے۔ اِسلئے اب اصلِ زر کی وصولی میں بھی سختی نہ کرنا۔ اگر مقروض بچارے ناہموار نظام کے ہاتھوں مفلوک الحال ہو چکے ہیں تو اُنہیں فوری ادائیگی پر مجبور نہ کرنا:۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
اور اگر ہو قرضدار تنگی والا پس ڈھیل دینا بیچ
مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فراغت تک اور یہ کہ خیرات کرو بہتر ہے واسطے تمہارے
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۸۰
اگر ہو تم جانتے۔

اور اگر تمہارے قرضدار تنگدست ہیں تو اُنہیں اُس وقت تک مُہلت دینا لازم ہے کہ اُنہیں رقم میسّر آجائے اور اگر تم (اُنکی زبوں حالی کے تحت اصل رقم بھی) صدقہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم جانو (کہ معراجِ انسانیت مفلوک الحال قرضہ داروں کو قرضہ کی رقم معاف کردینا ہے وصول کرنا نہیں)

آیتِ بالا میں وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن میں مفلوک الحال قرضداروں سے اپنی اصل رقم وصول کرنے کی بجائے، وصول نہ کرنے کو بہتر بتایا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہری طور پر قرضہ دینے والے کیلئے اپنی اصل رقم وصول کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ دی ہوئی رقم واپس آجائے اور بال بچوں کے کام آجائے لیکن واضح

رہے کہ قرآن کریم ربوبیتِ عالمینی کا علمبردار ہے ۱/۲، سرمایہ داری کا نہیں۔ قرآن کے میزان میں عدل و انصاف ہے العفو ۲/۲۱۹ - یعنی ترازو کے بھاری پلڑے سے نکال کر ہلکے پلڑے میں ڈالنا۔ تا آنکہ معاشرہ کے ترازو کی ڈنڈی سیدھی ہو جائے۔ نہ قرآنِ کریم ناہموار معاشرہ کا حامی ہے نہ سرمایہ واد اور سرمایہ داری کا۔ بلکہ وہ پورے معاشرہ کے ایک ایک فرد کی خوشحالی کا ضامن ہے۔ چنانچہ سورہ رُوم میں ارشاد ہوا ہے :-

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ = اور جو مال تم سود کی صورت میں دیتے ہو کہ لوگوں کا انفرادی مال بڑھتا جائے، وہ اللہ کے ہاں مطلقاً نہیں بڑھتا۔ (یعنی یہ نظام، رضاءِ خداوندی کے خلاف ہے) اور جو مال تم لوگوں کی نشوونما کیلئے دیتے ہو (اللہ کے نزدیک وہ مال بڑھتا ہے) اس میں تم اللہ کی صحیح رضا کا ارادہ کرتے ہو۔ پس ایسا (نظام قائم کرنے کیلئے مال خرچ) کرنے والے ہی وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکا مال دُگنا ہوگیا۔ ۳۰/۳۹

واضح رہے کہ اس آیت میں سُود کو زکوٰۃ اور رضاءِ الٰہی کی ضد بنایا گیا ہے اور پیچھے ۲/۲۷۶ میں اسے صدقات کی ضد کہا ہے:۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۔ پس ثابت ہوا کہ رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ سُودی نظام مطلقاً ختم کر کے زکوٰۃ و صدقات کا نظام قائم کیا جائے، جس میں پورے معاشرہ کے فرد فرد کی صحیح صحیح نشوونما کا انتظام ہو۔ اسی لئے آیت زیر بحث میں صدقاتی نظام کی ابتدائی کڑی کے طور پر حکم دیا گیا ہے کہ مفلوک الحال قرضداروں سے قرضہ وصول کرنے کی بجائے صدقہ کر دینا، چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے لیکن یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اُنکے اس انسانیت نواز عمل کو ضائع کر دیا جائیگا۔ بلکہ سُودی نظام کو رضاءِ الٰہی کے خلاف قرار دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس جہنمی نظام کے اُخروی عذاب سے بچنے کی "تاکید" اور مفلوک الحال قرضداروں کو اصل رقم چھوڑ دینے والوں کو خبر دیگئی ہے کہ اُنہیں اس انسانیت نواز عمل کا اجر قیامت کی عدالتِ عالیہ میں پورا پورا عطا کیا جائیگا :-

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ
اور ڈرو اُس دن سے کہ پھیرے جاؤ گے بیچ اسکے طرف
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
اللہ کے پھر پورا دیا جائیگا ہر جی کو جو کچھ کمایا ہے اور وہ نہیں
لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۲۸۱
ظلم کئے جائینگے۔

اور ایمان والو! (مفلوک الحال قرضداروں کو قرضے صدقہ کر کے) اُس دن کے عذاب سے بچ جاؤ، جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جانیوالے ہو۔ پھر ہر جان کو اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا جو اُس نے کمایا ہے۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جائینگے۔ (جو مال اُنہوں نے اللہ کی رضاجوئی کیلئے یہاں صدقہ کئے ہیں، وہاں اُن مالوں کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائیگا)

قرضے بلا سود دیا کرو لیکن قرضدار سے رسید لکھوالیا کرو

آیاتِ ماسبق میں سود کی حرمت اظہر من الشمس ہو چکی ہے۔ اور یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقٰت ۲/۲۷۶ کے الفاظ میں سود کے انسانیت کش انفرادی نظام کی جا بجا صدقات کا انسانیت نواز اجتماعی نظام قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں ضرورتمندوں کو صدقہ کی رقموں سے قائم کردہ بیت المال سے بلا سود قرضے میسر آیا کریں۔ لیکن جبتک اجتماعی بیت المال قائم نہ ہو، اُس وقت تک ضرورتمندوں کو انفرادی طور پر بھی اصحاب استطاعت سے بلا سود ہی قرضے دیئے جانے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔ تاکہ کسی کی ضرورت واحتیاج رُکی نہ رہے۔ البتہ اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ قرضہ دیتے وقت واپس ادائیگی کی مدّت متعیّن کرکے باضابطہ رسید لکھوالیا کرو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب معاملت کرو تم ساتھ

بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ

قرض کے ایک وقت مقرر تک پس لکھ رکھو اُس کو اور

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

چاہیئے کہ لکھے درمیان تمہارے لکھنے والا ساتھ انصاف کے

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

اور نہ انکار کرے لکھنے والا یہ کہ لکھے جیسا سکھایا اُسکو

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

اللہ تعالیٰ نے پس چاہیئے کہ لکھ دیوے اور مطلب کہے وہ

رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ

شخص اُوپر اُسکے ہے حق اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

اپنے سے اور نہ کم کرے اُس میں سے کچھ پس اگر ہو وہ شخص

اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَ

کہ اُوپر اُسکے ہے حق بیوقوف یا ناتوان یا نہیں سکتا یہ کہ مطلب

اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

کہے وہ پس چاہیئے کہ مطلب والی اسکا ساتھ انصاف کے اور گواہ کرلو دو شاہد اپنے مردوں کو

ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ مدّت کیلئے دین کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ (یعنی رسید لکھوالیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب (عرضی نویس) اُسے منصفانہ انداز کیساتھ (واضح اور غیر مبہم الفاظ میں) لکھے۔ اور چاہیئے کہ کاتب اس دستاویز کو اسطرح لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اُسے منصفانہ طور پر لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے (حکم دیا ہے)۔ اور چاہیئے کہ قرضہ جس کے ذِمّہ آیا ہے۔ وہ (یعنی قرضہ لینے والا ہر چیز اور ہر شرط) خود املا کرائے۔ اور چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے (کوئی غلط، مبہم یا فریب دِہ الفاظ نہ لکھوائے) یعنی رسید سے متعلقہ کوئی بھی چیز کم نہ کرے۔ پھر اگر (قرضہ لینے والا) جس پر قرض کی واپسی لازم آئی ہے بے سمجھ یا کمزور ہو، یا وہ رسید لکھوانے کی طاقت سمجھ نہ رکھتا ہو، تو چاہیئے کہ اسکا کوئی خیرخواہ کاتب سے منصفانہ رسید لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو کامل (یعنی معتبر) مردوں کی گواہی ثبت کروالیا کرو۔ پھر اگر دو مرد میسّر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کرلیا کرو جنہیں تم گواہی کیلئے پسند کرو۔ (عورتیں دو اسلئے) کہ اگر اُن دونوں میں سے ایک عورت کوئی بات بھول جائے تو دوسری اُسے یاد

فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ

پس اگر نہ ہوں دو مرد پس ایک مرد اور دو عورتیں اُن میں

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ

سے کہ پسند کرتے ہو تم شاہدوں میں سے اگر ہو یہ کہ بھول جاوے

اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى

ایک اُن میں سے پس یاد دلا دے ایک اُن دو میں سے دوسری

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا

کو اور نہ انکار کریں شاہد جب بلائے جاویں اور مت کاہلی

تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى

کرو یہ کہ لکھو اُسکو چھوٹا یا بڑا ایک مدت تک اسکے یہ بہت انصاف

اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

ہے نزدیک اللہ کے اور بہت درست کرنیوالا ہے واسطے شہادت کے

لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

اور بہت نزدیک ہے اُس سے کہ نہ شک میں پڑو مگر یہ کہ ہو

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

سوداگری ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو اسکو درمیان اپنے پس نہیں

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا

اوپر تمہارے گناہ یہ کہ نہ لکھو تم اسکو اور شاہد کر لو جب سودا کرو

تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ

تم اور نہ ایذا پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر کرو تم

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا

یہ پس تحقیق وہ گنہگاری ہے ساتھ تمہارے اور ڈرو اللہ سے

اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

اور سکھاتا ہے تم کو اللہ اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے

والا ہے۔

۲۸۲

کرا دے۔ اور (اسکے بعد اگر کبھی تنازعہ کی صورت میں) گواہوں کو گواہی کیلئے بلایا جائے تو لازم ہے کہ وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ اور (ایمان والو!) معیّنہ مدّت کیلئے اُدھار لین دین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اُسکے لکھنے میں سستی نہ کرنا یہ طریق کار اللہ کے نزدیک منصفانہ، شہادت کیلئے مستحکم اور اس امر کے بہت قریب ہے کہ تمہارے درمیان تنازعے پیدا نہ ہوں۔ سوائے اسکے کہ تجارتِ حاضرہ، یعنی دست بدست لین دین کا معاملہ ہو تو اگر اُسے نہ لکھو تو کوئی حرج نہیں۔ نیز سودا کرتے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو۔ (یعنی بیعانہ بھی لکھوا کر شہادتیں ڈلوا لیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب اور گواہ کو (گواہی سے روکنے کیلئے، یا گواہی دے چکنے کے بعد) تکلیف نہ دی جایا کرے (ورنہ وہ ان تکالیف سے بچنے کیلئے گواہی دینے سے پرہیز کرنے پر مجبور ہو جائینگے) اور اگر تم ایسا کرو گے تو جان لو کہ تمہارا یہ عمل (قانون کی) حد پھاندنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو، اور (جانتے رہو کہ) اللہ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

ـلـه ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اسلئے نہیں کہی گئی کہ عورت کا درجہ مرد سے آدھا ہے۔ بلکہ یہ اسلئے کہ صنفِ نازک کو صنفی طور پر ایسے عوارض بھی لاحق ہیں، جن سے ان کی یادداشت پر برا اثر پڑنے کا احتمال موجود ہے۔

کاتب نہ ملے تو مال گروی لے لیا کرو آیت بالا میں اُدھار لین دین کو باضابطہ لکھنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اگر یہ لین دین بحالتِ سفر ہو رہا ہو اور کاتب میسّر نہیں تو حکم ہوتا ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا
اور اگر ہو تم اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم لکھنے والا پس
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
گروی ہے قبضہ کی ہوئی پس اگر امین جانے بعض تمہارے بعضے
فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
کو پس چاہیئے کہ ادا کرے وہ شخص کہ امین جانا گیا ہے امانت اپنی کو
رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا
اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار اپنے سے اور مت چھپاؤ گواہی کو اور
فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝
جو کوئی چھپاویگا اسکو پس تحقیق وہ گنہگار ہے دل اسکا اور اللہ ساتھ
اس چیز کے کہ کرتے ہو جاننے والا ہے۔ ۲۸۳ ع

اور اگر تم سفر میں ہو۔ اور کاتب نہ ملے تو قرضہ کی رقم کے بدلے کوئی چیز با قبضہ رہن کر لیا کرو۔ پھر (ایمان والو! جب گروی کے معاملہ میں)، اگر تم میں سے کوئی شخص (یعنی قرض لینے والا) تمہارے کسی شخص (یعنی قرض دینے والے کو اپنا گروی کا مال قرضہ کی رقم کے عوض) بطورِ امانت دیتا ہے۔ تو چاہیئے کہ جب گروی کے مال کا مالک قرضہ کی رقم واپس کردے تو وہ اسکی امانت واپس کر دیا کرے۔ اور چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ یعنی اپنے پروردگار کی مخالفت سے بچے۔ اور (اے گواہو! اگر لین دین کے معاملوں میں تنازعہ پیدا ہو جائے تو) تم گواہی کو نہ چھپانا۔ پھر جس کسی نے گواہی کو چھپایا اسکا قلب گنہگار ہے۔ اور تم جو بھی عمل کرو گے، اللہ تعالےٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

● آیت بالا میں جہاں عدمِ موجودگی کاتب کی صورت میں قرضہ لینے والے پہ پابندی لگادی گئی ہے کہ وہ کوئی مال گروی دیکر قرضہ حاصل کرے۔ اسکے ساتھ ساتھ قرضہ دینے والے اور گروی کا مال حاصل کرنیوالے پر بھی پابندی لگادی ہے کہ اب اسکے لئے یہ روا نہیں کہ سو روپیہ دیکر ڈیڑھ سو روپیہ کا زیور وصول کر چکا ہے تو اب اسکی واپسی کو ضروری نہ سمجھے! وہ اسکا مال ہضم کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ چنانچہ اس مال کو قرضہ دینے والے کے پاس بطورِ امانت قرار دیا گیا ہے جس کی واپسی ضروری ہے۔

● نیز اگر وہ چیز بلا مشقّت آمدنی دینے والی ہے، مثلاً مکان، گودام، دکانیں وغیرہ۔ تو اُنکی آمدنی کھانا بھی سُود ہی میں شمار ہوگا۔ اسلئے جو آمدنی اسے گروی کے مال سے حاصل ہو۔ وہ اصل زر میں سے منہا کرکے باقی رقم، قرضہ کی رقم متصور ہوتی رہیگی۔ اور اگر اُس فائدے سے قرضہ کی پوری رقم ادا ہو جائے۔ تو اُسکے بعد گروی کا مال فوراً واپس کردینا ہوگا۔ زمین کی بٹائی چونکہ بلا مشقت حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے وہ بھی سُود میں داخل ہے۔ لہٰذا حرام ہے اِس

طرح اگر گروی کا مال زمین ہے ۔ تو اگر گروی لینے والا اُسے بٹائی پر دیگا، تو وُہ بھی سُود شمار ہوگا۔ جو اصل زر سے منہا ہوتا چلا جائیگا۔ اور رقم پوری ہو چکنے پر زمین واپس کر دینا ہوگی۔ ہاں اگر گروی لینے والا خود کاشت کرے تو اب چونکہ زمین کی آمدنی بلا مشقت حاصل نہیں ہوگی۔ اِسلئے یہ سُود شمار نہیں ہوگی۔ اُدھر زمین گروی دینے والا بھی گروی کی رقم سے تجارت کے ذریعہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

ہر چیز کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ذاتی املاک کا تصوّر مطلقاً غیر قرآنی ہے،

بعض علماءِ کرام، مذکورہ بالا آئیتں، سرمایہ دارانہ نظام کو، قرآنی اور اسلامی نظام ثابت کرنے کیلئے، بطور دلیل پیش کرتے ہیں، کہ اگر معاشرہ میں غریب اور امیر دونوں طبقے موجود ہونگے، تو پھر ہی اِن آئتوں پر عمل ہو سکیگا کہ :-

۱۔ اصحابِ ثروت نادار حاجتمندوں کو بلا سُود قرضے دیا کریں۔
۲۔ قرضہ کی واپسی کی مُدّت مقرر کی جائے۔
۳۔ قرضہ کی رقم اور واپسی کی مقررہ مُدّت باقاعدہ طور پر کاتب سے لکھوائی جائے۔
۴۔ دو مرد گواہ کئے جائیں۔
۵۔ اگر دو مرد مُیسّر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں۔
۶۔ تنازعہ کی صورت میں دو گواہ مرد عورتیں گواہی دیں۔
۷۔ اگر سفر کا دَوران ہو اور کاتب نہ ملے تو کوئی چیز با قبضہ رہن رکھی جائے
۸۔ گروی کا مال جس کے قبضہ میں دیا جائیگا، وہ اُس مال کا امین ہوگا اُسے یہ امانت اُسکے مالک کو واپس کرنا ہوگی۔
۹۔ گواہ اور کاتب گواہیوں کو چھپائیں نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اُنکے قلب گنہگار ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مقامِ افسوس

افسوس کا مقام ہے کہ آیاتِ بالا، اور اِن جیسی دیگر آیات مقدسات سے سرمایہ داری نظام کو قرآنی اور اسلامی نظام ثابت کرتے وقت قرآن کریم کے اوّلین درس الحمدللہ ربّ العلمین کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اِس حالت کو ربوبیّت عالمینی کہنا ہی سَو فیصدی غلط ہے کہ معاشرہ میں غریب اور امیر دو طبقے موجود ہوں، ایک طبقہ کو صرف زندہ رہنے کیلئے بھی ضروریاتِ زندگی باقاعدگی کیساتھ مُیسّر نہ آتی ہوں۔ اور اُنہیں آئے دن قرضہ اُٹھانے کیلئے مجبور ہونا پڑے۔ اور قرضہ لے چکنے کے بعد پھر وہ بچارے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں شبانہ روز پھنسے رہیں۔ اور اِس طرح وہ ہوں اور قرضخواہوں کے روز روز کے تقاضے۔

● واضح رہے کہ آیاتِ بالا میں مذکور احکام اور اِن جیسے دیگر حُکموں کے متعلق قرآن کریم کا پہلا اعلان، جس کا اقرار قرآن کریم کے قاری سے ابتدائے تلاوت ہی میں لے لیا جاتا ہے۔ یعنی الحمد للہ ربّ العلمین ایک فیصلہ کن اعلان ہے کہ قرآنی نظام میں ربوبیّتِ عامہ

کے لحاظ سے ہر فرد و بشر کا حق سو فیصدی مساوی ہے ۔ پھر ۲/۲۹ میں بھی اِسی چیز کا اعلان بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے :۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۲/۲۹

= وہ اللہ ہی عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سب کا سب، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے۔ نیز ۲/۳۶ میں ارشاد فرمایا ہے :۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○ ۲/۳۶ + ۲/۲۴ ۔

= اے نوعِ انسانی! اِس زمین میں تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے حقِ رہائش بھی ہے۔ اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی۔ پس اِن آیاتِ کریمات کی رُو سے کسی ریاست کا وہ نظام، جس میں عوام کا بلا کرایہ حقِّ رہائش تسلیم نہ کیا گیا ہو یعنی کچھ لوگ مالک مکان ہوں اور کچھ کرایہ دار، وہ نظام کس طرح آیاتِ بالا کے تقاضے پورے کرسکتا ہے ؟ نیز جس نظام میں ایک طبقے کو اپنے دِن ضروریاتِ زندگی کیلئے قرضے اُٹھانے کیلئے مجبور ہونا پڑتا ہو، اُس نظام کو کس طرح "نظامِ ربوبیت" کہا جا سکتا ہے۔

لہٰذا حقیقت اظہرمن الشمس ہے کہ جبتک قرآنی نظام تام نہیں ہوتا۔ اور ابھی غیر قرآنی معاشرے کے قائم کردہ ذاتی املاک ختم نہیں ہوئے۔ اُسوقت تک کیلئے صدقات، وراثت، قرضہ، رہن، کاتب، گواہ اور گروی کے مال وغیرہ سے متعلقہ احکام نازل کردیئے گئے ہیں ایسی آیاتِ کریمات سے نہ امیر و غریب کی موجودگی رضاءِ الٰہی ٹھہرتی ہے۔ نہ یہ اُنکی ذاتی املاک کیلئے دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ جیسے کہ اِن عبوری احکام کو آیت نمبر ۲۸۳ میں وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ کے الفاظ پر ختم کرنے کے عین متصل بالبعد اگلی آیت نمبر ۲۸۴ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ اللہ کے املاک پر انسانی ملکیت کا تصوّر ہی بے بنیاد ہے۔ یہ کون ہوتے ہیں حقِ ملکیت جتانے والے، زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، سب کا سب تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے :۔

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ
واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو
إِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم
کچھ بیچ زمین کے ہے اور اگر ظاہر کرو جو کچھ بیچ جی تمہارے کے
بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن
ہے یا چھپاؤ اُسکو حساب لیویگا تم سے ساتھ اُس کے اللہ
يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ ۲۸۴
پس بخشے گا جس کو چاہیے اور عذاب کریگا جس کو چاہیے
اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اور تم (اُسکے حقِ ملکیت کے خلاف اپنا حق ثابت کرنے کیلئے) جو کچھ اپنے ذہنوں میں چھپاتے ہو یا اُسے ظاہر کرتے ہو، اللہ ہر چیز کا تم سے حساب لیگا۔ پھر (ٹھیک ٹھیک حساب کے بعد) جسے عذاب سے بچائیگا تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی بچائیگا۔ اور جسے عذاب کرے گا اُسے قانونِ مشیت کے مطابق ہی عذاب کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عذاب و ثواب سمیت ہر چیز کے پیمانے (قوانین) مقرر کرنیوالا ہے۔

سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع۔ خود رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اِسی ضابطے پر ایمان تھا

● سورہ بقرہ کی ابتدا میں عام مومنوں کی شان بیان ہوئی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۲/۴ = اور وہ لوگ اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہیں، جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اِس سورت مجیدہ کا خاتمہ بھی اسی ضابطۂ خداوندی پہ خود رسولِ مقبول اور صحابہ کے ایمان کی وضاحت پر کیا گیا ہے۔ نیز ساتھ ہی ایمان کی باقی سب شقیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ
ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف
وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
اُسکے پروردگار اُسکے سے اور مسلمان ہر ایک ایمان لائے ساتھ اللہ
وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
کے اور فرشتوں اُسکے کے اور کتابوں اُسکی کے اور رسولوں اُسکے کے
مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے سے اور کہا
غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○
انہوں نے سُنا ہم نے اور مانا ہم نے بخشش مانگتے ہیں ہم تیری
اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہے پھر آنا۔ ۲۸۵

اللہ کا رسولؐ خود بھی اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لایا ہے، جو اُسکی طرف نازل ہوا ہے۔ اور جملہ مومنین بھی ایمان لائے ہیں اللہ پر (اِس طرح کہ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا خالق ہونے کے علاوہ ہر چیز کا مالک بھی وہی ہے ۲/۲۸۴ + ۴/۱۳۱ + ۴/۱۳۲)، نیز اُسکے ملائکہ پر (اِسطرح کہ وہ وہی کام کرتے ہیں جو حکم دئیے گئے ہیں ۱۶/۵۰۔ وُہ سب انسان کیلئے سجدہ ریز ہیں ۲/۳۴ + ۷/۱۱)۔ اُسکی کتابوں پر اِسطرح کہ سب میں ضابطۂ ربوبیت عامہ ہی نازل کیا گیا ہے ۲۶/۱۹۶ + ۸۷/۱۸-۱۹)، نیز اُسکے رسولوں پر (اِس طرح کہ جملہ اقوام کو ضابطۂ ربوبیت رسولوں ہی کے ذریعہ دیا گیا تھا ۲/۲۱۳ + ۱۰/۱۹ + ۵۷/۲۵ + ۴۲/۱۳)، وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (سب ایک سے ایک افضل تھے ۲/۲۵۳۔ اُن میں کوئی بھی گھٹیا قسم کا رسول ہرگز نہیں تھا۔ بارِ الٰہا!) ہم نے تیرا پیغام سُنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار معاف کرنا تیرا کام ہے۔ (ہم قیامت پر بھی ایمان لائے ہیں کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تیری طرف لوٹ آنا ہے۔

نوٹ رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشترکہ دعا کا چھوٹا سا حصہ آئت بالا میں آیا ہے۔ اور دعا کا بڑا حصہ اگلی آئت میں باقی ہے۔ جس کی ابتدا میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کے الفاظ جملہ معترضہ کے طور پر لائے گئے ہیں۔ جن میں اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی فرد پر اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ جملہ عموماً اُن مقامات پر آیا ہے جہاں اِس مقام کی مانند، اعمال کی جوابدہی کا ذکر ہو ۶/۱۵۲ + ۷/۴۲ + ۲۳/۶۲ وغیرہ۔ جملہ معترضہ کی غرض اِس امر کا اعلان عام ہے کہ سورہ بقرہ میں جملہ احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حرام، حلال، یمین، دین، نکاح، طلاق، عدت،

رضاعت اور جنگ جہاد وغیرہ، جو نافذ کئے گئے ہیں۔ ان سب کے متعلق سورت مجیدہ کے خاتمہ پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تمام اوامر و نواہی، انسانی قوت تعمیل کے عین مطابق اور طبعی تقاضوں کے عین موافق ہیں جس ذات مقدس نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے استطاعت بخشی ہے۔ وہ اس کی طاقت تعمیل اور طبعی تقاضوں سے خوب واقف ہے۔ اس نے کوئی بھی حکم اس کی طاقت کے خلاف ہرگز نہیں دیا۔ پس قیامت کی پرسش اعمال بھی ہر شخص کی طاقت تعمیل کے مطابق ہی ہوگی۔ کیونکہ غیر قرآنی اور غلط انظاموں کی غلط بخشیوں کی بدولت بعض افراد کی مضمر صلاحیتیں، جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد و بشر کو مساویانہ انداز سے عطا فرمائی ہیں، دب کر رہ جاتی ہیں۔

سورہ بقر کی آخری آیات کریمات اور ان کے مفہوم کے متعلق روایات و تفاسیر کا دیا ہوا عجیب و غریب تصور

سورہ بقر کی آخری آیات مقدسات میں جیسے کہ آپ خود دیکھ چکے ہیں کہ غلط معاشرہ کی درستی کے اصول بیان کئے گئے ہیں لیکن بخاری شریف کتاب التفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے درج ہے "انہوں نے بیان کیا کہ جب سورہ بقر کی آخری چند آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اس کا مطلب سمجھایا۔ اس کے بعد شراب کی تجارت سے منع فرما دیا گیا" بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ ۱۹۵۔ تعجب اس امر کا ہے کہ سورہ بقر کی آخری آیات کریمات میں شراب کا ذکر تک موجود نہیں لیکن آنحضور سلام علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان آیتوں کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت سے منع کر دیا۔

شراب کی حرمت آیت نمبر ۲۱۹ میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شراب اور اس کی تجارت تو اس آیت کی رو سے حرام ہو چکی۔ تو پھر ان آیات کریمات کے نزول پر شراب کی تجارت کے حرام ٹھہرانے کے کیا معنے جن میں شراب کا تذکرہ تک موجود نہیں۔ اس پر معترض سوال کر سکتا ہے کہ اسطرح جب $\frac{2}{219}$ میں خمر و میسر کے متعلق نازل ہوا تھا: فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ = ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے۔ تو کیا آنحضور نے اسوقت شراب اور اس کی تجارت کو حرام نہیں بتایا تھا؟ نیز معترض دوسرا سوال یہ کر سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کو کبیرہ گناہ بتایا تھا، تو اسوقت آنحضور نے کونسی چیز کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا؟ جبکہ شراب کی تجارت اسوقت حرام کی گئی جب سود کی حرمت کی آیتیں نازل ہوئیں۔ ان سوالوں کا جواب تو ہے کوئی نہیں مگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم رسول مقبول خوب سمجھتے تھے۔ آپ نے جو سمجھا اور سمجھایا وہی ٹھیک ہے۔ کیا تصور ہے یہ؟ کہ معاذ اللہ معاذ اللہ رسول مقبول سلام علیہ نے سود کا معنیٰ شراب کی تجارت سمجھا اور سمجھایا تھا۔ العجب!

حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہی منسوب الی الرسول روایتوں کی بدولت قرآن کریم کے متعلق یہ نظریہ قائم ہو چکا ہے کہ اس کے الفاظ کے ظاہری معنے کچھ اور ہیں اور باطنی کچھ اور ہیں۔ جیسے کہ سورہ بقر کی آخری آیات کریمات میں سود کی مذمت بیان کر کے صدقاتی نظام کے ساتھ مرکزی بیت المال کے قیام کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ضرورت مند افراد کو بلا سود قرضہ ملتا رہے۔ حتیٰ کہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر بگاڑ ہوا معاشرہ کے تقاضے ہوئے قرضدار بچارے تنگدستی کا شکار ہوں تو فراخی میسر آنے تک قرضوں کی وصولی میں مہلت دی جایا کرے

اور اگر قرضے معاف ہی کر دیئے جائیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ روایات نے اس انسانیت نواز تصور کو آنحضورؐ کی طرف یہ حکم منسوب کر کے گم کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضور نے ان کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت کو حرام کر دیا۔ کاش کہ سادہ لوح مسلمان روایات کے اس دام ہمرنگ زمین کو پہچاننے کی کوشش کریں، جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آ رہے ہیں۔

رجوع الی المقصود

سورہ بقرہ کی آخری آیت مجیدہ اور روائتی تراجم

سورہ بقرہ کی آخری آیت مجیدہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے جس جملہ سے شروع ہوتی ہے، سابقہ تراجم میں اسی آیت کے اگلے الفاظ کا ترجمہ اسکے اولین اعلان لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا کے خلاف درج ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے آیت مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں یہ انسانیت نواز اور حقیقت بدوش اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اسکی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتا ہی نہیں۔ تو پھر کیا ایسا تصور کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس اعلان پر یقین نہ آیا ہو؟ اور انہوں نے حضورِ الٰہی میں دعا کی ہو کہ بار الٰہا! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈالیو، جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ رسولؐ دعا کے چند الفاظ یہ ہیں :۔

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ $\frac{2}{286}$

دعا کے ان الفاظ کا معنیٰ مروجہ تراجم میں یہ لکھا ہے :۔ جس طرح تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بوجھ ڈالا تھا، اسطرح ہم پر نہ ڈالنا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم سے تو وہ بوجھ نہ اٹھوانا، جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہ ہو۔ اس ترجمہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر ان کی طاقت سے بڑھکر بوجھ ڈالا، اور اس اعلانِ عام لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی خلاف ورزی کی تھی؟ جس کا فیصلہ اس آیت $\frac{2}{286}$ کے علاوہ، $\frac{6}{152}$، $\frac{7}{42}$ اور $\frac{23}{62}$ میں بھی، یعنی چار گنا تکرار تاکیدی کیساتھ اعلانِ عام کر رکھا ہے، کہ ہم کسی نفس پر اسکی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔ اب آیئے اصل مضمون کی طرف :۔

دعا کیا ہے؟

دعا اپنے آپ کیلئے عمل کی تحریک ہوتی ہے

اگلی آیت مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم لکھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ دعا کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اسکا قانون تبدیل کرنے کو کہہ رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم کھیت میں بالترتیب نہ ہل چلائیں نہ بیج اور کھاد ڈالیں، نہ پانی دیں، لیکن دعا کرنے بیٹھ جائیں کہ بار الٰہا ہمارے کھیت کو لہلہاتی فصلوں سے بھر دے۔ تو اس دعا کی

غرض اِسکے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اللہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فصلوں کی پیدائش کا جو قانون تُو نے مقرر کر رکھا ہے اُسے ہم بے عملوں کیلئے بدل دے۔ اب بتایئے! کہ ہماری اِس دُعا کے بدلے کون ہے جو ہمیں دیوانہ نہیں کہیگا۔ پس یاد رہے دُعا کا مقام یہ ہے کہ مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر سو فیصدی عمل کرنے کا عزم صمیم ارادوں میں موجزن ہو۔ مطلوبہ مقصد کے قوانین متعلقہ پر عمل بھی کرتے چلے جائیں اور دُعا بھی کرتے جائیں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ = اے ہمارے پروردگار ہم سے ہمارا عمل قبول فرما، بلاشبہ تُو سننے والا، اور خوب جاننے والا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنی کمزوری، بھول اور خطا کا اقرار و اعتراف بھی کرتے جائیں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا = اے ہمارے پروردگار اگر ہم تیرے قانون کی تعمیل میں بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو بھول اور خطا کے بدلے گرفت نہ کیجیو۔ (کیونکہ ہم بھول اور خطا سے مبّرہ نہیں ہیں)

دُعا کے متعلق دو نظریے دُعا کے متعلق ذیل کے دو نظریے چل رہے ہیں:-

۱- پہلا یہ کہ خود تو کچھ نہ کریں اور صرف دُعا کرلیا کریں۔ چنانچہ سمجھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی دُعا قبول ہوتی ہے، دولت، رزق، اولاد، ملازمت وغیرہ سب کچھ اُن سے دُعا کرانے سے میسّر آجاتا ہے۔ لیکن اِس واہمہ کے ماتحت ہوتا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسے افراد کی تلاش جاری رہتی ہے، جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ فلاں ننگے، فلاں پاگل، فلاں مجذوب الحواس، فلاں گدی نشین یا فلاں بزرگ کی دُعا قبول کرتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اگر صرف دُعا کیساتھ مقاصد حاصل ہوسکتے ہوں، تو رسولِ مقبولؐ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے، جن کی دُعا یقیناً مقبول ہو۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو حضور سلامٌ علیہ جنگِ اُحد میں صرف دُعا فرماتے، اور آپ کو مع صحابہؓ شکست نہ ہوسکتی۔ پس دُعا کے متعلق یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ قوانینِ خداوندی کی مخالفت کے باوجود صرف دُعا کرنے، یا کسی بزرگ سے دُعا کروانے سے مقاصد حل ہو جاتے ہیں۔

۲- دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دُعا مطلقاً بیکار محض ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اُس سے زائد کچھ میسّر نہیں آتا۔ حالانکہ ہم تو صرف ہل چلا کر، اور بیج بو کر پانی دے دیتے ہیں۔ اِسکے بعد بیجوں کے ایٹموں کو پھاڑ کر انگوری نکالنے سے شروع کرکے، فصلوں کے پکانے تک کا سارا باقی کام اللہ تعالیٰ اپنے جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے کروا تا ہے۔ ہوا، بادل، بجلی، سورج، چاند، تارے سب خدا تعالیٰ کے عظیم لشکر ہیں، جن سے وہ اِنسانی کمیاں پُوری کرواتا رہتا ہے۔

دُعا کا اہم فلسفہ اُوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ دُعا اپنے آپ کیلئے، مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانینِ مشیّت پر عمل کرنے کی اہم تحریک ہے۔ دوسرے نمبر پر اِسکا مخصوص اہم فلسفہ یہ ہے کہ مومن اور کافر یعنی اللہ کے حضور دُعا کرنے والا، اور نہ کرنے والا، دونوں قانونِ مشیّت کے مطابق فصلیں وغیرہ حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لشکر دونوں کی کمیاں پُوری کرنے میں لگے رہتے ہیں لیکن دُعا کرنے والا تقسیم کار کے مطابق اُس میں اللہ تعالیٰ کا حصّہ تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنی دُعا کے اقرار کے مطابق حاصل شدہ نعمتوں میں سے اللہ کا حصّہ ادا کرتا، اور اپنے حصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ لیکن دُعا نہ کرنیوالا، یعنی وُہ فرد، جو حاصل شدہ نعمت کو صرف اپنی ہی محنت کا ثمر قرار دیتا ہے، نہ وہ اللہ کا حصّہ ادا کرنا لازم سمجھتا ہے، نہ اپنے حصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرنے پر کوئی پابندی

تسلیم کرتا ہے۔ یہی تصور ربوبیتِ عامہ کی مخالفت اور فساد فی الارض کا موجب ہے۔

● المختصر! دعا کے متعلق نہ پہلا نظریہ ہی درست ہے کہ خود کچھ نہ کریں اور نہ قوانینِ جاریہ کی پابندی نہ کریں اور صرف دعاؤں پر تکیہ کئے بیٹھے رہیں۔ اور نہ دوسرا نظریہ ہی صحیح ہے کہ دعا بیکار محض ہے۔ آنحضور سلام علیہ سمیت جملہ انبیا کی دعائیں قرآنِ حکیم میں موجود و محفوظ ہیں مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے تقسیمِ کار کی رُو سے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے، اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق اُسکی تعمیل بھی کریں اور دُعا بھی کیا کریں۔ کہ بارِ الہا! تیرے قانون کی تعمیل میں ہم سے اگر بھول یا خطا ہو جائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ آیتِ بالا ۲/۲۸۵ میں آنحضور سلام علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشترکہ دُعا کے ابتدائی الفاظ "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، یعنی ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں" انتہائی اہم، اور بے حد غور طلب ہیں۔ سُنا اور اطاعت کی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور مع صحابہؓ ہر کام کی تکمیل کیلئے قوانینِ خداوندی ہی کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ نہ محض دُعاؤں پہ بھروسہ تھا اور نہ اپنی سعی و کوشش کو خطا و نسیان سے مبرا قرار دیتے تھے بلکہ دعائیں بھی اس امر کا اقرار کہ ہم تیرے قانون پر عمل پیرا ہیں۔ اور اسکے ضمن میں خطا و نسیان کی معافی چاہتے ہیں پس اسوۂ رسول اور سنتِ رسول اظہر من الشمس ہے کہ آنحضور مع صحابہ اپنے فرضِ منصبی قیامِ نظامِ ربوبیت کا کام، شروع کرتے، اور ہر قسم کے وسائل و ذرائع پر نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ خداتعالیٰ سے مدد بھی طلب فرماتے رہے۔ خصوصاً نظامِ ربوبیت کے قیام میں، منکرینِ ربوبیت کے مقابلہ پر فتح و نصرت کیلئے مدد کی دُعا بھی بدستور فرماتے رہے۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

● جیسے کہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ دُعا اپنے آپ کیلئے مطلوبہ مقصد سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنے کی تحریک ہے۔ اس قرآنی مسلمہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور نے دشمن کے مقابلہ کیلئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیا فرمائی تھی۔ کیونکہ اسکے بغیر فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی دُعا محض دیوانہ پن ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ارشادِ باری ہے۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ =

(مفہوم) اور تم میں جتنی بھی استطاعت ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لئے، مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے جاؤ۔ خصوصاً تمہارے ہاں گھوڑے (ذرائع رسل و رسائل)، کی اس قدر بہتات ہو کہ تم اُس کے ساتھ اللہ کے دشمنوں یعنی اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ وہ تمہاری عسکری قوت کے خوف سے گھر بیٹھے ہی کانپتے رہیں ـــ پس قرآنِ کریم کے اِن فیصلوں نیز عالمی مشاہدات، اور حضور و صحابہ کی دُعا کے اتصال سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ یہی اور صرف یہی ہے کہ عمل بھی کرو، اور دُعا بھی کرتے رہو۔ دُعا کے اس قرآنی مقام اور دُعا کی اِن قرآنی شرائط کے مطابق، اب آنحضور کی دُعا پر مشتمل سورہ بقرہ کی آخری آیت مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر طاقت اُس کی پر
مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا
واسطے اُس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اُوپر اُس کے ہے
لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا
جو کیا اُس نے اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ جیسا
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا
رکھا تو نے اسکو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ
ہمارے اور مت اٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے
عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ
ہمارے ساتھ اُسکے اور معاف کر ہم سے اور بخش ہم کو
مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
اور رحم کر ہم کو تو ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم
الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۸۶ ع
کافروں کے

اللہ تعالیٰ کسی فرد پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جو کوئی اچھے اعمال بجالائیگا، اُسکا اچھا بدلہ اُسی کیلئے ہے۔ اور جو بُرے عمل کریگا اُسکا وبال اُسی کی جان پر ہوگا۔ (نہ کوئی کسی کے کام آئیگا، نہ کسی کے بدلے پکڑا جائیگا $\frac{۲}{۴۸}$ + $\frac{۲}{۲۵۴}$)، رسولِ مقبول اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں $\frac{۲}{۲۸۵}$، تعمیلِ قانون میں) اگر ہم سے کوئی بھول یا خطا ہو جائے تو اس پر ہمیں گرفت نہ فرمانا۔ (تیرے قانون میں کمی کرنا ہمارا ارادہ نہیں۔ پس) اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کریں اور) تو ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے، جو تُو نے ہم سے پہلے گزرے ہوئے اُن لوگوں پر (اُن کی بداعمالیوں کی بدولت) ڈالا تھا (جو تیرے قوانین کی مخالفت کرنیوالے تھے) اور اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کریں کہ) تو ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوائیے، جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ بارِ الٰہا! تُو ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیو۔ (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی کمی پوری کرلیا کریں۔ اور اس طرح (تُو ہمیں ہماری کوتاہیوں کے مُضر اثرات سے) محفوظ فرمائیو یعنی ہم پر رحمت کیجیو۔ تُو ہی ہمارا مددگار و کارساز ہے (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کرکے تجھے اپنا مددگار بنائے رکھیں۔ تو ہر کسی کا جو کیسا تو ہی اُسکا مددگار بنتا ہے $\frac{۹}{۱۲۲}$ نیز جب ہم تیرے قانون کے مطابق مقدور بھر عسکری طاقت مہیا کرکے دشمنوں کے مقابلے پر اُترا کریں، اُس وقت) تُو نظریہ ربوبیت کا انکار کرنیوالی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرمائیو۔

عـہ خدا تعالیٰ کو مددگار بنانے کا نسخہ سورہ انعام میں قرآن کریم نے خود واضح کر رکھا ہے:۔

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ۶/۱۲۷ =

اور وہ اللہ، لوگوں کا اُن اعمال کیساتھ مددگار رہے، جو وُہ خود بجا لاتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خدا تعالیٰ کی مدد اُسوقت آتی ہے، یعنی خدا تعالیٰ اُسوقت مددگار بنتا ہے، اور وہ ہماری مدد اُسوقت کرتا ہے، جب ہم اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اِسطرح دُشمن کے مقابلے پر خدا تعالیٰ کو مددگار بنا لینے کا ذریعہ چونکہ مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوّت مہیا کرنا بتایا گیا ہے ۸/۶۰۔ اِس لئے، قیامت تک کی نوعِ انسانی کو درس حقیقت دینے کیلئے، کہ دشمن کا مقابلہ پُوری فوجی قوّت کیساتھ کرنا اور اُسکے حضور فتح و نصرت کی دُعائیں بھی کرتے رہنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۂ بقر کو آنحضور سلامٌ علیہ کی دُعاءِ مبارکہ کے اِن الفاظ پر ختم کیا ہے:۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ یعنی سورہ بقر کا انتہائی آخری سبق یہ ہے کہ قوموں کی دوڑ میں صفِ اوّل میں آنے کیلئے زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیا کرتے رہو۔ اور اِسطرح دُشمنانِ ربوبیّت کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنائے رکھو۔ تاکہ تم قوموں کی دوڑ میں صرف صفِ اوّل ہی میں نہ رہو، بلکہ اقوامِ عالم کی سیادت و امامت ہمیشہ کیلئے تمہارے قبضۂ اقتدار میں رہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کیلئے تمہیں اپنی کتاب دیگر لوگوں کیلئے نمونہ ٹھہرایا گیا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۳/۱۱۰

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ○ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ ۲۳/۹۷-۹۸

قرآن کریم کا مفسر اس کا نازل کرنیوالا آپ ہے

• قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی، اور کائنات اُسکی فعلی کتاب ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر، عالمی مشاہدات کی صورت میں اُس کی فعلی کتاب میں، اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اُسکی قولی کتاب میں موجود ہے۔ اِس کتابِ مقدس کا مفسّر خود صاحب کتاب ہے۔ ہم مفسّرینِ قرآن نہیں، بلکہ خادمینِ قرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہیں۔

• یہ قرآنِ کریم پر پڑے ہوئے روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ نیز یہ حرفِ آخر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دعوتِ تفقہ فی القرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاھور

بمعاونت

ملک سلطان محمود صاحب لاہور